

سُحر کے ہر فرد کے لئے

سچی

پاکیزہ

بیتہ

جون 2012

نگارِ اعلیٰ

معراجِ رحمت

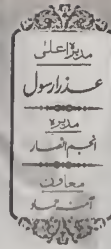
میسز احمد، نامید سلطانہ اختر،

اقبال بانو، عالیہ حرا، عطیہ عمر

اور دیگر مصنفات کی خوب صورت تحریروں سے آگاہ



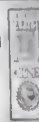
پاکیزہ بھینس



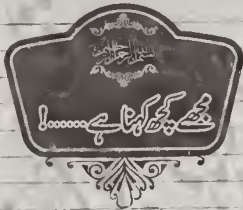
- اداریہ**
 مدیرہ 15
 فرحانہ ناز ملک 131
- سلسلے وارناول**
 مدیرہ احمد 18
 نامید سلطانہ اختر 146
- مکمل ناول**
 میونہ خورشید 68
 عالیہ حرا 182
- نویس**
 اقبال بانو 105
 شمیم فضل خالق 219
- افسانے**
 عطیہ عمر 61
- مستقل عنوانات**
 ادارہ 16
 مدیرہ 257
 عظمیٰ آفاق سعید 291
 انجم انصار 295
 آمنہ حماد 299
 پاکیزہ بھینس 302

شعبہ نمبر اشتہارات 0333-2256789 نمبر کارکنان 0333-2168391
اشتہارات فراہم ہوا فراہم ہوا 0332-4214400 راتلے جمید 0323-2895528
 ماڈل: ربیعہ..... میک اپ: روز بیوٹی پارلر..... قوتو گرافر: موسیٰ رضا

جلد 40 • شماره 03 • جون 2012ء • ذرا لائن 600 روپے • قیمت فی پرچاپا کستان 50 روپے •
 پوسٹنگس نمبر 666 گرامی 74200 • فون: 35995313 • ایکس 35802551 (021) E-mail: jdggroup@hotmail.com



پبلشر و پرنٹر: عذرا رسول، مقام اشاعت: C-63 فیز II ایکس ٹینشن، ایف بی سی کمپلکس، ایف بی سی کورنگی روڈ، کراچی 75500
 پرنٹر: جمیل حسن • مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی



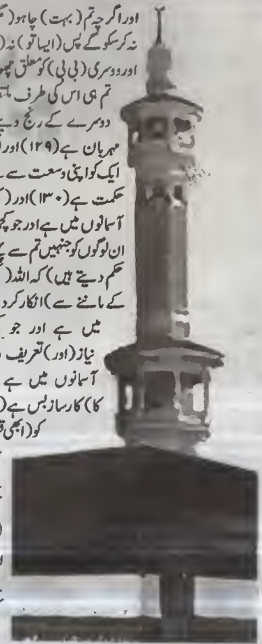
ان دنوں پوری دنیا میں نو عمر بچوں کے مسائل اتنے زیادہ ہیں کہ اگر ہم ان کو گننا چاہیں بھی تو گن نہیں سکتے۔ اب ایسے ایسے مسئلے سراٹھارے ہیں جو نہ کبھی دیکھے تھے اور نہ ہی سنے تھے۔ تقریباً تمام والدین ہی یہ خواہش رکھتے ہیں کہ ان کے بچے نہ صرف ان کے نقش قدم پر چلیں بلکہ ان کے پسندیدہ اخلاقی اور سماجی اقدار کو بھی اپنائیں۔

ماہر نفسیات کے مطابق پانچ سے دس برس کی عمر کے دوران بچے بڑے پر جوش ہوتے ہیں۔ اگر اس دوران انہیں اپنے والدین کی طرف سے کوئی رہنمائی نہ ملے تو وہ ایسی قدروں کو اپناتا سکتے ہیں جو ان کے والدین کے لیے قطعی قابل قبول نہ ہوں تو ایسے حالات میں بھی والدین کو چاہیے کہ بچوں کے ساتھ سختی نہ کریں بلکہ پیار سے سمجھائیں..... تیرا سے اٹھارہ برس کی عمر بہت ہجان خیز قرار دی گئی ہے جس میں بچوں کی خصوصی نگہداشت کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ یہ عمر ہی ایسی ہوتی ہے جس میں اپنا آپ بالکل درست اور سامنے والا بالکل غلط دکھاتی دیتا ہے۔

بے شمار والدین اپنے بچوں کو یہ طعنہ دیتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ تمہاری عمر میں ہم تو یہ کرتے تھے اور وہ کرتے تھے۔ ایسے جملے بچوں کے ذہن میں عواماً مافی رد عمل کو جنم دیتے ہیں۔ یاد رکھیں محض طعنہ دینے سے مسائل حل نہیں ہوا کرتے۔ اپنے بچوں کے سوالات تحمل سے سنیں اور ان سوالات کے تسلی بخش جوابات دینے کی کوشش کیجیے۔

وہ بچے بے حد خوش قسمت ہوتے ہیں جنہیں اپنے والدین کی توجہ اور پیار ملتا ہے۔ آپ خواہ کتنے ہی مصروف کیوں نہ ہوں اپنے بچوں کو وقت دیں..... ان کی باتیں سنیں، انہیں پیار کریں۔ ان کی تعریف کریں اور آنے جانے والوں کے سامنے ان کی خوبیاں گنوائیں..... انہیں یہ احساس دلائیں کہ وہ آپ کے لیے کتنے اہم ہیں۔ اور آج مجھے آپ سے صرف یہی کہنا ہے کہ اپنے بچوں کو قدرت کا حسین تحفہ سمجھتے ہوئے انہیں خوب سنبھال کر رکھیں۔ اور ان کی تربیت میں عقل، سمجھ، محبت اور شائستگی کا عنصر شامل رکھیں۔ باقی اللہ ہر چیز کا مالک ہے۔ (بے شک)

اور اگرچہ بہت چاہو (مکرمی) بیبیوں (سے بہتاد) میں ہرگز برابری نہ کر سکو گے ہیں (ایسا تو نہ کر کہ ایک ہی کی طرف) بہت حق باطل ہو جاوے اور دوسری (بی بی) کو مطلق چھوڑ دو (کہ نہ کسی اور سے نکاح کر سکتی ہے اور نہ تم ہی اس کی طرف باہمت ہوتے ہو) اور اگر تم صلح رکھو اور (ایک دوسرے کے رخ دینے سے) بچے رہو تو اللہ بے شک بخشنے والا مہربان ہے (۱۲۹) اور اگر دونوں جدا ہو جائیں گے (تو) اللہ ہر ایک کو اپنی وسعت سے بے نیاز کر دے گا اور اللہ وسعت والا صاحب حکمت ہے (۱۳۰) اور (کیا تم نہیں جانتے کہ) اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بے شک ہم نے حکم دیا تھا ان لوگوں کو جنہیں تم سے پہلے کتاب (الہی) دی تھی اور تم کو (بھی یہی حکم دیتے ہیں) کہ اللہ (کی نافرمانی) سے بچے رہو اور اگر تم (اس حکم کے ماننے سے) انکار کر دے تو بے شک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ بڑا بے نیاز (اور) تعریف والا ہے (۱۳۱) اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ (سب کا) راز باز ہے (۱۳۲) اور (اے لوگو! وہ چاہے تو تم سب کو) (ابھی قہر عدم میں) لے جائے (کے ڈال دے) اور (بے عرش قہار ہے) (دوسروں کو) (صغیر ہستی میں) لے آئے اور اللہ اس پر قادر ہے (۱۳۳) جو کوئی (صرف) دنیا (میں اپنے اعمال) کا ثواب چاہتا ہے تو (اے کیا معلوم نہیں کہ) اللہ کے پاس دنیا و آخرت دونوں کا ثواب ہے (پھر اس نے دنیا کے ثواب پر کیوں اکتفا کی) اور اللہ بڑا (اور) دیکھتا ہے (۱۳۴) (سورہ نسا آیت نمبر ۲۹ تا ۱۳۴)



آنحضرت ﷺ کے اسلئے گرامی سپنا عمر

محمد ﷺ (تعریف کے قابل اسرا ہے گئے)

1- حضرت عائشہ مدینہ فرماتی ہیں کہ کوئی فردی پاک ﷺ سے حسن خلق میں برابری نہیں کر سکتا۔ آپ ﷺ سب سے زیادہ اخلاقِ عمدہ کے قابل تھے۔

2- حضرت سعد بن ہشام فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ کی خدمت میں عرض کی کہ مجھے بتائیں کہ حضور ﷺ کے اخلاق کیسے تھے؟ انہوں نے فرمایا: کیا تم قرآن میں پڑھتے؟ میں نے کہا: ہر جہاں ہوں۔ فرمایا: کان غلغلة القرآن (آپ ﷺ کے اخلاق قرآن ہیں) یعنی جو اخلاق قرآن میں مذکور ہیں وہ سب حضور ﷺ میں موجود تھے۔ (مسلم)

(اور ای طرح قرآن کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس قرآن کے عجائبات (علوم و معارف) بھی ختم ہوئے والے نہیں اور یہ بار بار کی تکرار سے بھی پرانا نہیں ہوگا کساں دل اسکا جائے)

3- ایک روایت ہے کہ آپ ﷺ کی پیدائش کے

ساتویں دن جب حضرت عبدالمطلب نے قریش کی

وفات کی تو لوگوں نے لوہال کا نام پوچھا۔ آپ نے

جواب دیا۔ میں نے اسے اپنے بیٹے کا نام محمد رکھا

ہے۔ یہ نام سن کر لوگوں کو عجب ہوا اور

عبدالمطلب سے دریافت کیا کہ آپ نے اپنے خاندان

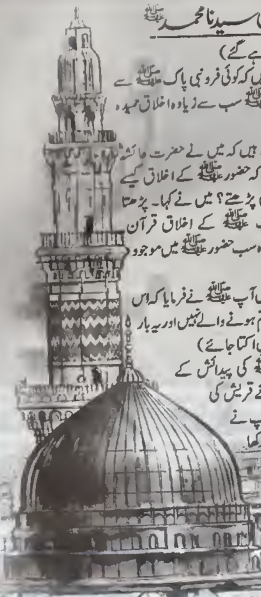
کی روایت اور وحی کو چھوڑ کر یہ نام کیوں

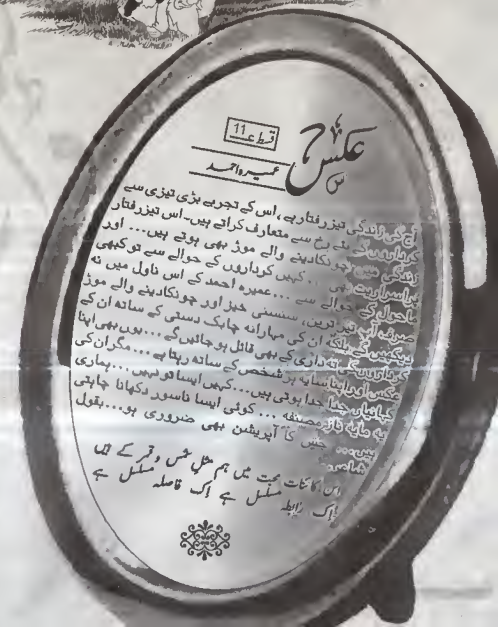
رکھا تو آپ نے جواب دیا:

"میری آرزو ہے کہ میرے بیٹے کا نام محمد رکھا جائے"

ساری دنیا میں تعریف کی جائے۔

قصہ حیات کی کتاب انوار اسلام ﷺ سے اقتباس





عکس

قسمت 11

عمیر احمد

آج کی زندگی تیز رفتار ہے، اس کے تجربہ بڑی تیزی سے گزرتی ہے۔ اس سے متعارف کراتے ہیں۔ اس تیز رفتار زندگی میں چوکنڈائیے والے موڈ بھی ہوتے ہیں۔ اور ہراسنا رہتے ہیں۔ کہیں کوئلاوں کے حوالے سے تو کہیں نا احوال کے حوالے سے۔۔۔ عمیرہ احمد کے اس ناول میں نہ صرف آپ تیز ترین، سسنی خیز اور چوکنڈائیے والے موڈ سے متعارف کرائیں گے۔ بلکہ ان کی مہارت چابک دستی کے ساتھ ان کے گہرائیوں کی تلاش کے بھی قابل ہو جائیں گے۔۔۔ مگر ان کی زندگی اور آپ کا ساتھ رہتا ہے۔۔۔ ہماری زندگیوں میں ایسا سا پہرہ شخص کے ساتھ رہتا ہے۔۔۔ ہماری کیا بات چیت خدا ہوئی ہے۔۔۔ کہیں ایسا تو نہیں۔۔۔ ہماری یہ بات چیت کتنا صاف ہے۔۔۔ کوئی ایسا ناسور دکھانا چاہتی ہو۔۔۔ جس کا آپریشن بھی ضروری ہو۔۔۔ بقول علامہ اقبال:۔۔۔

ان اکائات محبت میں ہم مل شوق دگر کے ہیں
ایک رابطہ مسلسل ہے اگر قافلہ مسلسل ہے



کوشش کرتے ہوئے مجھ کے لیے سر اٹھا کر آسان کو دیکھا جہاں سے ہلکی ہلکی پونڈا یا ندی ہو رہی تھی..... وہ برسات جواس کی آنکھوں سے نہیں برس پادی تھی وہ کہیں اور سے برسات شروع ہو گئی اس نے ڈرامیور سے کچھ بات کرنے کی کوشش کی تھی جو اس کے لیے دردناک کھولے کے لیے باہر آیا تھا۔ خود کو سنبھالنے کے لیے وہ ہر چیز کا سہارا لے رہی تھی۔

پانی کی ہلکی سی پھار نے اس کے چہرے، بالوں اور لباس کو ڈراما سنا کر اور برآمدے میں کھڑا اور اس کی بیوی کا استقبال کرتے ہوئے شیر دل نے بالکل اس لئے گردن موڑ کر اس کو دیکھا تھا۔ وہ سیاہ موتیوں سے انکیر اینڈ..... ایک ڈنگ والا سیاہ بیگن کا لباس پہنے ہوئے تھی جو اس کے مناسب جسم کو کچھ اور بھی متناسب کر رہا تھا۔ عام طور پر کھلے رستے والے کھٹے سیاہ بال اس وقت ایک سیاہ نیٹ میں ڈھیلے جوڑے کی شکل میں اس کی گردن کے پیچھے سٹے اس کی پٹلی اور ہلکی گردن کو نمایاں کیے ہوئے تھے۔ وہ انہیں کندھے پر اسٹول کی شکل میں بیٹھ کر دیکھتا تھا۔ وہ سیاہ ہاتھ میں ایک بہت چھوٹا اور خوب صورت سیاہ پرس پکڑے ہوئے تھی۔ شیر دل نے اس سے نظریں ہٹائیں۔ مشکل کام تھا یہ اور اس نے مشکل سے ہی کیا تھا۔ وہ کھڑا اور ان کی ٹیلی کے ساتھ آگئی تھی۔ کھڑا اور ان کی بیوی کا گاڑی سے اتر کر اندر جانے کے بجائے چند منٹوں کے لیے وہیں برآمدے میں رک گئے تھے۔ کھڑا اور ان کا استقبال کرنے کے بعد شیر دل برآمدے سے نکل کر اس کی گاڑی کی طرف بڑھ آیا تھا۔ عکس کی طرف جاتے ہوئے غیر محسوس انداز میں اس نے اپنی جیب میں پرنسٹون پینٹو لٹا تھا۔ اس کی یہ بے اختیار بیٹی شیر بانو نے ٹوس کی کچی جس کے برابر سے وہ یک دم ہٹا تھا۔ اس نے کھڑکی گاڑی کے پورچ سے ہٹ جانے اور عکس کی گاڑی کے آگے آنے کا بھی انتظار نہیں کیا تھا۔ وہ یہیں دیکھ پائی تھی کہ عکس کے گاڑی سے نکل آئے پر وہ اس کا استقبال کرنے چلا گیا تھا۔ وہ دور جاتے شیر دل سے نظریں ہٹاتا جانتی تھی لیکن وہ ہٹائیں پائی تھی۔ کھڑکی بیوی سے بات کرتے ہوئے بھی وہ عجیب بے چنگن انداز میں شیر دل کو بلے لے ڈے ڈے بھرتے ہوئے اس گاڑی کی طرف بڑھتے دیکھتی رہی تھی جہاں اس کی طرف پشت کیے ڈرامیور سے بات کرتے ہوئے عکس مراد علی کو اس نے ایک عجیب سے اضطراب سے دیکھا تھا۔

ڈرامیور سے بات کرتے ہوئے عکس جب تک پٹی شیر دل اس کے سامنے کھڑا تھا۔ دوفوں بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھ کر کھڑے۔ عکس نے اس سے نظر چرائی..... خود کو سنبھالا..... پھر اسے دیکھا..... وہ بہت بار ایک دوسرے کے اتنے ہی قریب آ کر کھڑے ہو چکے تھے..... بہت بار ایک دوسرے کے بالمقابل اتنے ہی فاصلے پر کھڑے ایک دوسرے کی آنکھوں میں یوں ہی جمنا جانتے بھی رہے تھے..... اور عکس مراد علی نے بھی ان آنکھوں میں پہچان کی کوئی جھلک نہیں دیکھی تھی..... نہ چڑیا کے لیے..... نہ اس سترہ سالہ عکس مراد علی کے لیے جو ایک اثر کا ٹیٹھ کے مقابلے میں ایک شیر دل کا نام ہی من کر بدک گئی تھی..... جس نے اپنے کیریئر کے بدترین تقریری مقابلے میں انچا پر دھرم کے پیچھے کھڑے ایک ایک لہجہ اس خوف میں گزارا تھا کہ وہ ابھی..... ابھی چڑیا کو پہچان لے گا..... اور وہ یہ کیوں نہ سوچتی کہ وہ اسے پہچان لے گا۔ چڑیا کی زندگی کے آٹھ سالہ ایک شیر دل کے بارے میں سوچے کر رہے تھے آٹھ سالہ گاڑی گر جانے کے بعد بھی ان کو ان سے ایک کا طبع وہ چھتا وہ ڈینکڑ میں اس کے خلیے کی ڈیشل جاتا رہی۔ اس کے مین ٹنٹس سے لے کر اس کے زیر استعمال اسٹیکر ڈرامیور سٹور کے

لہجہ اور ڈرامیور تک اسے جانتے۔ وہ ایک کے ساتھ گزارے ہوئے ان چند منٹوں کو اپنے ذہن کی ڈرامیور کی طرح چڑھا رہی تھی..... ایک ایک ایک ایک جملہ..... ایک ایک بات..... پھر اگر وہ یہ سوچ رہی تھی کہ وہ بھی ایک ایک طرح یاد ہو گئی تو یہ زیادہ بڑی خوش فہمی نہیں تھی..... آٹھ سالہ ان کا مطالعہ یہ عرصہ نہیں ہوتا کہ ایک اس کے ہر سے کے نقوش میں کوئی یاد رکھو نہیں پاتا..... لیکن ایک شیر دل اسے نہیں پہچانتا تھا۔ وہ نام سے اسے نہیں پہچان سکتا تھا کیونکہ خیرین اسے چڑیا کہتا تھا یا پھر قاتل..... اس کے نام کا دوسرا حصہ جس سے وہ چڑیا کے بعد جانی اور پہچانی جاتی تھی..... عکس کے نام سے وہ اسکول کے علاوہ اور کبھی نہیں جانی جاتی تھی۔ وہ نہ کمر میں نہ خاندان میں..... قاتل اس کے نام کا وہ حصہ تھا جس کا اضافہ اس کی پیدائش کے بعد اس کے خاندان کے افراد نے عکس نام سے اسے پکارنے میں دقت کے بعد کیا تھا۔ خیرین نے اس کا نام بڑے شوق سے رکھا تھا کہ ان چند منٹوں میں ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس نام کو اس کے خاندان اور گاؤں والے بھی کسی صحیح منتظر سے ادائیں کر سکتے تھے۔ خیرین نے چڑیا کا نام نہیں بدلا صرف اس میں قاتل کا اضافہ کر دیا لیکن وہ اسکول، کالج میں عکس مراد علی کے طور پر ہی جانی جاتی رہی۔ ایک بھی خیرین کی طرح اسے کسی قاتل کے بجائے چڑیا ہی کہتا رہا تھا۔ چڑیا کو پھر بھی خوش فہمی تھی وہ عکس کا لفظ سننے ہی چڑیا تک پہنچ جائے گا، وہ اس کے چہرے پر ایک نظر ڈالتے ہی اسے پہچاننے لے گا۔ یہ پہچان چڑیا کو بھی خوف زدہ نہ کرتی اگر اس رات اس نے ایک کو وہاں ریلک کے پاس فٹ سے چلائے نہ دیکھ لیا ہوتا خوف اور دشت کے عالم میں بھی ایک کے سامنے بے لباہی کا احساس چڑیا کا گاڑی دینے کے لیے کیا تھا۔ اس کی چیخوں نے چڑیا کی جان بھائی تھی مگر ان آٹھ سالوں میں بہت بار چڑیا اس ایک نظر سے نام رہی جو اس نے ایک کو خود پر ڈالے دیکھی تھی..... وہ جس حالت میں ایک کے سامنے آئی تھی وہ اس حالت میں بھی اس کے سامنے آتا نہیں جانتی تھی..... اور اسے جیسے خوف بھی نہیں تھا کہ وہ اسے پہچانے گا تو اس بے لباہی کے حوالے سے اس ایک رات کے حوالے سے پہچانے گا..... ان چند سالہ منٹوں میں اگلے گزارے ہوئے یاد رات کے حوالے سے نہیں.....

اس تقریری مقابلے کے بعد بھی اسے یقین تھا ایک کو اگر فوری طور پر وہ یاد نہیں آئی ہوگی تو مگر جا کر یاد آجائی..... چند دنوں کے بعد یاد آ جاتی..... اور پھر نہیں تو کم از کم چڑیا کا پھر اس کی نظروں میں ایک آتا۔ اس کی یہ خوش فہمی اکیڈمی میں دور ہو گئی تھی..... عکس مراد علی کے حوالے سے..... ایک شیر دل کی کسی قسم کی کوئی یادداشت نہیں تھی..... اسے شروں میں یقین نہیں آیا کہ وہ واقعی اسے یاد نہیں تھی..... کہی پھر وہ اسے انکوری رہی صرف اسی ایک حد سے کہ ختم کر وہ اسے اب ضرور پہچان لے گا..... اگر چڑیا کا چہرہ نہ پہچان سکا تو کم از کم سات آٹھ سال پہلے ہونے والے اس تقریری مقابلے کی تو کوئی میموری ہوگی اس کے پاس.....

اور جب عکس مراد علی کا آخری یقین آیا کہ ایک شیر دل کو اس کے حوالے سے..... ”کچھ بھی“ یاد نہیں تھا تو وہ ہل کر رہ گئی تھی..... شاید اس کی ایک عجیب سی کیفیت تھی جس سے وہ دوجا رہی تھی..... ایک شیر دل کمزور یادداشت کا مالک نہیں تھا کم از کم عکس کو اس حوالے سے کوئی ابہام نہیں تھا اس کے باوجود اس کا یاد نہ رہتا صرف ایک چیز کا اظہار تھا..... چڑیا ایک کے لیے نام نہیں تھی..... وہ اس کے لیے وہ اہمیت نہیں رکھتی تھی جو ایک اس کے لیے رکھتا تھا..... اور کیوں اہمیت رکھتی آخروہ ایلیٹ کلاس سے تعلق رکھنے والے ایک کم عمر بچے کے لیے جس کے

دل سے زیادہ خوش لباس مرد نہیں دیکھا۔

عکس نے گہری سکراہٹ کے ساتھ ساتھ تباہی نظروں سے شیردل کو دیکھا ہوا کہ ایک جھوٹے کے شیردل کی ہل کوڑا یا عکس کی نظر پھٹکی، اس کی ٹانگی کاؤٹنے سے روک دینے کی خواہش کو اس نے اپنی بے اختیار کی ماحول دیا جس طرح وہ ٹھہری تھی۔

دونوں کے درمیان اب غیر محددی لکھا کا تادل ہو رہا تھا۔ وہی رہی جھلے..... اور وہی ان کے منہ بوم..... وہ ہمیشہ کی طرح اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے بات کر رہا تھا اور وہ بھی عکس اس کے چہرے سے اس کے دل تک پہنچ گیا تھا۔ وہ اسے راستے میں ہی ہونکا دیتی تھی..... ہمیشہ بڑی کامیابی کے ساتھ..... عکس نے سوچا اس کے چہرے پر نظریں جمائے شیردل کے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل ہو رہا تھا کہ اس کے چہرے پر موجود کون سی ٹیکس کو مانتا کر رہی تھی۔ اس کے کانوں کی لوڈوں میں دیکھے سفید موتیوں کے studs اس کی شفاف چندرا سیارہ آئی لائنز سے بھی آنکھوں کو یا سرخ لپ اسٹیک سے رکتے ہوئوں سے ٹھٹھکی دودھا اتانوں کی قفا کو جو اس کی سکراہٹ کو اور بھی دلکش کر رہی تھی۔ بارش کی پھوار کے نیچے نیچے قطرے اس کے قدروں کی طرح اس کے بالوں اور چہرے پر چکر رہے تھے۔ ایک لمحے کے لیے شیردل کا دل جا پاؤں ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو اپنی انگلیوں کی پودوں سے صاف کر دے..... صرف ایک لمحے کے لیے..... پھر اس نے نظر چرائی تھی..... جیب سے ایک ٹشو نکال کر غیر محسوس انداز میں عکس کی طرف بڑھاتے ہوئے اس نے کہا۔

”تم بڑے اداس کر لیا۔“ عکس نے وہ ٹشو تمام کراہی غیر محسوس انداز میں اپنا چہرہ اور سر تھپتھپاتے ہوئے کچھ حیرانی سے اس سے پوچھا۔

”کیا؟“ وہ دونوں اب ساتھ چل رہے تھے۔

”بارش میں گاڑی سے نکل آئیں۔“ قدم بڑھاتے ہوئے شیردل نے اس سے کچھ خمیدگی سے کہا۔

”تو؟“ وہ ابھی۔

”اگر میک اپ بہہ جاتا تو؟“ اس بائیرڈل کے ہونٹوں اور آنکھوں میں شرارت لہرائی تھی۔ یہ جاننے کے باوجود کہ وہ ایک سیاہ آئی لائنز اور لپ اسٹیک کے علاوہ شاید ہی کچھ اور لگائے ہوئے تھی۔

”ہاں رسک تو تھا۔ میک اپ صاف ہو جاتا تو تم اس سے زیادہ گھورتے سمجھتے۔ جتنا ابھی گھور رہے تھے۔“ عکس نے ہاتھ میں جڑے ٹشو کو بڑی نفاست سے لپیٹ کر ہنس میں بے نیازی سے رکھتے ہوئے کہا۔

جواب بھی ویسا ہی آیا تھا جیسا سوال کیا گیا تھا۔ اسے دیکھ کر شیردل نے بے اختیار سر جھکا کر اپنی سکراہٹ چھائی۔ وہ اس کی اس جس مزاح کی عادی تھی۔ اسے دیکھ کر شیردل کے لیے خاموش رہنا اور کسی نہ کسی بات پر کوئی کوئی نہ کوئی پھرتا ہوا تبصرہ نہ کرنا ناممکن تھا۔ وہ سمجھتے ہیں اس کی عادی تھی۔ ایک شیردل کے پاس سمجھنے میں بھی احمقانہ باتوں کا ڈھیر ہوتا تھا اور ڈھیر کا مطلب ڈھیر ہی ہوتا تھا اور وہ ہر احمقانہ بات

بے حد خمیدگی سے کرتا تھا۔ چڑیا اس کے ان چند عریضی سائیموں میں سے ایک ثابت ہوئی تھی جو بہت جلد ہی یہ سمجھ گئی کہ وہ ساری باتیں کم از کم ایک لمحے کے لیے احمقانہ نہیں تھیں۔ وہ انہیں بڑی خمیدگی سے کرتا تھا..... اور چڑیا دوسرے بچوں کے برعکس بڑی خمیدگی سے انہیں سن لیا کرتی تھی..... اس کی یہ عادت اب بھی قائم

پاس کرنا اور دوستوں کا ایک جم غفیر تھا جو اس کی طرح کے سوشل سیٹ آپ سے تعلق رکھتے تھے۔ چڑیا ایک چھوٹے شہر میں آکر پوری سے بچنے کے لیے ڈھونڈی جانے والی ایک ساتھی ہو سکتی تھی لیکن وہ اس کی وہ دوست نہیں ہو سکتی تھی جسے اس نے وہاں اپنی سنا اپنے جیسے دوستوں میں جا کر سک گیا ہو..... وہ چڑیا کے بچپن کی بہترین چیزوں میں سے ایک تھا لیکن چڑیا ایک کے لیے ایک بہترین یاد کیے ہو سکتی تھی۔ بڑے سالوں بعد عکس مراد علی نے بیڑہ کر جڈا تہیت کی گرد جھاڑ کر اپنے اور ایک کے تعلق کو دیکھا تھا اور جب سی اندامت اور رنجیدگی ہوئی تھی اسے۔

ایک شیردل، عکس مراد علی کو اس تقریری مقابلے کے حوالے سے بھی یاد نہیں رکھ گیا تھا..... اسے اپنی شکل و صورت کے حوالے سے کوئی خوش فہمی نہیں رہی تھی لیکن وہ یہ ضرور جانتی کی کہ مراد علی انٹرویوز کر سکتے۔ وہ کہہ کر اترم اتنے معمولی ضد و خال کی یاد نہیں تھی کہ ایک ایک سے یاد بھی نہ رکھتا..... اور یہاں اسے اچھے کچھ کا سوال بھی نہیں تھا یہاں بات صرف یاد رکھنے کی تھی..... صرف اور صرف یادداشت کا حصہ رکھنے کی..... عکس مراد علی وہ بھی نہیں تھی۔

”زندگی میں بارنے والوں کو بہت کم لوگ یاد کرتے ہیں..... بارنا انسان کے غیر معمولی چہرے کو بھی معمولی بنا دیتی ہے اور جیت معمولی شکل کو غیر معمولی۔“ عکس مراد علی نے اس تھی کو خیر دین سے مل کر دانے کی کوشش کی تھی۔

”میرے ساتھ اکیڑی میں ایک لڑکا ہے نا..... سات آٹھ سال پہلے ایک انٹر کالجیٹ مقابلے میں اس نے مجھے ہرا کر وہ مقابلہ جیتا تھا لیکن میں حیران ہوں کہ اسے میں یاد تک نہیں حالانکہ وہ مجھے یاد ہے۔“ اس نے خیر دین کو ایک شیردل کا نام لے بغیر اپنا مسئلہ بیان بھیجے لگتا ہے وہ دکھاوا کر رہا ہے مجھے نہ پہچاننے کا درد نہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اسے میں یاد ہی نہ ہوں۔“ عکس نے اپنا اندازہ بھی اس کے ساتھ شیئر کیا۔

”لوگ بارنے والوں کے چہروں اور ناموں پر غور نہیں کرتے چڑیا۔ تم نے تو دوسری، تیسری پوزیشن بھی نہیں لی اس مقابلے میں..... پھر تمہیں وہ کس حوالے سے یاد رکھتا..... بارنے والے تو بہت سے ہوتے ہیں۔“ کتا حقیقت تھی کو خیر دین نے مصری کی ڈلی کی طرح تو ڈر کر چڑیا کے سامنے رکھ دی تھی۔ ایک شیر دل عام شخص تھا اس کی نفسیات بھی عام شخص جیسی ہی تھی..... جیت اور جیتنے والوں کو یاد رکھنے کی کوشش..... بار اور بارنے والوں کو بھول جانے کی..... وہ اوپر دیکھنے کا عادی تھا یہ نہیں۔

زندگی میں ایک اور جتن عکس مراد علی نے اس دن حاصل کیا تھا۔ وہ زندگی میں ان تمام لوگوں کے چہروں اور ناموں پر بھی غور کر کے جنہیں وہ زندگی میں ہر آنے کی۔ وہ زندگی میں خود بھی عکس مراد علی جیسے حریف کا سامنا نہیں جانتی تھی جو یک دم کسی dark horse کی طرح ایک دن اس کے سامنے آکر کھڑا ہو جائے اور اس کے بارے میں کچھ بھی پتا نہ ہوتا۔

بلیک ڈیوٹ کے ساتھ ایک سرخ striped ٹائی لگائے، سلور کلف اسٹروس ٹائی پر ایک کرشل کی ٹائی پن لگائے وہ اپنے اس جیلے میں اس کے سامنے کھڑا تھا جو اس کی ایک ویز شہرت تھی۔ اکیڑی میں کوئی اور کاسٹراپنی ڈریسنگ پنٹس میں شیردل کے سامنے نہیں شہر سکتا عکس مراد علی نے اتنے سالوں کی سروس میں بھی...

وہ اب باقی لوگوں کے قریب پہنچ چکے تھے۔ شیر دل اسے جواباً کہہ نہیں سکتا تھا۔ کشتی کی بیوی کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے شہر بانو کس کے استقبال کے لیے کچھ آگے بڑھ آئی تھی۔ دونوں نے بیک وقت ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔

”شہر بانو! عکس مرا دلی“ چند لمحوں میں شیر دل نے باری باری دونوں کو ایک دوسرے سے متعارف کروایا۔ دونوں ناموں کے ساتھ کوئی سیاق و سباق نہیں تھا مگر کچھ دھڑکنے والے کلمات سے کہیں زیادہ حقیقی تھیں۔ شیر دل نے ان کا تعارف کیا تھا۔ سفید خٹون کے گلیڈ والے کرتے اور چوڑی دار پاچے میں شہر بانو ایک باری ڈول لگ رہی تھی۔ عکس اس کے لیے کوئی اور ڈھیر نہیں ڈھیر نہ تھی۔ وہ آج بھی اسی باری ڈول تھی۔ ڈاکٹر فرح کی بیٹی کس پاس موجود ہو کر آیا جو اسے ہمیشہ لپکا کرتی تھی اور اس جیٹریا خریدنے کے لیے اس نے خیر دین سے بہت ہراساں کیا تھا۔

خیر دین اسے لے کر بازاروں میں مکمل لوگوں کی دکانوں پر باری ڈول کی تلاش میں پھر تار ہا تھا۔ جو سستی نقل دکانوں پر مل رہی تھی وہ چڑیا کو پھیندیں آ رہی تھیں وہ اصل اور نقل کا فرق بتا نہیں سکتی تھیں لیکن سمجھتی ضرور تھی اور جو اصل تھا باری ڈول اسے چند دکانوں میں نظر آئی تھی اس کی قیمت اتنی تھی کہ خیر دین اسے چڑیا کو دھکا دے گا تو اسے نہیں سکتا تھا۔ کئی دن بازاروں کی خاک چھاننے کے بعد بالآخر چڑیا کو پتا چلا کہ اصل باری ڈول اس کی استطاعت اور اوقات سے باہر کی چیز تھی اور اس کے لیے خدیا اصرار کرنا خیر دین کو تکلیف اور شرمندگی کے سوا کچھ نہ دیتا۔ اس نے باری ڈول کی فراہمی ختم کر دی تھی مگر وہ اس کے حواس پر سوار رہی تھی۔ تین سالہ شہر بانو پر پہلی نظر میں بھی اسے خوب صورت الٹنگ گاؤں والی وہ باری ڈول ہی یاد آئی تھی۔ اس کے صرف بال شہری نہیں تھے مگر اس کی خوب صورتی، ناز و نعرہ، لباس سب اسی باری ڈول جیسا تھا جو اس کے لیے untouchable تھی۔

اسنے سالوں بعد شہر بانو کو دیکھتے ہوئے عکس مرا دلی کو آج بھی باری ڈول ہی یاد آئی تھی۔ دو دو صاف گت، سیاہ لبی خنجر، اکھیں، ننھی سی نوک والی ہیکھی ناک اور بے حد باریک مسکراتے ہوٹ۔ عکس کے ہونٹوں پر موجود مسکراہٹ کچھ اور گہری ہوئی تھی اسے دیکھ کر..... اسے آج بھی اسی پر وہی سی یاد آ رہا تھا جیسا اس کو پہلی بار دیکھ کر آیا تھا۔ اس کا دل آج بھی اس کی طرف..... اسی طرح ہکا بکا تھا جس طرح پہلی بار اسے دیکھ کر ہبک کر اس کی طرف گیا تھا۔ شیر دل کو اس سے زیادہ پر حلقہ لپک نہیں لے سکتی تھی۔ وہ واقعی صرف شیر دل کے ساتھ تھی۔ اس کی طرف بڑھتے ہوئے عکس نے سوچا تھا۔ شیر دل کے ذہن میں سب سے پہلے شہر بانو کے حوالے سے اس طرح کا خیال ڈالنے والی وہی تھی۔

”میرا خیال ہے وہ تم سے محبت کرتی ہے۔“ اس نے فون پر شیر دل سے شہر بانو کے حوالے سے کوئی قصہ سننے کے بعد کہا تھا۔ وہ جواباً بٹھا تھا۔

”یوں کی ہی بات ہے جو تم مجھے بتا رہی ہو، میں جانتا ہوں وہ مجھ سے محبت کرتی ہے..... مجھ پر مروتی ہے۔“ اس نے آخری جملہ بڑے اعتماد سے بڑے جتنے والے انداز میں کہا تھا۔ ”کوئی پہلی لڑکی تو نہیں ہے وہ جسے مجھ سے محبت ہوگی.....“

مسٹر شیخ چلی اگر تم شیخاں بھسارنا بند کرو تو میں کچھ کہوں۔“ عکس نے اس کی بات کاٹتے ہوئے اسے لہو لہو کر کے زبردستی میں پہلی بار کوئی اچھی لڑکی محبت کر رہی ہے۔“

”Now that's not fair“ شیر دل نے اس کی بات کاٹ کر احتجاج کیا۔ ”تم یہ کیسے کہہ لے گی..... تمہیں کیا پتا مجھ پر کوئی فون کرتا.....“ عکس نے اس کی بات کاٹی۔

”تم تقریر کرنے کے بجائے اس لڑکیوں کے ناموں کی ایک لسٹ بنا لو جو تم پر مرنے کا شرف حاصل کر چکی ہیں..... ہو سکتے تو تصویریں بھی لکھ لیتا ساتھ.....“ تصویریں تو ہوں گی تاہم لڑکی کی تمہارے پاس.....“ عکس نے اسے اظہار بڑی تنبیہ کی سے مشورہ دیتے ہوئے کہا یوں جیسے دونوں اکیڑی میں کوئی سینڈ کیٹ رپورٹ تیار کرنے کے بارے میں suggestion پر تیار نہ خیال کر رہے تھے۔

”ہر لڑکی کا تصویر ہے میرے پاس سوائے تمہارے.....“ شیر دل نے ترکی پر تکی کہا۔

”نہیں تو اس کی کنگری میں ویسے ہی نہیں آتی کیونکہ تم میں تم پر مروتی ہوں، نہ تمہارے ساتھ جی سکتی ہوں۔“ عکس نے بھی اسی انداز میں کہا۔ ”تو اس لیے میں تو تمہاری سوسائٹیز کو کھینچ کر کاٹ رہی ہوں۔ ویسے شہر بانو کی طرح بات کر رہے تھے۔“ عکس نے بات کے اختتام پر اسے پھر شہر بانو یاد دلایا۔

”میں تو مرنے میں تیار ہوں۔“ شیر دل نے سس سے سس نہیں ہوا تھا۔

”تم کس لڑکی پر نہیں مرنے شیر دل۔“ عکس نے فس کی کہنا۔ وہ بھی فس دیا۔

”یہ بھی ٹھیک ہے۔“ اس نے اعتراف کیا۔

”شہر بانو پر غور کرو.....“ عکس گھوم پھر کر ایک بار پھر اسی موضوع پر آگئی۔

”جہیں میری اور شہر بانو کی match making میں اتنی دلچسپی کیوں ہے؟“ شیر دل نے یک دم

سنجیدہ ہوتے ہوئے پوچھا۔ ”جب تمہیں جھٹ میں دلچسپی نہیں ہے تو leave it..... میں جس سے چاہے شادی کروں تمہیں کیا.....“ شیر دل نے اسی انداز میں کہا۔

”میں چاہتی ہوں تمہیں کوئی تمہارے جیسی نہ مل جائے۔“ عکس نے ترکی پر تکی کہا۔ ”تم دوست ہو.....“

اتنی پر وا تو ہے مجھے تمہاری کس میں تمہیں کی کوئی میں نہ دے دوں۔“

”نہیں نہیں تم مجھے کوئی دو تو میں.....“ عکس نے ٹش ٹش کر کے اس نے اطمینان سے کہا کونسی آگئی۔

”تم سے کیا کہنا تھا؟“ شیر دل نے مضبوطی سے کہا کہ کونسی آگئی۔

”تم مجھ سے شہر بانو کی بات کر رہے تھے۔“ عکس بات کو گھبراہٹ سے لے آئی۔ شہر بانو کی طرف بڑھتے

ہوئے عکس کو پتا نہیں کیا کیا یاد آ رہا تھا لیکن ان تمام یادوں میں کوئی رخ یا دھنیں تھی وہ کچھ جیسے فطرت کی چارہا تھی۔

شہر بانو نے اس سے پہلے عکس مرا دلی کا نام سنا تھا یا اس کو شیر دل کے گروپ فوٹو گراف میں دیکھا تھا۔

جہاں وہ لاکھ نوکر کرنے کے باوجود بھی اس کی شکل و صورت اور طبع میں وہ خاص چیز کو جوتے میں ناکام رہی تھی جو اس کے ذہن میں کسی اعلیٰ پائے یا خدائے کو ختم دینی لیکن آج اس پر پہلی نظر ڈالنے ہی وہ عکس مرا دلی

ہماری طرح خائف ہوئی۔ یوں ہوئی کہ وہ اسے لگی وہ نہیں آیا..... نہ اسے شیر دل سے کوئی خدشہ تھا

عکس مرا دلی اس حسن و جمال کی مالک تھی جس سے اسے کوئی احساس کمتری ہونے لگا لیکن اس کے باوجود

طریقہ تو یہ کہ مشکل بات ہی نہیں تھی۔

ان دنوں کے درمیان چند اور جملوں کا تبادلہ ہوا تھا ساتھ چلتے ہوئے..... موسم کے بارے میں..... مہماؤں کے بارے میں..... ذہن کے بارے میں اور پھر عکس اس کے ساتھ ہال بال کمرے میں داخل ہوئی تھی جہاں ڈرکار انتظام تھا۔

اس ہال کمرے میں بیٹھ کر اس بات اس نے گزرنے ہوئے کل کی ساری یادوں، ساری آوازوں سے خود کو shut off کر لیا تھا بالکل ایسی طرح جیسے مڑک پر خرد دین کے جھلوں کی ریڑھی پر بیٹھی اسکول سے ملنے والا بوم درک کرتے ہوئے وہ مڑک پر سے گزرنے والے ٹریفک کے بے بہم شور سے خود کو کٹ لیا کرتی تھی۔

لوگوں کے جھوم کے بیچ بیٹھ کر عکس مراد علی نے اپنے آپ پر اپنی زندگی پر اپنی زندگی میں آنے والی تکلیفوں پر بھی ماتم نہیں کیا تھا..... بھی خود پر ترس کھاتے ہوئے خود کو دوسروں سے مکتز اور دوسروں کو برتر نہیں سمجھتا تھا..... خرد دین نے اسے زہر کے کھوٹ پیتے ہوئے بھی جینا اور مسکراتے ہوئے جینا سکھا تھا اور اس ہال میں اسنے سالوں کے بعد بیٹھے ہوئے وہ زندگی کے زہر آلود حصوں کو چھوئے بغیر گزر رہی تھی..... اور وہ گزرتی تھی۔

☆☆☆

”تم یہ کیوں کرنا چاہتی ہو؟“ خرد دین نے بے حد برائی سے عکس کا چہرہ دیکھا تھا۔ بیرون ملک اپنی ڈگری مکمل کرنے کے بعد وہ چند مہینے پہلے پاکستان آئی تھی اور اس کی پرورش ہوئی تھی اور پرورش کے بعد اس نے آج خرد دین سے جو بات کی اس کی نے خرد دین کو حیران کر دیا تھا۔ وہ خرد دین کی زمین واپس لینے کے لیے عکس کرنا چاہتی تھی۔ وہ زمین جس کو خرد دین بھی نہیں بھولا تھا لیکن ہمیشہ بھولنے کی کوشش کرتا رہا تھا..... لیکن رزنی حلال پر ڈالا ہوا ڈاکا کسی انسان کو نہیں بھولتا..... خرد دین نے بھی وہ زمین نہیں اپنی ساری زندگی محنت سے کمایا اور بچایا ہوا رزنی حلال گنوا لیا تھا..... وہ بھی تب جب وہ پانی پانی کا تاج تھا..... اور آج اسنے سالوں بعد وہ عجیب عجیبے والی بات کر رہی تھی..... اسنے سالوں سے جا ب میں آنے کے بعد وہ ایک باہمی کار بھی گاؤں نہیں گئی تھی..... خرد دین اب گاؤں آنے جانے لگا تھا اور گاؤں میں اب وہ اس کا شاندار استقبال ہوتا تھا۔ وہ اپنے بھائیوں اور ان کی اولادوں کے اصرار کے باوجود کسی ان کے گھر نہیں شہر ہٹا تھا بلکہ اپنے اسی دوست کے پاس شہر ہٹا تھا جہاں اس نے مشکل وقت میں پناہ لی تھی۔ اپنے خاندانی گھر میں نہ بھرنے کے باوجود اسنے وہاں سے گزرتے ہوئے اس گھر کے دروازے پر وہ نیم پلیٹ و کچھ لی تھی جس پر عکس مراد علی کا نورنامہ اس کے عہدے کے ساتھ لکھا ہوا تھا اور وہ علی بڑے نمایاں انداز میں اس گھر کے دروازے پر لگی ہوئی تھی جہاں بھی اس کے، حلیہ اور چڑیا کے لیے رہنے کی جگہ تک نہیں تھی۔ خرد دین نے گاڑی روکا کے نم آنگھوں اور مسکراہٹ کے ساتھ وہ سختی دیکھی تھی..... اسے دیکھتے ہوئے اسے کئی سال پہلے کی وہ سختی یاد آتی تھی جس پر اس نے بھی ایسے ہی خفیہ انداز میں اپنا نام، اپنا مہد اور اپنے صاحب کا نام بھی لکھوا لیا تھا۔ چنانچہ وقت زیادہ بے شرم سے یا انسان..... جو رگرت بدلنے میں اپنا ہی نہیں لکھتا خفیہ انداز میں لگی ہوئی وہ سختی دروازے پر نہیں انسان کی بے مہمتری پر لگی تھی..... خونی مٹھے لٹھے وضع طوائف جیسی اور سختی و قفار دی بھی نہیں دکھاتے..... کتا لکھ لیں ماوہ پرستی پر یا بیچ بازار میں

اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ عکس مراد علی کو نظر انداز کرنا بے حد مشکل تھا اور اس کو پسند نہ کرنا اس سے بھی زیادہ دشوار۔

برآمدے کی انٹرنل پر ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے وہ دونوں شہر بانو کسی فوٹو فریم کا حصہ لگے تھے۔ ایک پر ٹیکٹ بیکر..... دراز قد، امریکائی، برقعہ، اسارت..... سیاہ لباس میں بلبوس وہ ایک ایسا چلک لب رہے تھے جو گھر سے نکلے ہوئے top سے toe تک پر ٹیکٹ پیچنگ کر کے آئے تھے۔ کوئی بھی ایک نظر میں دیکھ لیتا کہ عکس کے ہونٹوں کی لب اسٹک کا رنگ شیر دل کی نانی کے رنگ کا ایک حصہ لگ رہا تھا..... شہر بانو نے بھی ٹوٹس کیا تھا..... ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے کسی رشتے اور تعلق کے بغیر بھی ان دونوں کی باڈی لینگویج میں ایک عجیب کیسٹری تھی..... ایک عجیب شاد رابطہ اور تعلق تھا..... جس کو نہ چھپانے کی کوشش کی تھی..... نہ دکھانے کی..... لیکن وہ پھر بھی چھپ چھپ کے دکھ لہا تھا۔

شہر بانو ابھی جھکی..... اور پھر جانے کے باوجود وہ عکس سے دیکھی گرم جوش کا مظاہرہ نہیں کر سکی جو وہ کرنا چاہتی تھی جو وہ دوسرے مہماؤں کے ساتھ کر رہی تھی اور عکس نے یہ محسوس کر لیا تھا۔ وہ نے تلے انداز میں اس کی طرف بڑھی اور عکس نے بھی اس کا ہاتھ اسی احتیاط سے پکڑا تھا جس سے وہ بے حیا بنا گیا تھا۔ اسے اسکول میں اپنا اور باربی ڈول کا پہلا آمتا سامنا یاد آیا تھا..... وہ تب بھی اسی طرح کی تھی اس سے..... ڈرتی، بھجتی، چھپتی.....

شہر بانو نے عکس مراد علی کے ہاتھ کی نرمی اور حد تک بیک وقت محسوس کیا۔ دونوں کی نظریں ملیں عکس کو اسے نظریں ملانے میں کوئی عار نہیں ہوئی۔ چار سال کی وہ بچی اسے بھی نہیں پہچان سکتی تھی۔ ”آپ کیسی ہیں؟“ شہر بانو نے اسے کہتے سنا۔ اس کی آواز کی ملاحت نے شہر بانو کے وجود کی سرسبھی کو عجیب انداز میں چمکایا۔

”کی کوشش کی۔“

”I ‘m fine, how are you“ عکس نے جواباً ایک دھمی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ دونوں کا ذہن بیک وقت blank ہوا تھا۔ اگلا جملہ دونوں کے پاس نہیں تھا۔ شیر دل اب کھڑے کے ساتھ اندر جا رہا تھا۔ شہر بانو کو جیسے ایک عجیب اطمینان ہوا تھا اس فوٹو فریم کے ایک حصے کو وہاں سے ہٹے دیکھ کر۔

”شیر دل سے بہت تنا ہے میں نے آپ کے بارے میں.....“ عکس اس کی بات پر مسکرا دی۔ وہ جانتی تھی ”اچھا.....؟ میں نے آپ کے بارے میں بھی نہیں سنا۔“ عکس اس کی بات پر مسکرا دی۔ وہ جانتی تھی شہر بانو نے اسے کچھ جانے کی کوشش نہیں کی تھی اور وہ جانتی تھی شہر بانو بھوت بھی نہیں بول رہی تھی۔ شیر دل اس کا ذکر شہر بانو سے بھی نہیں کر سکتا تھا کسی بھی حوالے سے نہیں کر سکتا تھا..... کرنا تو عکس مراد علی کو شک لگتا..... وہ اس کی گرل فرینڈ نہیں تھی، وہ اس کا انفر بھی نہیں تھی، وہ اس کی محبوبہ بھی نہیں تھی، وہ اس کی دوست بھی نہیں تھی..... اس کے باوجود وہ شیر دل کا سب کچھ تھی..... اس کا وہ راز جو ایک شیر دل ہمیشہ چھپاتا رہا تھا ہمیشہ جیسا سکھاتا..... ایک نوسالہ بچے کے طور پر بھی وہ چڑیا guard کو کر سکتا تھا۔ ایک adult

تھے۔ جب تم کالج کو تھیں تو تم اس گاؤں سے کالج جانے والی پہلی لڑکی تھیں پھر اس گاؤں سے امتحانات میں ٹاپ کرنے والی واحد لڑکی۔ ڈاکٹر بننے والی پہلی لڑکی۔ اسٹنٹ کمشنر بننے والی پہلی لڑکی۔ سی ایس ایس کے امتحان میں ٹاپ کرنے والی پہلی لڑکی۔ یہ سارے کوئی چھوٹے اعزاز تھوڑی ہیں۔ پاکستان میں کتنی لڑکیاں ہیں جن کے پاس اتنی قابلیت ہوگی اور اس قابلیت کا صلہ بھی۔۔۔ خیر دین بچوں کی طرح خوش ہوتے ہیں اس کے اعزاز کو تیار رہتا۔ دو خاتونوں کی حضور اور ان پر عمل درآمد کے لیے ابھی کا تھا۔ ”ایک دن تم اس گاؤں سے دو بچی کمشنر بننے والی بھی پہلی لڑکی ہوگی اور خوش بننے والی بھی۔“ عکس خیر دین کی اس جذباتی پیش گوئی پر ہنس پڑی۔

”نانا پاکستان میں خوش تو بنی کمشنر اور کمشنر بنیں۔ ہمیں دو ڈیڑھ چلانے کے لیے نہیں دیا جاتا۔“ اس نے جیسے خیر دین کو کھانے کی کوشش کی۔ ”سندھ میں شاید ایک آدھ خاتون آئیں گو کچھ عرصہ کے لیے دو بچی کمشنر کے طور پر تعینات کیا گیا تھا لیکن وہ بھی بہت کم عرصے کے لیے۔“ آپ اور خواب نہ دیکھیں میرے بارے میں۔“

”ایک دن آئے گا کہ یہ بھی ہوگا تم دیکھ لیا چڑیا تم دو بچی کمشنر بھی ہوگی اور کمشنر بھی۔ لیکن شاید جب تک میں نہ رہوں۔“ خیر دین کو بات کرتے کرتے کب نہ خیال آیا۔

”آپ اس بات کو چھوڑیں یہ بتائیں دروازے پر کسی اسحق پر کیا کھاتا تھا؟“ عکس نے بڑی مہارت کے ساتھ خیر دین کو بھیجے اور اس ہونے سے روکا۔ وہ اب اکثر اپنی موت کا ذکر نہ لگتا تھا۔

”اس حق پر لکھا تھا کہ اس عکس مراد علی بنوای خیر دین۔ اسٹنٹ کمشنر اسلام آباد۔“ خیر دین بچوں کی طرح بھلا اور اسے اس حق پر کبھی تحریر فرمنا نہ لگا۔ عکس نے کام کرتے کرتے اپنا ہاتھ روک دیا اور خیر دین کا چہرہ دیکھنے لگا۔ وہ جانتی تھی اس نے خیر دین کو زندگی میں آخر کے لیے ہمارے لیے دیے تھے۔ اس نے خیر دین کی جھولی کو بھر دیا تھا لیکن زندگی میں جو کچھ خیر دین نے اس کے لیے کیا تھا وہ اس سے بہت زیادہ تھا جو وہ اس کے لیے کر پائی تھی۔ وہ جانتی تھی خیر دین کی زندگی کا اب آخری حصہ اس کے پاس تھا اور وہ اس آخری حصے کے گزر جانے سے پہلے خیر دین کے زندگی کے کھوے ہوئے اٹانے بھی لوٹا دینا چاہتی تھی اسے۔ کم از کم وہ چیزیں جو خیر دین نے اس کی وجہ سے کھوئی تھیں۔

اور کئی سال بعد یہ ہرلا کام ایسے کی ایک کڑی تھی۔ ”مڈنے مردے اٹھانے کا فائدہ۔“ اس رات جب اس نے بالآخر خیر دین کو یہ بتایا کہ وہ زمین واپس لینے کی کوشش کرنا چاہتی ہے تو خیر دین نے اس سے کہا تھا۔

”وہ مڈنہ مردہ نہیں ہے۔ ہمارا حق ہے۔ اور اسے حق کے لیے آواز اٹھانی چاہیے۔ جدوجہد کرنی چاہیے۔ ہمیشہ آپ ہی سکھاتے رہے بات۔۔۔“ عکس نے بے حد جنجیدگی سے اس سے کہا۔ وہ عکس کی بات پر کچھ دیر نہیں بول پائی۔

”تمہیں بیٹھے بٹھائے زمین کا خیال کیسے آگیا؟“ خیر دین نے جواب اس سے پوچھا۔

”آپ خیال نہیں آیا۔۔۔ ہمیشہ سے خیال رہا ہے مجھے اس کا۔ آپ کو یاد ہے میں نے آپ سے کہا تھا میں ہاں ملنے کے بعد دو کام کروں گی۔“ عکس نے مسکراتے ہوئے اسے کئی سال پہلے کی کہی ہوئی اپنی بات یاد

مجھ اکٹھا کر کے مدتی تقریریں کر کے نعرے لگوا لیں یہ وہ بیماری ہے جس کا کوئی حل نہیں۔۔۔ جسم کی بیماریاں ہوں تو کوئی علاج کوئی حل نکلتا جو اس کو لگ جائے وہ کب ختم ہو۔۔۔

وقت خیر دین کو دینا سے جانے سے پہلے سارے قماشے دکھایا جاتا تھا اور وہ دیکھ رہا تھا۔ بعض سختیاں انسان کا دل بوجھ کر کرتی ہیں۔ عکس مراد علی کے نام کی تختی نے خیر دین کا دل ایسی طرح بوجھ کر دیا تھا۔ ہر بار گاؤں جانے پر ایک بار پھر اس کے پاس قاشاں رستے اور دو خاتونیں لے کر آتے والے لوگوں کا جھٹکا لگنا شروع ہو گیا تھا۔ خیر دین چپ چاپ ہاتھ پاؤں کا کرتے ہوئے ان خاتونوں کو انکسار کرتا جاتا اور پھر واپس آکر عکس کے سامنے رکھ دیتا۔ جو کلکاتی دن اور دو خاتون کی حضور اور ان پر عمل درآمد کے لیے ابھی کا تھا۔ دو بچی کمشنر بننے والی بھی پہلی لڑکی ہوگی اور خوش بننے والی بھی۔۔۔ عکس خیر دین کی اس جذباتی پیش گوئی پر ہنس پڑی۔

اس نے بھی نانا کو یاد دلانے کی کوشش نہیں کی تھی کہ وہ جن لوگوں کی مدد کے لیے اس سے کبھی رہا ہوتا۔ بہت بدمرد اور بے حس لوگوں کا ایک جھوم ہے جنہوں نے ان لوگوں کی زندگی کے مشکل ترین دنوں میں ان کی زبانی اور برہادی کا قماش پڑی دیکھی سے دیکھا تھا اور کسی نے آگے بڑھ کر ان کے حق کے لیے ان کی مدد کے لیے آواز نہیں اٹھائی تھی اور وہ آج بھی صرف ان کے اچھے دلوں کی جھادوں سے لطف اندوز ہونے کے لیے ان کے پاس آتے تھے۔۔۔ سندھ بدلے تھے نہ ان کا ضمیر نہ ان کا ضمیر۔۔۔ مگر خیر دین کو یہ سب یاد دلانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اور عکس کو اپنا وقت ضائع کرنے کا کوئی شوق نہیں تھا۔

”تم بڑے نصیب والی ہو چڑیا۔“ خیر دین نے ایک بار گاؤں سے آنے کے بعد عکس کے پاس بیٹھتے ہوئے اس کا چہرہ دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ ان دنوں اسٹنٹ کمشنر کے طور پر اسلام آباد میں پڑھائی اور خیر دین گاؤں سے سیدھا اسی کے پاس آ گیا تھا۔ وہ شام کے وقت اپنا کچھ کام نہاتا ہے ہوئے ساتھ خیر دین سے گاؤں کے نصے میں رہتی تھی جب اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے خیر دین نے ایک دم اس سے کہا۔ اس نے کام کرتے کرتے مسکرا کر ایک نظر خیر دین کو دیکھا اور پھر اپنا کام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

”یہ بیٹھے بٹھائے آپ کو میرے خوش قسمت ہونے کا خیال کیسے آگیا؟“

”اللہ تعالیٰ نے تمہیں کتنی عزت دی ہے۔۔۔ اس قابل بنایا ہے کہ تم لوگوں کے لیے کچھ کر سکو، گاؤں والے گھر میں درجنوں بیٹے، بچیاں ہیں جن میں اس گھر کے دروازے پر کسی مراد کا نام نہیں ہے۔ بلکہ تمہارا نام ہے۔ اس پورے گاؤں میں کسی گھر کے دروازے پر کسی عورت کا نام نہیں لکھا ہوا سوائے تمہارے نام کے۔ اور ہر کوئی چیلنا پر جب بھی اس دروازے کے سامنے سے گزرتا ہے تو رک کر اس حق کو ضرور پڑھتا ہے۔ میں تو ہر بار یہی رک کر اس حق کو پڑھتا ہوں۔“ خیر دین بات کرتے کرتے آخری جملے پر ہنس کر شرابا تھا۔ عکس کو اپنے نانا پر عجب سائیا رہا۔ وہ اس سے جیسے کوئی گھراؤنا رشتہ کر رہا تھا۔

”نانا وہ میرا نانا نہیں ہے۔ میرا عہدہ ہے جس کی وجہ سے اس گھر کے ماتھے پر میرا نام لکھا گیا ہے۔“ عکس نے اپنے نانا کے سامنے صرف مسکراتے ہوئے کسی تاثر کے بغیر اس کو بھیج دیا۔

”یہ عہدہ کتنی تمہاری حقانیت ہے۔ گاؤں میں سے کسی کے پاس یہ عہدہ۔۔۔ کسی عورت کے پاس تو کیا کسی مرد کے پاس بھی نہیں ہے۔“ خیر دین اس کی بات کے جواب میں عجیب انداز میں جذباتی ہو گیا تھا۔ عکس مسکراتے ہوئے کام کرتے ہوئے خیر دین کی بات سنتی رہی۔

”گاؤں میں کیا پورے ضلع میں کسی اور عورت کے پاس یہ عہدہ نہیں ہے۔ اللہ ہر ایک کو عہدہ کہاں

”یہ پہلا کام تھا ہمارا جو تم کرنا چاہتی تھیں؟“ خیر دین، ہنس دیا تھا۔
 ”ہاں پہلی پہلا کام تھا۔“ وہ بھی مسکرائی۔

”اور دوسرا کام؟“ خیر دین نے اس سے پوچھا۔

”ابھی ہم پہلے کام کے بارے میں بات کر رہے ہیں نا،“ عکس نے خیر دین کو بات سمجھانے نہیں دی۔
 ”دیکھو چاہیے اس عمر میں کوٹ پھیری کے دھنگے نہیں کھانا چاہتا۔“ عکس نے خیر دین کی بات کاٹ دی۔
 ”آپ سے کس نے کہا آپ کوٹ پھیری کے دھنگے کھانا پڑیں گے؟“

”ہمارے پاس اس زمین کا کوئی کاغذ نہیں ہے۔۔۔۔۔ کوئی ثبوت کوئی گواہ نہیں ہم کیسے یہ ثابت کریں گے کہ وہ ہماری زمین ہے ہمیں یہ سمجھنی کی ہے۔“ خیر دین نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ اس کا خیال تھا چڑیا جذبات میں آکر کچھ حقائق نظر انداز کر رہی تھی۔ وہ یہ بھول گیا تھا کہ چڑیا بھی کسی جذباتی نہیں رہتی تھی۔ اس پہلے کام کو کرنے سے پہلے وہ بہت سا ہوم ورک کر چکی تھی بہت سی سرنگیں لگا چکی تھیں۔ اسے اس معاملے کو پیچیدہ پہلوؤں کا خیر دین سے زیادہ ادراک نہ ہوتا تو وہ جاب پر پوسٹ ہوئے ہی زمین کے اس ٹکڑے کی ملکیت کے لیے سبک دو شروع کر دیتی لیکن اس نے یہ نہیں کیا تھا اس نے مناسب وقت کا بڑے تحمل کے ساتھ انتظار کیا تھا۔ اپنی پروموشن کی۔۔۔۔۔ اپنے جونیئر سے سینئر آفسر ہونے کا۔۔۔۔۔ اپنے خاتون ہونے کا۔۔۔۔۔ اور وہ بالکل صحیح وقت پر پہنچا۔ جبکہ وہ مجاز کھول رہی تھی وہ آکھیں بند کر کے اندھا دھند اس جنگ میں نہیں کود رہی تھی۔

”نانا آپ اس کی پروامت کریں، ان چیزوں کو آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔“ عکس نے خیر دین کو بڑے اطمینان کے ساتھ تسلی دی تھی۔

”تم اپنا وقت بے مقصد کاموں میں ضائع مت کرو۔“ خیر دین نے اسے دانا تھا۔ وہ خیر دین کی ڈانٹ پر ہنس دی تھی۔

”نانا یہ بے مقصد کام کیسے ہے؟“ اس نے جواباً خیر دین سے پوچھا۔

”جس کام کا کوئی نتیجہ نکلے اس کا نام نہ ہو اس پر وقت ضائع کرنا بے مقصد ہی ہے چڑیا۔“ خیر دین بہت سنجیدہ ہو گیا۔۔۔۔۔ تم اس طرح کام کوئی کام شروع کر دے تو پورا خاندان ایک بار پھر سے ہمارا دشمن ہو جائے گا نہیں کوئی نقصان پہنچا دیا تو۔۔۔۔۔ عکس نے خیر دین کی بات بڑے تحمل سے کاٹ دی۔

”نانا وہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے۔ وہ کیڑ نہیں ہیں۔ صرف اندھیرے میں نکل کر نقصان پہنچا سکتے ہیں اور ہمارا اندھیرا ختم ہو چکا ہے۔“ وہ بڑی سنجیدگی سے خیر دین سے کہہ رہی تھی۔ ”اور آپ کو اگر یہ لگتا ہے کہ زمین لے لینے کے بعد وہ ہم سے میل جول ختم کر دیں گے تو نانا میں آپ کو یقین دلاتی ہوں وہ یہ بھی نہیں کریں گے۔ وہ آپ سے پہلے ہی کی طرح ملتے رہیں گے، آپ کو اگر زمین کی وجہ سے اپنوں کے ایک بار پھر سے چھوٹ جانے کا ڈر ہے تو مت ڈریں۔ وہ اب آپ کو چھوڑنا انورڈونیں کر سکتے۔“ خیر دین ایک بار پھر رنگ نہ لایا تھا۔ اسے انداز نہیں تھا وہ اس کے لشواری تہوں تک پہنچی ہوئی تھی وہ کچھ بھی پڑھ رہی تھی جو وہ اپنے آپ سے بھی چھپا رہا تھا۔ ایک طویل خاموشی کے بعد اس نے کس سے کہا۔

”میں اپنے خاندان والوں پر قانون کی آری نہیں چلاؤں گا۔ میں جانتا ہوں وہ کمزور ہیں۔ ہمارے

”اب نہیں ٹھہر سکتے لیکن میں انہیں ہوگا کہ انہیں کرنا چاہتا۔“ وہ بے حد سنجیدہ تھا۔

”لیکن کیوں؟“ عکس نے بھی سنجیدگی سے پوچھا۔ ”آپ اپنی زمین جانتے بوجھے انہیں دے دینا چاہتے

”مجھے یقین نہیں ہے کہ مجھے میری زمین مل سکتی ہے۔“

”میں نے آپ سے کہا ہے آپ اس بات کی فکر مت کریں۔ آپ کو آپ کی زمین مل جائے گی اور کسی طویل قاری لڑائی کے بغیر یہ لگی۔“ عکس نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی۔

”زمین مل بھی گئی تو بھی اب اس عمر میں، میں نے اس زمین کا کیا کرنا ہے۔۔۔۔۔ نہ میں مل چلا سکتا ہوں، نہ وہاں گھر بنا سکتا ہوں۔“ خیر دین اس سے آکھیں ملائے بغیر کہہ رہا تھا۔ ”اور چڑیا اب میرے پاس اللہ کا دیوا بہت کچھ ہے۔ وہاں ہے جس کی قیمت اب ایک کروڑ سے بھی زیادہ ہو گئی ہے۔ اپنا ذاتی ذمہ انصوری گھر ہے۔ گاڑی ہے، وہاں سے براہ امتی آمدنی ہوتی ہے کہ ایک مہینے کی آمدنی سے بھی میرا پورا سال گزار سکتا ہے۔ تمہارے پاس اتنی اچھی نوکری ہے، جہاں اپنا نکاحی اپنا کھانا ہو۔ تو ہمیں اس چیز کو دوسرے سے چھیننے کی کیا ضرورت ہے جس سے کسی کے گھر کا چولہا جلتا ہو۔“ خیر دین کچھ رنگ کے عالم میں کہہ رہا تھا۔ ”اس زمین کے ٹکڑے سے حاصل ہونے والی آمدنی میں بھی اتنی بڑک نہیں ہوتی کہ وہ میرے بھائیوں، ان کی اولادوں اور ان کی اولادوں کی اولادوں کو پیسہ بھر کھلا سکے۔ وہ آج تک اسی پرانے خستہ حال گھر میں رہ رہے ہیں۔ زمین کا وہ ٹکڑا ان کے پاس رہنے سے بھی ان کے پاس وہ برکت نہیں آسکتی جو اللہ نے ہمارے رشتے میں دی ہے۔“ خیر دین بڑی سنجیدگی اور دوسری سے کہہ رہا تھا۔ اس کا خیال تھا اسے اسے نوکے کی۔ عکس نے اسے نہیں ٹوکا تھا وہ بے حد خاموش اور تحمل سے خیر دین کی بات سنتی رہی تھی۔ جب خیر دین خاموش ہوا تو اس نے اس سے کہا۔

”آپ بات ختم کر لیں پھر میں بات کروں گی۔“

”زندگی بہت سستی ہے چڑیا۔۔۔۔۔ زندگی کا مقصد انتقام اور بدلہ بنانا اسے کوڑوں کے بھڑا پڑتا ہے۔“ عکس بے اختیار خیر دین کی بات پر مسکرا دی۔۔۔۔۔ خیر دین نے چاندی کے ورق میں، لپٹ کر اسے جو بات کہی تھی وہ اس کا مطلب اور اشارہ بخوبی جانتی تھی۔

اپنی کرسی پر آگے ہو کر اس نے خیر دین کے ہاتھ کو بڑی نرمی سے دونوں ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔
 ”آپ اب یہ سوچ سکتے ہیں کہ میں آپ کی تربیت کے بعد اپنی زندگی کو سازشوں اور انتقام لینے میں ضائع کرتی ہوں؟ کیا آپ واقعی یہ سمجھتے ہیں کہ میں اپنے دن رات ان چیزوں اور ماضی کے اس baggano کے بارے میں سوچنے ہوئے گزارتی ہوں؟“ خیر دین نے کچھ اچھپے سے اس کا چہرہ دیکھا۔

”میں میں بھی ڈاکٹر کس مراد ملی سے یہ توقع نہیں کر سکتا۔“ وہ ہنس دی تھی۔ خیر دین اس کا اس طرح نام لانا اور یہی لیتا تھا۔

”نانا انتقام لینے میں اور احسن طریقے سے انتقام لینے میں بوافرق ہوتا ہے۔ میں جانتی ہوں آپ کو آپ کا حق دلا سکتی ہوں۔“ وہ قہر لے کر جاتے ہوئے بددیانتی اور بددیانتی سے جھینسا گیا اور میں جانتی ہوں میں آپ کو آپ کا حق دلا سکتی ہوں۔

”یہ جیسا ز تو میں ہوں۔“ وہ بار بار عکس کے کانوں میں گونج رہا تھا۔ ”اسی کام ہے؟“

”جی ہاں..... بالکل اصلی۔“ وہ بار بار مسکرا کر اسے جواب دیتا۔

چند لمحوں بعد پتواری اور تمام متعلقہ لوگوں کے جانے کے بعد بھی خیر دین عجیب اچھے سے عالم میں زمین

... انذرات دیکھا کہ جو اسے خواب نگ رہے تھے۔ چنانچہ اس نے ان کا خدات کو کئی بار محول کر پڑھا تھا۔

کہاں اس نے عکس سے بڑی معصومیت سے کہا۔

”اب کل میں اس زمین پر جاؤں گا؟“

”نہیں نا..... کل میں نہیں اور جانا ہے۔“ عکس نے جواب کیا۔

اور ایک لمحہ وہ کس کے ساتھ جہاں گیا تھا اس جگہ نہ بھی اس کے بہت سارے ختم ہرے کر دیے تھے۔ وہ انہی سرکاری گاڑی میں پولیس ایکسکورت کے ساتھ آیا پولیس اسٹیشن میں گئی جہاں کئی سال پہلے خبر ایک صحیح حوالات کے پیچھے اٹھوا کر پھینکا گیا تھا۔ مختلف قحانے کے ایس ایچ او نے اپنے پٹلے کے ساتھ لانے کے کیے کہ پران کا استقبال کیا تھا۔ انہیں ڈیڑھ گز عزت و احترام سے لاکر ایس ایچ او کے آفس میں بٹھایا گیا تھا۔ ایس ایچ او امر قحانہ کہ وہ اس کی کرسی پر بٹھو رہیں اور یہ پیش کش کس نے کئے کے ساتھ رو کر دی تھی۔ ایس ایچ او نے ٹھوڑی دیر بعد خردین کے تقریباً تمام بھائیوں اور بھٹیوں کو کھڑکھڑوں کے ساتھ پولیس اسٹیشن میں پیش کیا تھا۔ وہ خردین کی زمین پر تاجا نہ جیسے کے اکثرام میں دھمے کئے تھے۔ کس مراد ملی کی ایک دن پہلے درج کرانی کی ایف آئی آر کے تحت جس کے بارے میں خردین کو ٹپس مل تھا وہ نہ کسی کو ان لوگوں کے خلاف قانونی کارروائی نہ کرنے دیتا لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ زمین کا کھداتہ پر کسی کے نام ہو جانے سے اس کی ملکیت نہیں ہوتی۔ زمین اس کی ملکیت ہوتی ہے جس کے قبضے میں ہوتی ہے۔ کس اس قسم کی موٹھنگ کو اپنے بوڑھے نانا سے زیادہ بھڑ پڑے ہے جانتی تھی کہ خردین اپنے شے داروں کو ہاں پولیس اسٹیشن میں دیکر کٹا کھاتا تھا۔ ایس ایچ او اب ان لوگوں سے اس طرح مخاطب تھا جس طرح کئی سال پہلے اس قحانے میں وہ پرانے ایس ایچ او نے خردین اور کس سے بات کی تھی۔ اس ایچ او نے خردین کے دو بھائیوں اور دو بھٹیوں کو یہ کہا تھا کہ وہ حوالات میں موجود اپنے تمام رشتے داروں سے مشورہ کرنے کے بعد یہ طے کر لیں کہ انہیں جہانازی اور فراڈ کے مقدمات میں جیل لانے یا ان کے زمین سے تنہا رہنے اور کس سے صفائی کرنی ہے۔ وہاں موجود پواری نے اپنے کھاتوں میں سے کس کے اصلی کھدات ان لوگوں کے سامنے پیش کر دیے تھے وہ ان کے موجود رجز کی وجہ جہانازی کا یہ قرار دیا تھا۔ وہ اس بات پر مصر تھے کہ انہوں نے ایک بھاری رقم دے کر خردین نے خردین سے خرید لی کہ ایس ایچ او نے ان کا کھداتہ پر موجود خردین کے گٹھوھے کے نشان کو کھلی قرار دیا تھا کیونکہ یہ اصل ہی تھے۔

بادشاہی کے پاس زمین کے اس انتقال کا جو ریکارڈ تھا وہ بھی جیسا تھا کیونکہ خبرین کے ہمایوں میں سے
 لکھنؤ میں بن کر پٹواری کے پاس پیش ہو کر حکومت کے کچھ بیسوں کے عوض اس کی زبان بندی اور کائنات
 کا علم چھپ کر دیا آیا تھا لیکن اس تمام چکر بازی میں اس قدر جھولتے تھے کہ اس جانی بھی وہ اور مقدمہ لڑتی تو وہ
 وہاں جیت جاتی لیکن وہ مقدمہ بازی میں نہ اپنے آپ کو لکھنا چاہتی تھی نہ خبر دین کو.....

آپ گاؤں کے اتنے لوگوں کے سفارشی رقعے اور درخواستیں لے کر میرے پاس آئے ہیں اور مجھے ہر وقت یہ کہتے ہیں کہ ان لوگوں کا کچھ بڑا حق ہے اور میرا فرض ہے ان کی خدمت کرنا۔..... مجھ پر آپ کا بھی توقع ہے۔“ خیر دین اس کی بات سنتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔

”حرم کرنا بہت اچھی بات ہے..... لیکن کرنا عداوت کرنا، رشٹے داروں کا خیال رکھنا سب اچھا ہے لیکن جس طریقے سے آپ یہ کارنامہ کرنا چاہتے ہیں وہ اچھا نہیں ہے۔“ وہ اب بہت پیچیدہ ہو گئی تھی۔ ”آپ اس گاؤں میں ایک بہت نفع انداز ملک کا مشعل قائم کر کے چھوڑنا چاہتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ اس گاؤں میں خاندان والے جس کو کوڑور اور مہتا پائیں اس کا حصہ چھین کر کھا جائیں گی کیونکہ وہ غریب ہیں اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ اس ناانسانی کی کبھی سلامتی نہ کی جائے۔ آپ غریب کو برائی کا لاشعش دینا چاہتے ہیں، عداوت اور کم نام و درے کر..... اور آپ بہت بڑی غلطی کر رہے ہیں۔“ وہ بے حد تجذیبی کے کتنی جان بوجھ کر حیرت و خاموشی سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔

”میں سمجھتی ہوں ہمیں وہ زمین ضرور واپس لینی چاہیے، اس گاؤں کے لوگوں کے لیے یہ بہت بڑا نقص ہوگا۔ آپ اپنے بہن بھائیوں اور ان کے بچوں کو بھوکا نہ لگائیں وکے کھانے کی اس حد کرنا چاہتے ہیں ضرور کریں۔ زمین لینے کے بعد ان کی مالی مدد کر دیں کہ وہ ہمیں اور زمین کے لیے یا ماہانہ کچھ رقم انہیں دے دیا کریں۔ ان کی مدد کریں لیکن ان کے ظلم اور زیادتی پر تکیہ کی چادر نہ ڈالیں..... ہم خدا نہیں ہیں اور ہم انسانوں کے رازق بھی نہیں ہیں۔ ہم ان سے صرف وہ چیز لے رہے ہیں جو ہماری ہے..... انسانوں کو برا بھلا کرتے ہوئے یہ ضرور سوچنا چاہیے کہ اس کا بھی اجر ہوتا ہے۔ اس کی بھی فصل کاشی ہوتی ہے۔ میں نہیں سمجھتی ان زمین کو واپس نہ لینا ایک اچھا فیصلہ ہے..... لیکن وہ آپ کی زمین ہے اور آپ جو فیصلہ کریں گے بہتر ہوگا۔“ خیردین کے پاس یہی خاموشی کے سوا بہت دیر تک کچھ نہیں بولا تھا۔ عکس بالکل ٹھیک کر دہی تھی لیکن ایک مشکل کام کرنے کو کہہ رہی تھی وہ بہت دیر ایسے ہی چپ بیٹھا رہا تھا۔ ہاتھیں بے ہوا بھا تھا جو اس کے حواس کو کمزور کر رہا تھا یا پھر جس کی دلیل..... وہ خیردین کو کھانا جاتی تھی اور اس نے خیردین کو کھانا دیا تھا۔ اسے بالآخر ایک بار پھر کھانے کے سامنے گھٹنے دیے تھے۔ ایک وقت تھا جب وہ اس کی انگلی بکڑ کر چلتی تھی، خیردین اسے رستہ دکھایا کرتا تھا اور اب خیردین اس کا ہاتھ بکڑ کر اس کی رہنمائی میں چلنے لگا تھا۔

وہ دونوں کے اجلاس کے ساتھ گاؤں میں گیا تھا اور وہاں جا کر اسے اعزاء وہو گیا تھا کہ وہاں ساری تاریکی پہلے ہی پوری تھی۔ ایک ایک بیج میٹ اس مغل میں ڈپٹی کمشنر کے طور پر قاضی تھا اور وہ بہت سے احکامات پہلے ہی دے چکا تھا۔ وہ دونوں اس بار وہاں کے ایک ریٹ ہاؤس میں ٹھہرے تھے۔

ان کے وہاں پہنچنے کے چند گھنٹوں میں ہی علاقے کا پنچوائس اپنے بیج کھاتوں سمیت وہیں ریٹ ہاؤس میں آگیا تھا۔ اس کے کھاتوں میں خبر دین کی زمین کا ریکارڈ بھی موجود تھا۔ جس کے اسٹاف کا ایک شخص پہلے ہی اس شخص کو بھی وہاں لپکا تھا جس سے خبر دین نے وہ زمین خریدی تھی اور وہ گواہ بھی موجود تھے جنہوں نے خبر دین کی ملکیت زمین کے کاغذات پر دستخط کیے تھے۔

چند گھنٹوں کے اندر خبر دین کی زمین وہاں اس کے نام منتقل ہو چکی تھی..... کوئی کانگریسی ٹیوٹ اپنے پاس نہ ہونے کا باوجود..... خبر دین چکا گیا تھا۔ وہ ان کاغذات پر ماموٹ لگا کر ہوئے رسمی ایسے ہی ہو چکا تھا۔

لا رہا تھا اس نے نظریں چرائی تھیں۔ اس نے اور ایک شیر دل نے ایک ساتھ..... پھر وہ دونوں سیدھے ہو کر
لگے تھے اب وہ ایک دوسرے کو نہیں دیکھ رہے تھے ایک دوسرے کے بالمقابل نہیں تھے صرف ساتھ بیٹھے
ہے تھے..... قریب، برابر، کنارہ.....

”تو چڑیا اسے یاد ہے۔“ عکس نے سوچا تھا اور دور کی جھپ سی لہرائی تھی۔ یہ خالی نام تو میری تھا جو اس کی...
دوا نہیں لہرا ہوگا۔ وہ اس سے آگے بڑھ نہیں سوجنا چاہتی تھی، کچھ بھی نہیں۔ اسے اندازہ نہیں تھا نوس اسی
ملدی شیر دل کی جھپ تک کیا ہوگا اس کا خیال تھا ابھی ایک دو دن اور گیس کے تب تک شیر دل سنا پور پہنچ چکا
ہوگا جو کچھ ہوگا اس کے بعد ہوگا، اندازہ کی ایک معمولی سی غلطی ہوئی تھی۔

اس کے برابر یوں بیٹھے ہوئے اس نے سوچا آخری بار وہ کب اس طرح بھرمانی حالت میں یوں برابر
موس بیٹھے رہے تھے۔ اسے یاد آ گیا۔ جب ایک اپنی سی کہنے پر اس کے ساتھ کیلن چھوڑنے پر تادم ہو کر
اس کے پاس واپس آیا تھا اور وہ اس کے اصرار پر اس کے پاس آگئی تھی۔ اس دن بھی وہ برآمدے کی سیڑھیوں
پر بیٹھی چپ چاپ بیٹھے رہے تھے۔ ایک ریڈیٹ string کو تادم انداز میں ٹھیک کرتا رہا تھا، اسے
کچھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اس کے کیا کہنے لگن اس کے باوجود وہ دونوں ایک دوسرے کے پاس بیٹھے رہے تھے۔
فاصلوں اور کئی سے..... کئی بات کے آفاقی انتظار کرتے کرتے.....

”تم نے بھی چیری کھائی ہے؟“ بہت دیر بعد ایک نے گفتگو کا آغاز اس طرح کیا تھا۔
”ہاں۔“ چڑیا نے محل سے جواب دیا تھا۔ ایک بچے کے طور پر بھی اسے احساس تھا وہ بے لگا سوال تھا اور
اس کا آسم کے سیزن میں کرنے کا کوئی مقصد نہیں تھا جب ایک ہر روز وہ کھانے بیٹھا ہوتا تھا۔
”بھی اسٹرابیری کھائی ہے؟“ اگلا سوال بھی دیباہی بے لگا تھا۔

”ہاں۔“ چڑیا نے ایک بار پھر وہی محل دکھایا تھا۔
”بیوی بھی کھائی ہے؟“ ایک اور سوال۔
”نہیں، اس بار چڑیا نے کھا تھا۔“

”وہ بہت مزے کی ہوتی ہے۔“ اس بار جواب آیا تھا۔ چڑیا اس کی شکل دیکھ کر رہ گئی تھی۔ ایک کو اس کی
ال سے جیسے مزے شرمندگی ہوئی تھی۔ اس نے ایک بار پھر ٹیس ریڈیٹ string ٹھیک کرنی شروع کر دی

ہوگا۔“ اس نے شاید میں شریک کرنے کے بعد واپس شہر جا کر عکس کو یہ بات بتائی تھی۔

”تم ٹھیک نہیں تھیں چڑیا۔“ خیر دین نے اس جملے سے اپنی بات کا آغاز کیا اور جب اچانک اسے احساس
ہوا کہ اب وہ اس طرح سے اپنی بات چیت کا آغاز ہی اعتراضی جملے سے کرنے لگا تھا۔ وہ بے اختیار مسکرا رہا تھا۔
”نانا آپ کچھ کہہ رہے ہیں؟“ عکس نے اسے بات شروع کر کے پھر خاموش ہوتے دیکھ کر پوچھا۔ خیر
دین نے بے پناہ شفقت سے خود پر بھی ان کمری چٹکی آنکھوں کو دیکھا۔ اپنی چڑیا کی آنکھوں کو..... پھر اسی طرح
مسکراتے ہوئے کہا۔

”تم ٹھیک نہیں تھیں چڑیا بات حق لینے کے لیے جدوجہد کرنی چاہیے اور اپنا حق لینا کوئی جرم نہیں ہے۔“ عکس
خیر دین کی بات پر مسکرا دی۔

”یہ میں نہیں کہتی تھی نانا۔“ یہ ساری عمر آپ کہتے رہے۔“ اس نے جیسے خیر دین کو یاد دلایا۔ وہ ہولے سے
ہنسا تھا۔ عکس نے خیر دین کا ہاتھ بڑی نرمی سے اپنے ہاتھ میں لینے ہوئے کہا۔ ”نانا میں اپنی authority کا
استعمال بے مقصد انتقام لینے کے لیے نہیں کرتی لیکن میں جس چیز کو اپنا حق سمجھتی ہوں اسے حاصل کرنے
کے لیے میں سب کچھ کر دوں گی۔“

خیر دین کو اندازہ نہیں ہوا وہ اسے اپنے اگلے کام کے لیے انذار کر رہی تھی۔ اس نے سر جھکا کر عکس کے اس
ہاتھ کو دیکھا جس میں اس نے خیر دین کے ہاتھ کو لیا ہوا تھا۔ خوش الحان والہ بہت نرم ہاتھ جو کبھی بہت چھوٹا سا
تھا اور خیر دین نے اسے قلم تھا کہ اس کا ہاتھ کچھ بڑھ کر اسے لکھنا سکھایا تھا۔ خیر دین میز پر لکیریں..... آڑے
ترتیب حرف..... نوٹے..... پھولے..... اور پھر اپنا نام..... عکس ساری..... اور اب جب وہ ہاتھ کاغذ پر اپنا نام
لکھا کرتا تھا تو وہ کلکتی فریٹ ہوتا تھا۔ اس ہاتھ میں بہت طاقت تھی اور اس قلم میں اس سے زیادہ..... جس
سے وہ اپنے قلم سے دینا کو شرافت اور تائید کرتی تھی..... وہ اس شخص کی بچی کے ہاتھ میں قلم کے بجائے جھاڑو
پکڑانے پر اصرار کرتا تو وہ بھی وہی ہوتی اور وہی جتنی جو اس کے گاؤں اور خاندان کی ساری لڑکیاں جانتی تھیں
بے شناخت وجود..... جن کے پاس انگوٹھا ہوتا تھا تو دھن دھن.....

بے شک تعلیم نصیب بدل دیتی ہے اور اسے بھی..... زندگی کا بدل جانا تو پھر مقدر ہو جاتا ہے۔ خیر دین نے
نم آنکھوں کے ساتھ اس ہاتھ کو چوما جسے ایک مٹی جیسی ہوتی تھی سے آسان تک پہلے ہوئے بچے تک اس نے اپنے
خون سے بیجا تھا۔

☆☆☆

ایک شیر دل کے دونوں ہاتھوں کی گرفت میں اس کا ہاتھ برف کا ہو گیا ہوگا۔ چند لمحوں کے لیے اسے ایسا
ہی لگا تھا۔ اگر وہ ہاتھ برف کا نہیں ہوا تھا تو پھر وہ خود ضرور کچھ دیر کے لیے فریڈ ہوئی تھی..... وہ اس کا
سانس..... اس کے دل کی دھڑکن..... کائنات کی گردش اور آس پاس کا شور..... آوازیں..... سب کچھ سب ہی
کچھ..... چنک چنک..... چند منٹ..... وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں ہم گھس ڈالے دیکھتے رہے پھر وہ
پہلی..... پہلی آواز شاید دل کی تھی..... دوسری سانس کی..... پھر سب کچھ ایک جیسے سے چلنے لگا تھا۔ بالکل
پہلی کی طرح..... جاتی ہوئی سانس اور آسمان ایک ہی وقت میں لوٹے تھے۔

عکس نے اسی نرمی اور ہولت سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں سے لگا لیا تھا جس طرح اس نے اس کا ہاتھ

Be-Belle

INNOVATION

Pakistan's First
2-Layer Fabric Bra

تھی۔ آج بھی ویسی ہی مشکل آئی پڑی تھی اس خاموشی کو توڑنے میں۔

فلائٹ اٹاؤنس ہونے لگی تھی۔ ان دونوں نے بیک وقت اپنے باقی ساتھیوں کو دیکھا۔۔۔ ان میں سے کوئی بھی ان کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ ان کے درمیان چند منٹ پہلے کیا ہوا تھا شاید کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ کوئی دیکھ بھی لیتا تو شیردل کو اس کی پروا نہیں تھی۔ وہ سب اپنے اپنے بیگز اٹھا رہے ہوئے پورٹنگ پاس ہاتھ میں لیے جہاز میں سوار ہونے کے لیے اٹھ رہے تھے۔۔۔ وہ اور شیردل بھی اٹھ کھڑے ہوئے تھے ایک دوسرے سے کچھ کہہ بغیر۔ جہاز میں ان کی سیٹیں ساتھ نہیں تھیں اور یہ عجیب طمانیت بخش شے تھی جیسے ان دونوں کے لیے۔۔۔ وہ ساتھ بیٹھ کر اتنا لمبا سفر خاموشی سے ایک دوسرے کے سامنے ٹوٹ جانے کے بغیر کیسے طے کرتے۔ وہ دونوں دوسرے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھے تھے۔

کراچی ایئر پورٹ پر ایک بار پھر وہ جیسے میکانیکی انداز میں ایک دوسرے کے پاس آکر بیٹھے تھے اور پھر سنگاپور کی فلائٹ پکڑنے تک اسی طرح بیٹھے رہے تھے۔ اپنے دوسرے ساتھیوں کے کسی سوال کا جواب دیتے ہوئے۔۔۔ ان میں سے کسی کے پاس آجانے پر اس کے ساتھ کپ شپ لگاتے ہوئے۔۔۔ لیکن آپس میں بالکل خاموش۔۔۔ سنگاپور کے لی کو ان یونائیٹڈ آف پبلک پالیسی میں پہلے دو دن بھی انہوں نے اسی خاموشی میں گزارے تھے۔ تیسری شام کو شیردل اور وہ بالآخر شام کو اس عمارت کے لان میں جا کر بیٹھ گئے تھے جہاں وہ رہائش پذیر تھے۔ ”تم ہمیشہ سے جانتی تھیں میں کون تھا؟“ شیردل نے کسی سیاق و سباق کے بغیر اسی طرح ایک بے تکلف سوال سے گفتگو کا آغاز کیا تھا جس طرح تب چری والا سوال کیا تھا۔

”ہاں۔“ عکس نے آج بھی اسی شکل کے ساتھ وہی ایک لفظی جواب دیا تھا۔ اس کے برابر میں شیخ پر بیٹھے شیردل نے اسے دیکھنے کی کوشش کیے بغیر اس فوارے کے گرتے ہوئے پانی پر نظریں جمائے رکھتے ہوئے سر ہلایا جس سے کچھ فاصلے پر وہ بیٹھے ہوئے تھے۔ یوں جیسے اپنے اندازے کے ٹھیک ہونے کا یقین تھا اسے۔ ”میرے نام سے پہچانتا تم نے۔۔۔ یا میرے چہرے سے؟“ اب اسٹرابیری والا سوال آیا تھا۔ ”دونوں سے۔“

”تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟“ اس بار بالآخر بیوی پیری والا سوال آ گیا تھا۔ ”کیا بتاتی تمہیں۔۔۔ کہ میں کون ہوں۔“ اس بار عکس نے اس سے کہا تھا۔ ایک بار پھر ایک عجیب سی خاموشی ان کے درمیان آ گئی۔

شیردل کی بھڑکی نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس سے کیا کہے۔ تمہید باندھے تو تمہید کے بعد کیا کہے۔۔۔ بعض دفعہ انسان کو نکتہ نہیں ہوتا لفظ کو نکتے ہو جاتے ہیں اس کے ساتھ بھی یہی ہو رہا تھا۔۔۔ معذرت کرتا تو کیسے اور کس بات کی۔ نہ کرتا تو۔۔۔ وہ اپنی می سے ملنے کے بعد سے جیسے اپنی راتوں کی نیند کھو بیٹھا تھا۔۔۔ شاک 26 سال پہلے بھی لگا تھا اس رات اسے لیکن عکس کے تعارف نے جو شاک اب دیا تھا اس کی شدت بھی ویسی ہی تھی۔۔۔ اس رات کے واقعات کئی بار اس کی آنکھوں کے سامنے گزر رہے تھے اس کے ذہن کی اسکرین پر چلتے رہے تھے وہ عینی شاہد تھا اس واقعے کا لیکن اب عکس کے سامنے بیٹھے ہوئے اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ عینی شاہد بن کر بات کرے یا پھر ہر چیز سے لاعلمی اور بے خبری کا ڈھونگ کرے۔۔۔ دوسرا آپشن زیادہ مناسب تھا۔ زیادہ suit کرتا تھا اسے اور وہ دوسرے آپشن ہی کا انتخاب کرتا اگر وہ عکس مراد علی نہ ہوتی اور اسے یقین نہ ہوتا کہ اسے ریننگ کے پاس کھڑا

واپس ہوا ایک بھولا نہیں ہوتا۔

”جو کچھ ہوا نہیں ہونا چاہیے تھا.....“ بہت دیر کے بعد شیردل نے بالآخر بات شروع کرنے کے لیے کچھ لمبے لنگڑے لفظ ڈھونڈ لیے تھے۔ عکس نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ اس کے لفظ ہم تھے۔

”جو کچھ میں نے کیا وہ؟“ اس نے شیردل کی بات کاٹ کر اس سے پوچھا..... اس بار شیردل نے اسے دیکھا۔

”نہیں..... جو کچھ اس رات ہوا.....“ وہ بات مکمل کرتے کرتے بھی مکمل نہیں کر سکا۔

عکس نے کچھ نہیں کہا۔ وہ سننا چاہتی تھی وہ کیا کہتا چاہتا تھا۔ جو کچھ ہوا تھا اس میں شیردل کا قصور نہیں تھا وہ اسے کسی لحاظ سے جواب دہ نہیں سمجھتی تھی لیکن پھر بھی سننا چاہتی تھی وہ کیا کہتا چاہتا تھا اس ٹیلی کے فرد ہونے کے حوالے سے۔

”اور تم یہ بھی جانتی تھیں کہ شہر بانو، انکل شہباز ہی کی بیٹی ہے؟“ شیردل نے وہ بات ادھوری چھوڑ کر اس سے اگلا سوال کیا تھا۔ اس بار وہ اسے دیکھ رہا تھا۔

”ہاں۔“ عکس نے بھی اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔ شیردل کے چہرے پر بے حد عجیب سا تاثر آیا تھا۔ عکس کو اس تاثر کی توقع تھی اس نے شیردل کے چہرے سے نظریں ہٹالیں اور سیدھا دیکھنے لگی۔ شیردل نے اس کے چہرے سے نظر نہیں ہٹائی تھی۔ وہ اس عورت کو کبھی سمجھ نہیں پایا تھا نہ تب جب وہ اس سے نو سالہ ایک بچے کے طور پر پہلی بار ملتا تھا نہ اتنے سالوں میں جب وہ ایک دوسرے کے بہت قریب آ چکے تھے اور نہ آج..... وہ نہ چڑیا کو کبھی پایا تھا نہ عکس مراد علی کو..... اس نے ایک بار پھر اس کے چہرے سے نظریں ہٹالیں۔

”تم کچھ کہہ رہے تھے؟“ عکس نے یک دم اسے یاد دلایا۔ شیردل جان گیا تھا وہ کیا سننا چاہتی تھی اور وہی موضوع سب سے مشکل تھا۔ وہ دونوں ایک closure چاہتے تھے اور closure نہیں ہو پارہا تھا۔

”تم یہ سب مت کرو۔“ وہ جو اس سے سننے کی توقع رکھتی تھی اس نے وہ نہیں کہا۔ اور جو کہا تھا عکس کو اس سے عجیب مایوسی ہوئی تھی۔

”شیردل تم اس معاملے میں مت آؤ..... یہ تمہارا معاملہ نہیں ہے۔“ عکس نے جواباً بڑے مستحکم لہجے میں اس سے کہا۔

”عکس یہ سیری فیلٹی کا معاملہ ہے، میں اس سے الگ تھلگ نہیں رہ سکتا۔ تم جس آدمی کو بتا رہی ہو وہ میرا اکل ہے سیری بیوی کا باپ ہے اور تم کہہ رہی ہو کہ میں اس معاملے میں نہ آؤں کیونکہ اس معاملے سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے..... تم واقعی سمجھتی ہو کہ میں اس معاملے سے خود کو الگ تھلگ رکھ سکتا ہوں؟“ شیردل نے بے حد ٹھنڈی سی بات کہی۔ وہ خاموشی سے اس کی بات ختم ہونے کا انتظار کرتی رہی پھر اس نے کہا۔

”تم چاہو تو اپنے آپ کو الگ رکھ سکتے ہو.....“

”نہیں رکھ سکتا..... میرے خاندان کی عزت کی بات ہے یہ۔“ اس نے دو ٹوک انداز میں کہا۔ عکس بے

اعذار اس دی۔ شیردل الجھا۔

”میں یہی سننا چاہتی تھی تمہاری زبان سے..... یہ تمہارے خاندان کی عزت کا سوال ہے اسی لیے تم غلطی پر

الٰہی شرمیں، شہر یا تو..... میں..... جی..... تمہیں اعزاز نہیں ہے انہوں نے اپنی زندگی کے آخری سال طرح گزارے تھے..... اور تم جانتی ہو انہوں نے خوشی کی کمی..... وہ بول رہا تھا وہ اس کا چہرہ دیکھتی رہی پھر اس نے کہا۔

”مجھے کوئی افسوس نہیں ہوا۔“ شیردل کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزرا۔
”میں تمہاری فینکٹو سمجھ سکتا ہوں اس لیے مجھے کوئی حیرانی نہیں ہوئی تمہاری اس بات سے۔“ شیردل نے دم آواز میں کہا۔

”شیردل تم کبھی میری فینکٹو نہیں سمجھ سکتے..... اگر سمجھ سکتے تو شہباز حسین کے دفاع میں اتنا لبا..... argument نہ کرتے..... عکس نے فحش سے اس کی بات کاٹ کر کہا تھا۔ لیکن میں تمہیں blame نہیں کروں گی..... وہ تمہارے انکل ہیں، تم انہی کی سائڈ لوگے..... اور ٹیک بھی ہے۔ تمہیں ان کو defend کرنا بھی چاہیے۔“ عکس کا لہجہ دم ہو گیا تھا۔

”تم کبھی ہوش اگر تمہارے ساتھ نہیں ہوں تو تمہارے خلاف ہوں۔“ شیردل نے بے حد تنبیہ کی سے کہا۔
”میں تمہیں بھی نقصان سے بچانا چاہتا ہوں۔“ عکس نے بے حد تنبیہ کی سے اس سے پوچھا۔

”تم کبھی ہویری یا جلی اتنی آسانی سے تمہیں بے گیس جیتنے دے گی اور تمہیں واقعی لگتا ہے تم بے گیس جیت جاؤ گی۔“ وہ اب بے حد تنبیہ کی سے اس سے پوچھ رہا تھا۔
”تمہیں لگتا ہے شیردل میں نے سوچے سمجھے بغیر اس کنوئیں میں چلائے لگا دی ہے میں نے کوئی calculations نہیں کی؟“ عکس نے جواب اس سے پوچھا۔ وہ ایک لمحے کے لیے خاموش رہا پھر اس نے کہا۔

”نہیں، میں کم از کم یہ تو نہیں سمجھتا کہ تم نے کوئی calculations نہیں کی ہوں گی۔ تم تجس پلیر ہو رہا۔ بہت سوچ کر چلتی ہو۔“ اس کا لہجہ بات کرتے کرتے عجیب ہو گیا تھا عکس نے اس سے نظر نہیں ملائی۔
”جس کھیلنا چھوڑ چکی ہوں میں..... زندگی جوں سے بڑھ کر ملی ہے۔“ اس نے دور فوراً سے کو ایک بار پھر اٹھنا شروع کر دیا تھا۔ اس نے شیردل سے کہیں پوچھا تھا اسے یہ کیسے یاد تھا کہ وہ جس کھیلانی تھی..... اسے اعزاز دے ہو گیا تھا صرف وہ نہیں جیسے چیزیں یاد رکھتی آتی تھیں..... کبھی کبھار کوئی ایسا ہی نہ بھولنے والا مل

۴۲۔ ”وہ تمہارا سفر کر دیں گے اس کے بعد تم کیا کرو گی؟“ فوراً سے پانی کو روٹھنوں میں اچھلتے دیکھتے اسے اسے شیردل کی آواز آئی۔ اس نے گردن موڑ کر شیردل کو دیکھا۔
”وہ..... یعنی تمہاری فینکٹو؟“ عکس نے بڑی تنبیہ کی سے شیردل سے پوچھا۔ وہ اس کی فینکٹو سے اثر دور سوخ سے واقف تھی۔

”پھر کیا کرو گی تم؟“ شیردل نے اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے اگلا سوال کیا۔ ”تم نے اس طرح الیہ شرمین کو ڈسے دار مضر رہا ہے۔ یہ سوچ کر کہ تم وہاں بیٹھی ہو اور تم اس کیس میں شہباز حسین کے احوال کو نگلنا ثابت کر کے خیر دینے کو بے صورت قرار دے گی اور اس کے حق میں شہادت دیکھ کر کے فیض کر دو گی تمہیں

خاندان کی ہوتی ہے اور اس کی حفاظت کرنا صرف تمہارا حق ہے؟“ وہ بڑی سزومہری سے کہہ رہی تھی۔ شیردل نے کچھالچ کر اس کی بات کاٹی۔
”میں نے ایسا نہیں کہا کس.....“

”تمہاری بات کا یہی مطلب نکلا ہے۔“
”غلط مطلب نکال رہی ہو تم۔“
”پھر تو سارا مسئلہ حل ہو گیا۔ میں بھی جو کچھ کر رہی ہوں اسے تانا کی عزت کے لیے کر رہی ہوں۔ مجھے بھی ان کی عزت اتنی ہی پیاری ہے جتنی تمہیں اپنے انکل کی۔“ شیردل چند لمحوں کے لیے اس کی بات پر کچھ بول نہیں پایا پھر اس نے جیسے کچھ تھا ہو کر کہا۔

”تم غلط comparison کر رہی ہو کس.....“
”ہو سکتا ہے۔“
”انگل شہباز رکھ چکے ہیں..... تمہیں اعزاز نہیں ہے انہوں نے نکتہ suffer کیا ہے..... تم انہیں معاف کیوں نہیں کر رہے۔“ وہ عجیب لکڑے انداز میں بولتا تھا۔ وہ انگل شہباز کی وکالت نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن اسے احساس ہوا وہ وکالت ہی کرنا تھا عکس کو بھی ایسا ہی محسوس ہوا تھا۔

”شیردل میں نے تم سے شادی کیوں نہیں کی تم جانتے ہو؟“ اس نے عجیب رنجیدگی سے اس سے کہا۔ وہ نے بھی کہتی تو تھی شیردل کو اس سوال کا جواب اسی دن مل گیا تھا جس دن خیر دین کی برطانی کے خلاف اور اس کی پیشین اور دوسرے واجبات کے لیے فائل کیسے گیسے تھے میں اس نے عکس مراد علی کا نام دیکھا تھا۔

”ہاں جانتا ہوں۔“ شیردل نے اس سے نظریں ملانے بغیر کہا۔
”شہباز حسین دینے نہیں ہے اس کی..... عکس جیسے اس کا ذہن پڑھ رہی تھی۔ ”یہ کلاس ڈفرنس ہے اس کی جو بار بار تمہاری باتوں میں جھٹکتا رہا ہے۔“ شیردل نے چونک کر اسے دیکھا۔ ”تمہارے لیے تمہاری تکلیف بڑھ کر ہے دوسروں کی چھوٹی۔“ شیردل نے اسے بات کرتے کرتے لوگ دیا۔

”میں نے بھی ایسا نہیں کیا۔“
”ہاں تم نے بھی نہیں کیا لیکن تم نے ہمیشہ جتایا۔ کبھی شوری طور پر کبھی لاشوری طور پر..... جیسے ابھی سمجھتے ہو تمہارے انکل نے بہت suffer کیا ہے..... خیر دین نے نہیں جس کو صفائی کا ماسخ دے دیے بغیر چوری کے اہرام میں ملازمت سے برخاست کر دیا گیا۔ پیش اور برطر سے واجبات سے محروم کر دیا گیا۔ اس نے کوئی تکلیف نہیں کائی ہوگی۔“ وہ بے حد فحش سے بول رہی تھی۔

”تم نے.....“ شیردل نے کچھ کہنا چاہا۔ عکس نے اس کی بات کاٹ دی۔
”تمہیں شیردل تم پہلے میری بات سنو تم مجھ پر یہ جتنا چاہتے ہو کہ خیر دین کی تکلیف شہباز حسین کی تکلیف سے اس لیے کم ہے کہ نہ کہ شہباز حسین کا گھر ٹوٹ گیا۔ بیوی بچی چھوڑ کر چلی گئیں اور وہ مر گیا تو اس لیے اس نے خیر دین سے زیادہ suffer کیا۔“

”نہیں، میں تمہیں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ انگل شہباز نے جو غلط کام کیا انہیں اس کی سزا ملنی چاہی اور اس سے بہت زیادہ نیکی جتنی گورٹ انہیں دے سکتی تھی۔ انہوں نے اپنے ہراس رشتے کو ٹھوکر دیا جس سے وہ پیار کرتے

۴۳۔ ”میں تمہیں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ انگل شہباز نے جو غلط کام کیا انہیں اس کی سزا ملنی چاہی اور اس سے بہت زیادہ نیکی جتنی گورٹ انہیں دے سکتی تھی۔ انہوں نے اپنے ہراس رشتے کو ٹھوکر دیا جس سے وہ پیار کرتے

اب طرح نہیں تھی۔ لیکن عکس مرا علی اس کی طرح عقل سے پیدل نہیں ہوئی تھی۔ وہ بہت کچھ چپکا کھٹی مریالی اور مہارت کے ساتھ کہ کوئی دوسرا کچھ پوچھ نہیں سکتا تھا۔

”واہ پیٹھے اسے یاد آتا تھا جب چڑیا فریڈی کی ڈسک مشین تکلیف کے باوجود بار بار پکڑنے کی کوشش کر لی تھی اور اس نے اپنے ہاتھ ٹپکے کر لیے تھے۔ ایک اس پر شہید بنا ہوا تھا وہ اسے اس کو سالہ بچی کی بے رحمی دل بکھ رہا تھا۔ وہ قوت برداشت تھی۔ وہی قوت برداشت جو اس نے گھوڑے سے گرنے کے بعد چند لمحوں میں دوبارہ اس گھوڑے پر بیٹھ کر دکھائی تھی۔ وہ دو دھکا اور دسہہ جاتا ہے انسان۔ لیکن محبت پر بند کچھ ہاتھ تھے اس نے۔ یہ ایک شیر دل کو اس سے سیکنا تھا۔

☆☆☆

”سرم بھی یہاں کھینے کے لیے آئے تھے یہاں مارنے تو نہیں آئے یا پھر آپ ہمیں اجازت دیں ہم باہر گی اڈا کیل لینے ہیں آپ تب تک میڈم کو بھل شوٹنگ کی پریکٹس کر رہیں ہو سکتا ہے آپ کی محنت رنگ لائے اور میڈم اگلے ایکس میں بھل شوٹنگ میں گولڈ میڈل لے کر آپ کا پاکستان کا نام روشن کر کے آئیں۔“ عکس اگلی آئی تھی شیر دل کی جھلاہٹ پر لیکن اس نے سر جھکا کر ہاتھ میں پکڑے بھل کا بلٹ چیر کھولے ہوئے اپنی لمبی چھپائی۔ اسے بہت دیر سے دفن تو ختم شریل کو دکھتے ہوئے اندازہ ہو رہا تھا کہ شیر دل اب سب کچھ وقت سمجھنے والا تھا۔ وہ اس کی شکل اور نشاۃ و کچھ کر بھی اس کی جھلاہٹ اور بے زاری کو بچکانہ سمجھتی تھی۔

وہ لوگ ایلیٹ فورس کے ٹریننگ اسکول میں نشاۃ بازی کی تربیت کے لیے آئے تھے۔ وہ پہلا ڈی ایم جی گروپ تھا جن کی تربیت کا ایک حصہ نشاۃ بازی میں مہارت تھی۔ تین روزہ اس تربیت کے پہلے ہی دن شیر دل کا نمونہ اس وقت بری طرح آف ہوا تھا جب اس نے اپنے گروپ کے انسٹرکٹر کو مکمل طور پر عکس کی طرف متوجہ بلکہ فریٹ یا پھر آف ہوا تھا وہ لوگ چار چار کے گروپس میں تھے اور کس ایک کے گروپ میں تھی۔ انہیں پاکستانی پولیس کے رہبر استعمال اسٹے سے متعارف کراتے ہوئے انسٹرکٹر نے پورا گروپ کھل کود دیکھتے ہوئے دیا تھا بلکہ اس کا شاید بیس پہن کر وہ اس ٹریننگ سیشن کو صرف دو ٹون کر دیتا۔ ایلیٹ فورس کو دہا بلکہ مکمل بارڈی ایم جی کی کسی خاتون آفیسر کے ہتھے لگا تھا جو اسے سرکہ رہی تھی۔ ان خاتون کی تقریر یہ تھی کہ اسے ایلیٹ فورس بہت سارے اطرا کر گھر سے بننے کے لیے تیار تھے اور وہ ایلیٹ فورس تھیں تاکہ 18 کے اس گروپ کی ”بیرونی“ اس کی فلم میں بھی ادا رہے اپنی اس خوش قسمتی اور باقی انسٹرکٹر کی بدقسمتی کا احساس بھی تھا۔

گروپ میں شیر دل کے علاوہ دوسرے دلوں مردانہ نے اس التفات پر صرف معنی خیر مسکراہٹوں کا ہار کر کے اسے نظر انداز کر دیا تھا۔ صرف شیر دل تھا جو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ تاہم اسے انسٹرکٹر کے ساتھ خاص کی قربت اچھی لگی یا اس انسٹرکٹر کا ایک شیر دل کو ایک لڑکی وجہ سے اس بری طرح نظر انداز کرنا۔ ایلیٹ فورس میں سب ایک شیر دل کے خاندان سے واقف تھے۔ ایڈیشنل سیکریٹری کے بیٹے کو بہت واضح انداز میں کہیں نہ دیکھیں کسی نہ کسی حد تک پروڈوکٹ دیا جاتا تھا۔ ایک شیر دل اس پروڈوکٹ کا عادی تھا۔ وہ بہت دیر تک بکھیرا رہا۔ پریکٹس سیشن کے دوران بھی انسٹرکٹر کی تینوں سبزو کو بلی جھلکی دیا کرتے دینے کے بعد بار بار اس کے پاس پہنچ جاتا تھا اور شیر دل کی چوہ شوٹنگ رینج اور پریکٹس سے زیادہ اسے جیڑ پرمی سے نہ ملنے اس کے لیے جیڑ تھی نہ وہ بلی یا شوٹنگ پریکٹس کر رہا تھا اس کے باوجود اس نے جان بوجھ کر انسٹرکٹر کو اپنی طرف بلانا

یہ اس لیے آسان لگتا ہے کیونکہ ہم بھی پوٹھو ہو۔ اسے پرانے کس کا کوئی شائبہ نہیں ملے گا۔ وہ لوگ جنہوں نے اگلے شہزاد کے ماتحت حملے کے طور پر تمہارے نانا کے خلاف بیانات ریکارڈ کروائے تھے اب اسے سالوں بعد انہیں بڑی آسانی سے غلط ثابت کر دیں۔ یہ سب اتنا سیدھا اور آسان نہیں ہے۔ ہم فرانسفر کے بعد وہاں اپنا ڈورسوخ استعمال نہیں کر سکتیں۔ ہمیں فرض کرنا ہوا اس بنیادی دینے ہیں تو کیا کر دیں تم پھر۔“ شیر دل اسے بڑی سنجیدگی سے مضمرات سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

”میں اگر یہاں پوٹھ نہ بھی ہوئی تو بھی میں ان کم از کم زندگی میں ایک بار اپنے نانا کو چوری کے اس کیس سے باعزت بری کروا کر ملازمت سے کیٹرفر اور ناجائز برطانیہ کا فیصلہ غلط قرار دوانے کی کوشش ضرور کرتی۔ ان کی پٹن اور ادراجات بحال کروانے کی کوشش بھی ضرور کرتی۔“ اس نے جواباً بے حد مطمئن انداز میں شیر دل سے کہا تھا۔

”میں نے زندگی میں بھی نہیں سوچا تھا کہ میں وہاں پوسٹ ہوں لیکن میں نے ہمیشہ یہ سوچا تھا کہ میں اپنے نانا کے ساتھ پوٹھ والی اس زبانی کا ازالہ ضرور کر دوں گی۔ وہ سرکاری ملازمت میرے نانا کے لیے بہت معنی رکھتی تھی۔ انہوں نے بڑی جدوجہد کر کے حاصل کی تھی۔ ان کے سر کا ناجائز قاعدہ زندگی بھر کا ناش۔ اور وہ یہ deserve نہیں کرتے تھے کہ ایک رات۔“ وہ بات کرتے کرتے رک گئی تھی۔ شیر دل کو لگا وہ اپنی بھرائی ہوئی آواز پر پانے کی کوشش کر رہی تھی۔ شیر دل کے دل پر ایک عجیب سا بوجھ آ کر تھا۔

”میرے نانا بہت بوڑھے ہو چکے ہیں اور ان کے پاس اب زیادہ وقت نہیں ہے اور میں جانتی ہوں کہ میں ان کے ساتھ پر لگی ہوئی یہ واحد تہمت بنانوں۔ جس کا باعث میں تھی۔ میرے لیے یہ اہم بات صرف ایک ہے کہ میں یہ کیس جیتی ہوں یا نہیں۔ اس کا کوئی فائدہ ہوتا ہے یا نہیں۔ میرے لیے اہم بات صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ میں نے اس کام کے لیے کوشش تو کی۔ میں کم از کم یہ سمجھتا ہوں کہ میں نے کوشش بھی نہیں کی اپنے نانا کے لیے کچھ کرنے کی۔ میں نہیں بالکل نہیں روکتی تم اپنے اہل کو defend کرو۔ اپنے خاندان کی سپورٹ کرو۔ ہمیں بالکل ایسا ہی کرنا چاہیے۔ میں صرف یہ جانتی ہوں کہ تم بھی مجھے ایسا ہی کرنے دو۔ تب تم میرے دوست ہو۔“ اس سٹے کی وجہ سے دوست نہیں رہنا چاہتے تو بھی ٹھیک ہے۔ وہ مزید کچھ کہ بغیر اٹھ کر وہاں سے چلی گئی تھی۔ شیر دل وہیں بیٹھا شام کے اندر سے میں اسے دور جاتے دیکھتا رہا۔ اس کے پاس کس مرا علی سے کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ اس نے پھر بھی کوشش کی تھی۔ ایک واحد اور آخری کوشش۔ وہ پہنچ رہی تھا تب تک کس کو دیکھتا رہا جب تک وہ نظر آتی رہی۔

”تم جانتے ہو شیر دل میں نے تم سے شادی کیوں نہیں کی؟“ شہزادین جب نہیں ہے اس کی وہ وہ کلاس ڈفرنس جب سے جو بار بار تمہاری باتوں میں جھلکتا ہے۔ تمہارے لیے تمہاری تکلیف بڑی ہے دوسروں کی چھوٹی۔ ہاں تم نے بھی زبان سے نہیں کہا لیکن ہمیشہ جانتا رہی شوری طور پر۔ کئی لاشوری طور پر۔“ وہ باتیں نہیں کر کے بھی تھی اس کی ان کے غبارے میں ٹپک کر گزرتی تھی۔ ایک شیر دل کو بھی اندازہ نہیں ہوا۔ یہاں کی وہ برٹش جو وہ اپنے وجود کے گرد چڑھائے ہوئے تھا اسے اتار کر رکھتی تھی۔ طبقاتی فرق اس کے اعتقاد اور لب و لہجے میں اتنا نمایاں تھا کہ دوسروں کو چھٹا قیام کم از کم اس عورت کو کھڑو چھٹا تھا جس سے اس نے واقعی محبت کی تھی۔ اور پتا نہیں وہاں پیٹھے پیٹھے اسے پہلے بار کیوں یہ یقین ہوا تھا کہ وہ بھی بالکل اسی کی طرح اس کی محبت میں پاگل تھی۔ اس پر مرنی تھی اس کے لیے جان دے سکتی تھی۔ وہ جس چیز کو صرف اپنا پاگل پن سمجھتا تھا

”چنانچہ میری بھی اس معاملے پر اس سے تفصیلی بات نہیں ہوئی۔ اس کے نانا کی تو وال کی ایک بڑی مشہور دکان ہے میں نے آپ کو بتایا تھا۔“ شیردل نے کہا شروع کیا۔

”اور جو اس کے سوتیلے والد ہیں وہ.....“ منزہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”اس کے نانا وال کی دکان کھولنے سے پہلے کیا کرتے تھے؟“ شیردل ماں کی بات پر ہنس دیا۔

”مئی ان کا بزنس ہے یہ اور بات established ہے..... یہی کرتے ہوں گے وہ ہمیشہ سے.....“ اس نے بے پروائی سے کہا۔ منزہ اس کا چہرہ بڑے غور سے دیکھ رہی یوں جیسے یہ جاننے کی کوشش کر رہی ہو کہ وہ اس کے کچھ چھپانے کی کوشش تو نہیں کر رہا تھا لیکن شیردل کے چہرے پر ایسا کوئی تاثر نہیں تھا جس سے انہیں یہ شک ہو سکا کہ وہ ایسا کچھ کر رہا تھا۔

”زیادہ اچھا بھلا بیٹیکہ گراؤ نہیں ہے اس کا۔“ منزہ نے بالآخر کہا شروع کیا۔ ”وہی تم تو اس کے نانا سے اکثر ملتے رہتے ہو گے؟“ منزہ نے بات شروع کر کے یک دم کہا۔ ”نہیں اکثر تو نہیں لیکن ہاں اس نے مل چکا ہوں چند بار پہلے بھی..... کبھی کبھار دوستوں کے ساتھ ڈانٹنگ کے دوران ڈاؤن آؤٹ آئی فنی جاتے ہوئے وال کھانے لے جاتے تھے میرے دوست وہاں..... یہ تو مجھے بعد میں پتا چلا کہ کس کے نانا ہیں وہ..... اچھے آڈی ہیں ویسے.....“ شیردل نے بے پروائی سے تبصرہ کیا تھا۔

”خاندان بڑا matter کرتا ہے۔“ منزہ نے یہ بات اس ساری گفتگو کے جواب میں کیوں کہی تھی اس کی کچھ میں نہیں آیا۔ ناس کی کچھ میں آیا..... نہ شیردل کی کچھ میں..... لیکن وہ حیرتوں اور عکس کے بیک گراؤڈ کے حوالے سے منزہ کی باتیں سن رہا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے وہ منزہ کی بہت سی باتوں سے متفق تھا۔

ایکڑی سے پاس آؤٹ ہونے کے ایک سال بعد منزہ کے سامنے شادی کے تذکرے پر سرسری انداز میں عکس کا نام لینے پر اس نے ماں سے دوبارہ وہی پتھر ناکھڑا تھا اور اس وقت اسے احساس ہوا اس کی ماں بہت پہلے اس خطرے کو محاذ پر کھینچی تھی، نہ ہند بچا چکی ہوئی تو اسے ڈھکے چھپے لفظوں میں اپنے خاندانی ہونے اور خاندانی بننے کی اہمیت کو جاننا چاہی ہوئی۔ وہ ماں سے زیادہ بحث نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن نہ لیکن لاشعوری طور پر وہ بھی طبقاتی فرق اور اچھے بیک گراؤڈ کی اہمیت پر یقین رکھتا تھا اور کہیں نہ کہیں وہ بھی عکس ساری سے شادی کرنے کی شدید خواہش کے باوجود اس ایک معاملے کی وجہ سے ہچکچاتا تھا۔ وہ ایک چمکا کر پروپوزل جو اس نے بظاہر بغیر غمخیز کی سے عکس کو دیا تھا اس نے نہیں کھینچ کر دیکھا تھا۔ اس کے دلچسپی کا اظہار ملا ہوتا تو وہ ماں کی ان باتوں پر کسی نہ کسی حد تک اس کا دفاع کرتا۔ بالکل اسی طرح جس طرح اس نے عکس کو دوسری بار پروپوزل کرنے کے وقت منزہ سے اس معاملے پر شدید بحث کی تھی..... کہ وہ کم سے کم دوسری بار عکس سے شادی کرنے میں اس کے خاندانی بیک گراؤڈ کی وجہ سے متاثر نہیں تھا، نہ ہی وہ ماں کو اس بات کے لیے blame کرتا تھا کہ عکس نے اس کی شادی نہ ہونے کی وجہ یہی نہیں..... اسے یقین تھا کہ اگر عکس راضی ہو جائے تو وہ ہاں کو مٹا لیتا۔ شیردل کو اماندہ نہیں تھا کہ یہ اس کی خوش فہمی تھی۔ وہ بخیر شیردل کو سمجھتا تھا۔ وہ منزہ بخیر کو بھی راضی نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ یہاں مسئلہ خاندانی بیک گراؤڈ نہیں تھا، یہاں مسئلہ ہاؤسینڈ تھا۔

☆☆☆

شرین شہباز حسین کو بھی نہیں بھول سکتی تھی بالکل اسی طرح جیسے شہباز حسین اس کی زندگی سے نکل جانے کو

بھول کر نال ٹل نہیں ہو سکتا تھا۔ ان دونوں کی کم عمری میں شادی ہوئی تھی۔ شہباز ان دنوں امریکا میں اپنی کمرہ دار تھا جب وہاں کسی ٹیلی فرینڈ کے ہاں اس کی شرمین سے پہلی ملاقات ہوئی اور تیسری ملاقات میں اس نے شرمین کو پروپوزل کر دیا تھا۔ وہ اس وقت 17 سال کی تھی شہباز 22 سال کا تھا۔ دونوں بہت اچھی تعلیم یافتہ تھے اور اعلیٰ و صورت میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔

”ان کی شادی پرکھتے ہی تھا۔ آئینڈل بھل..... Love birds temperamental تھا لیکن شرمین کے لیے یہ اتنا بڑا مسئلہ نہیں تھا۔ وہ اس سے اتنی محبت کرتا تھا کہ کسی قصہ کو بھی لیتا تو بھی اسے خود ہی منایا کر لیتا تھا۔ وہ کبھی کبھار ٹوک کر لیتا تھا لیکن شرمین اس کی اس عادت سے..... شادی سے پہلے ہی واقف تھی۔ اس کا اپنا جیسی سیٹ بھی اسی کا تیلر لیتا تھا کہ کبھی کبھار کی شراب نوشی اس میں زیادہ بات نہیں تھی۔ شہباز حسین میں اور کوئی خالی نہیں تھی کم از کم تب تک شرمین ایسا کچھ اس میں دیکھ نہیں پاتی تھی جس پر اسے کبھی پریشانی یا تشویش ہوئی۔ شادی کے بعد وہ سول سروس میں آیا تھا اپنے خاندان کے دوسرے لوگوں کی طرح اور شرمین پاکستان شفٹ نہ ہونے کی خواہش رکھنے کے باوجود اس کی محبت میں اس کے ساتھ پاکستان چلی جاتی تھی۔ اسے وہاں آ کر ایڈجسٹ ہونے میں زیادہ وقت نہیں لگتی تھی۔ شہباز کی صرف ایک بہن تھی اور وہ بھی میر ذہنی لیکن اس کی extended family کافی زیادہ تھی۔ شرمین کو اس کی ٹیلی میں بڑی گرم جوشی سے لیا گیا تھا۔

شادی کے دس سال بہت آرام سے گزرے تھے۔ شادی کے شروع کے چند سالوں میں اوپر سے بچے کے تین بار miscarriages کے بعد شہباز شرمین کے بارے میں ضرورت سے زیادہ پر دیکھو ہو گیا تھا۔ شہر ہاؤ کی پیدائش کے بعد اس نے شرمین سے کہہ دیا تھا کہ اسے مزید بچوں کی ضرورت اور خواہش نہیں تھی۔ شرمین خود بھی زیادہ اولاد میں دلچسپی نہیں رکھتی تھی۔ ان کی زندگی میں آنے والے واحد طفلانہ خردین اور چار پائی کی وجہ سے آیا تھا اور وہ بالواسطہ طور پر ان کے شہنے کی جڑیں اکھاڑ گیا تھا۔

سسرالینس شرمین کی کئی سالوں کے بعد لاہور کا ٹونٹ میں ملاقات ہوئی تھی۔ شہباز کی اگلی پوسٹنگ بہت عرصے کے بعد واپس لاہور میں ہوئی تھی۔ شہر بار ٹونٹ آٹھ سال کی تھی۔ سسرالینس لاہور کا ٹونٹ میں تھیں لیکن اس بار وہاں پر بھل کے طور پر نہیں تھیں۔ شرمین سے ان کی ملاقات اتفاقی ہوئی تھی۔ شرمین خود بھی لاہور کا ٹونٹ میں بہت بچپن میں چند سال پر تعلیم رہی تھی۔ سسرالینس کے ساتھ چھ سال پہلے ہونے والے تلخ تجربے کے باوجود شرمین ان سے بہت گرم جوشی سے ملتی تھیں لیکن سسرالینس اس سے تب بھی کچھ بھی نہیں رہی تھیں۔ ان کے رویے نے شرمین کو ایک بار پھر چند سال پہلے ہونے والے اس واقعے کے حوالے سے جھسکا کا شکار کر دیا تھا۔ اس نے اس بار شہباز حسین کو سسرالینس کے بارے میں بتانے کی حماقت نہیں کی تھی۔ وہ ایک بار پھر شہر ہاؤ کی کوئلہ کے حوالے سے شہباز حسین کے رویے میں کوئی آفراتفری دیکھ نہیں جاتی تھی لیکن اس بار اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ سسرالینس سے ان کے اور شہباز حسین کے درمیان وہ والے تنازعے کی اصل وجہ جاننے کے لیے ضرور کوشش کرے گی اور اگر ممکن ہو تو وہ اس تنازعے کو سل بھی کر دے گی۔

وہ سسرالینس سے اس تنازعے کی وجہ جاننے پر اتنا اصرار نہ کرتی تو سسرالینس چڑا اور خردین کے ساتھ والے واقعات بھی شرمین کے ساتھ شیئر نہ کرتیں۔ سسرالینس سے سب کچھ سننے کے بعد شرمین اگلے ہی

”شہباز براس کے ایک پرانے گلگ نے کچھ الزامات لگا کر کئی سال پہلے اس کی سرکاری نوکری سے برطرفی کے فیصلے کو کورٹ کے ذریعے چیلنج کیا ہے۔“ منترہ نے بالآخر اسے مختصر لفظوں میں بتایا۔
”میری کچھ میں نہیں آیا..... پاپا پر اب کوئی کیس کیسے کر سکتا ہے؟“ منترہ کی بات شہباز کو کے سر کے اوپر سے گزر گئی تھی۔

”تم عکس مراد علی کو جانتی ہو؟“ منترہ کے اگلے سوال نے شہباز کو کچھ اور بھی حیران کیا۔

”جی وہ شیردل کی دوست اور کو ایک ہے۔“ اس نے بے ساختہ کہا۔

”وہ اس کلک کی نوای ہے۔“ شہباز کو ایک لمحے کے لیے کچھ سمجھ نہیں آیا۔

”تمی مجھے یہ equation سمجھ میں نہیں آئی۔ کون کلک، کیسے الزامات؟ اور اس میں پاپا یا عکس کا کیا نکلشن ہے؟“ اس نے کچھ الجھ کر منترہ سے کہا۔

”اس ٹیلی میں کچھ اس گھر میں شہباز اور تہاری مچی کو serve کیا تھا۔ پھر تھریون نے گھر میں چوریاں کرنی شروع کر دیں اور شہباز نے اسے گھر سے نکال دیا۔ تہاری مچی اس پر بہت خفا ہو گئیں کیونکہ تھریون اس کا بڑا انٹورٹ نوکرتھا اور تھریون نے بھی شرمین کو انٹی سیڈی پٹیاں پڑھا میں..... شہباز پر بہت بڑے بڑے الزامات لگائے۔ اسی کے الزامات کی وجہ سے شرمین نے شہباز سے سمجھ کی اعتبار کی تھی اور اب اسے سانوں کے بعد وہ پھر معصوم بن کر واپس آ گیا ہے اپنی اس نوای کو لے کر جو پہلے شیردل سے شادی کے لیے اس کے چچے پڑی ہوئی تھی اور جب وہ نہیں ہوا تو اب یہ نیا پنڈورا باکس لے کر آگئے ہیں وہ دونوں..... میں چاہتی ہوں تم شیردل سے بات کرو۔ اسے سمجھاؤ کہ وہ اس لڑکی کو اور اس کے نانا کو کب کر اسے اس کیس سے..... وہ اس کی دوست ہے اس کے لیے مشکل نہیں ہے اسے یہ بات سمجھانا..... میں نے ابھی بھی اس سے بات کی ہے سنا پور..... لیکن وہ کہہ رہا ہے وہ عکس کو کب نہیں کرے گا۔ اسے اسے ساموں، اسے خاندان تہارے باپ کی پروا نہیں ہے۔ اس لڑکی کی پروا ہے..... شہباز تو اس سے بات کرو گی مچی کچھ ہوگا۔“ منترہ اس سے کہتی جا رہی تھی کہ بغیر کچھ انہوں نے شہباز کو کے کانوں میں سیرسٹاٹ ملا تھا توڑی دیر پہلے..... وہ گلگ فون کا ریسورڈر کان سے لگائے بیٹھ کر رہی تھی۔

شہباز حسین..... شرمین..... الزامات..... علیہ کی..... عکس مراد علی..... شیردل..... پتا نہیں ان میں سے کون سی بات نے اسے زیادہ کاٹا تھا..... کون سی بات آری تھی اور کون سی چھری..... لیکن شہباز کو کا کھر گرداب میں بھٹ گیا تھا اور اس کا دماغ چکر اٹھا تھا۔

☆☆☆

اس نے چکراتے ہوئے سر کے ساتھ رات کے دو بجے شیردل کے بیڈروم کے دروازے کو بجانا شروع کیا تھا اور پھر وہ بے اختیار ہانگوں کی طرح تہائی ہی چلی گئی تھی۔ اس نے اندر سے شیردل کی خشکی میں کچھ کہنے کو بھی نہیں سنا تھا۔ شیردل نے نائٹ سوٹ میں بہت بڑبڑاتے ہوئے ایک بجنگے سے دروازہ کھولا تھا اور وہ عکس مراد علی کو دروازے پر دیکھ کر ہکا بکا ہو گیا تھا۔ اس کا چہرہ دھمکے کی طرح سفید ہو رہا تھا۔

”کیا ہوا؟“ شیردل نے بے اختیار اس کا بازو پکڑا۔ وہ بچوں کی طرح اس سے لپٹ گئی تھی۔

”نانا..... نانا.....“ شیردل نے بچپنوں اور سکینوں میں اس کی آواز سنی۔

(باقی آئندہ)

ہماری بھولیاں

عطیہ

جیلہ کے ہاتھ تیزی سے چل رہے تھے۔ جھاڑو، پونچے سے فارغ ہو کر اس نے کپڑے بھی دھوئے تھے۔ وہ چاہتی تھی عقلمند باجی کے گھر سے جلدی کام ختم کر کے عرفانہ باجی کے گھر پہنچے۔ ان کی منگو دیکھنے کے لیے آج کچھ مہمانوں نے آنا تھا۔ ویسے تو وہ ان کے گھر بھی صرف جھاڑو پونچھ کر جاتی تھیں لیکن کبھی کبھار عرفانہ باجی کے نانو کا کام کے لیے روک لیتیں تو اضافی پیسے بھی دے دیتی تھیں۔ مابجی جیلہ کو ایسی ہی



مجھ سے ملیے



مجھے نور افشاں فتح کہتے ہیں، میں سندھ کے ایک بیارے سے شہر شکار پور میں پیدا ہوئی۔ ہم چار بیٹیں اور دو بھائی ہیں۔ میں سب بین بھائیوں میں آخری نمبر پر ہوں۔ مجھے میری سب دوستیں ”نور“ کہتی ہیں۔ دن کا آغاز میں اللہ پاک کے پیارے نام سے کرتی ہوں۔ میری تعلیم ڈبل ماسٹر ہے ایک انکسٹا میں دوسرے انگلش میں جو ابھی مکمل ہو ہے۔ میں مختلف سندھی اخباروں میں مضامین بھی لکھتی ہوں۔ پانچ سال پہلے لکھنا شروع کیا اور پہلا آرٹیکل ہی بیروٹ پر پرنٹ ہو گیا تھا۔ میرے ایک سو سے زیادہ آرٹیکل اور سات کہانیاں چھپ چکی ہیں۔ لکھانے میں مجھے وال، چاول، میرانی، کیو، کوٹھے، شاہی کباب، پھلی بہت پسند ہے۔ چائے بھی میں بہت شوق سے پیتی ہوں۔ مجھے اچھی اچھی خوشبوؤں والے سارے پرنیوز اچھے لگتے ہیں۔ مہموں میں مجھے سادہ ماسم اچھا لگتا ہے جب میرا دل خوش ہوتا ہے۔ مجھے الف ایم ایف ایو سنسٹے کا بھی بہت شوق ہے، شکار پور اور سکراف ایف ایم کے لائیو پورگرامز میں بھی حصہ لیتی رہتی ہوں۔ فارغ وقت میں ڈائجسٹ پڑھتی ہوں۔ دردو پاک پڑھنا بھی آرٹیکل لکھنے کا کام، مجھے اپنی بہنوں کے ساتھ بہت محبت ہے اور وہ بھی مجھ سے بہت پیار کرتی ہیں میں اپنی چھوٹی سے چھوٹی بات اپنی بہنوں کو بتاتی ہوں، مجھے آج اور عمر کرنے کا وقت بہت شوق ہے۔ اللہ کرے میری خواہش اس سال ہی پوری ہو، آمین۔ آپ بھی دعا کریں پلیز۔

مرسلہ نور افشاں، شکار پور

معلوم ہو سکا وہ سب تلی بخش تھا۔ چاندیہ آج جب اریب کے گھر والے رشا کو کھینے آ رہے تھے تو رشا کے گھر والے مطمئن تھے کہ بظاہر کوئی رکاوٹ محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ امید یہ بھی کہ رشتہ طے ہو جائے گا۔ ”مسیر اللہ بہت مہربان ہے۔ دلی سب کی سننے والا ہے، ورنہ یہ دنیا والے تو کسی کے کام نہیں آتے۔ آس پاس، خاندان، برادری میں رشا کے جوڑے کے کسی لڑکے سے تنگ کران کی ماؤں، بیٹوں کے مزاج آسانوں سے باتیں کر رہے ہیں لیکن میرے اللہ نے مجھے گھڑی کی گھنٹی میں ہی لایا۔ ایک خوب رو اور پیسے والا داماد

لڑا تھا جس کی نور شادی ہو جائے۔ مگر انسان کی خواہش میں دن پوری ہوئے اس قدر آسان نہیں ہوتا۔ اس اثنا میں رشتے تو کئی آئے مگر بات نہیں بن سکی۔ رشا نے گھر میں فارغ ہونے کے بجائے یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا۔ ابھی چند ہفتے پہلے کسی عزیز کے ہاں ایک تقریب میں کسی خانوٹ نے رشا کو اپنے بیٹے کے لیے لہا کر لیا۔ رشا کی اہلی اور بھائی سے ملاقات بھی کر لی اور اپنی خواہش کا اثنا میں اظہار بھی کر دیا۔ رشا کے بھائی اور والد نے اریب کے بارے میں معلوم کیا بھی کسی حد تک کہ نہیں۔ ابھی تک جو کچھ

یہ عادت اچھی تھی کہ وہ ہیلے کے پیچھے پیچھے گھر پر کراس کے ہر کام کو باریک بینی سے سفر فرمائی کی طرح معائنہ نہیں کرتی تھیں۔ سفر فرمائی تو فیصلوں کے کف، کار، شلوار کے پانچے پھر شکر گردنیں۔ ذرا سا دبا دکھائی دے جاتا تو دوبارہ دلوٹا لیکن ان کی اس میں بخ نکالنے والی عادت کو جیلہ خوش دلی سے اس لیے برداشت کرتی تھی کہ وہ اجرت بہت فراخ دلی سے دیتیں۔ مقررہ تنخواہ کے علاوہ بھی اکثر ہی اسے کچھ نہ کچھ دیتی رہتی تھیں۔

عقیدہ باجی بچن میں لکھا تھا بناری تھیں، ساتھ ہی ساتھ کپڑے جوڑنے کے لیے مشین لگا کر تھی کسی۔ جیلہ نے ہماڑ پور سے گھر کی لگا دی لیکن پورچھا صرف لاڈ اور ڈانگ روم میں لگایا۔ ہاتھ رومز میں صرف وغیرہ ڈالنے کے بجائے صرف پانی بہا کر اپنا کام ختم کیا۔ البتہ لاٹری اور بچن اس نے اچھی طرح صرف اور ڈال کر گڑ کر دھویا۔ عقیدہ اس کی جانفشانی دیکھ کر خوش ہو گئیں۔ فریج میں سے رات کا پکھا سا رن اور چاول نکال کر جیلہ کے حوالے کیے۔

عقیدہ باجی کی مہربانی پیچھے کچھ کھانے یا پرانے کپڑوں تک سمجھ دو رہی تھی۔ حمید بزمید رہی تنخواہ کے علاوہ نقد رقم ہاتھ میں رکھتیں۔ جیلہ کے خیال میں انہیں صاحب یعنی عقیدہ کے میاں کی تنخواہ اچھی تھی لیکن عقیدہ باجی کافی کلاہت شعاریں۔ تیوں بیچے ابھی چھوٹے ہی تھے لیکن وہ ابھی سے ان کے مستقبل کے حوالے سے منصوبہ بندی کرتی رہیں۔

”باجی، میں لکھا تھا ابھی اپنے فریج میں ہی رکھے رہتے دیں۔ کل لے جاؤ گی۔“ جیلہ کو فریج کے ہاں سے زیادہ اچھے مال کی توقع تھی۔

عرفانہ کے ہاں کافی کام پھیلا ہوا تھا۔ عرفانہ کی ساس نے پورے گھر کو کپڑی بھار کھا تھا۔ رشا ابھی تک ہوئی خوش شکل لڑکی تھی جو بیٹن کے بعد اس کی اہلی کی

امید تھی، پھر وہاں سے اسے قریبی صاحب کے ہاں جانا ہوتا تھا۔ تب تک شام ہو جاتی تھی۔ وہ اس کمر میں کپڑے دھوئے اور راستی کا کام کرتی تھی۔ گھر جاتے جاتے تک کرچہ ہو جاتی مگر پھر اسے گھر کے کام بھی کرنے پڑتے۔ تیوں بیچے ابھی چھوٹے تھے۔ بڑا بیٹا بارہ، تیرہ برس کا تھا۔ اس سے چھوٹی بیٹی دس برس کی اور سب سے چھوٹا بیٹا سات برس کا تھا۔ تیوں بیچے محلے کے سرکاری اسکول میں پڑھتے تھے۔ بے شک پرائیوٹ اسکول کی طرح شاندار خرچ نہ تھا مگر پریمی لکھنیں، کاپیاں، پیٹھارم وغیرہ کو خرچ تو تھائی۔ جیلہ کی طرح اس کے شوگر بھی شوقی تھا کہ اس کے پیچے پڑھ لکھ جائیں۔ نذر ایک فیکری میں روزانہ کی اجرت پر کام کرتا تھا۔ بیچ تان کر گزارہ ہو ہی رہا تھا مگر اس مہنگائی کے جو کسی عفریت کی طرح پھیل چکی تھی اب تو دو وقت کی روٹی بھی دو چکر کر رہی تھی۔

گئیں، بجلی کی کٹی کٹی گھنٹوں اور دونوں کی بندش نے فیکری میں کبھی پریشان کر رکھا تھا۔ ان کی پریشانی کا اثر پڑتا تھا روزانہ اجرت پر کام کرنے والے کارکنوں پر۔ یہ لوگ آئے دن چھائی کی زد میں آتے رہتے۔ نذر بھی اس آفت کا شکار رہتا۔ اگرچہ جیلہ بھی اس کی نوکری جاتی رہتی تھی مگر اس قدر پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا۔ وہ ایک سختی کا گھر تھا۔ سب جلد ہی دوسری جگہ نوکری مل جاتی تھی مگر آج کل جس طرح ملک کے معاشی حالات دگرگوں تھے اسی طرح نذر اور جیلہ کی پریشانی بھی روز بروز بڑھ رہی تھی۔

اب کی یاد جب نذر کی نوکری ختم ہوئی تو دوسری مل ہی نہیں رہی تھی۔ جیلہ کی تنخواہ میں پورائی نہیں پڑتا تھا۔ گھر کا کرہ، بجلی، گیس، کابل۔ جیلہ نے اچھے دنوں میں جو عورتوں بہت بچت کر کے رکھی تھی کہ اپنا گھر بنائیں گے، وہ تیزی سے خرچ ہو رہی تھی۔ جیلہ نے مہربانی سے اپنا کام ختم کیا۔ عقیدہ باجی کی

جیلہ خوش خوش گراؤ تو نذر ادا اس سا بیٹا تھا۔
 ”آج پوری امید تھی کہ کام ل جائے گا مگر ٹہرا ہوا
 اس کم بہت منظور کا، دھوکا دے گیا۔“ نذر بولا۔
 ”ہائیں وہ کیسے؟“ جیلہ کے پوچھنے پر وہ بولا۔
 ”کانی بڑی مشہور فیکٹری ہے، کارنگر کو اچھی
 اجرت دیتے ہیں پھر وہاں چھ مہینے بھی کوئی.....
 کارنگر کام کر لے تو اس کا نام بن جاتا ہے۔ دوسری
 فیکٹریوں والے ہاتھ لیتے ہیں۔ اس فیکٹری کو
 کارنگر چاہیے۔ یہ جتنے مشاقق نے تے تاپا تھا وہ یہی کہ
 ایک دو دن میں وہ لوگ اندر واپس لینے والے ہیں، منظور
 بھی پاس بیٹھا تھا۔“
 ”لاؤ نذر، میں تمہاری درخواست لکھ دیتا
 ہوں۔“ وہ بولا۔
 ”اب مجھے تو کوئی خاص لکھنا پڑتا ہے نا انہیں، اس
 کی بات مان لی۔ اس نے درخواست لکھی، میرے

”آپ لوگ بھی اپنی تسلی کر لیں تو پھر میں جانتی
 اس کے معنی وغیرہ کا سلسلہ چھوڑ کر شادی کی ہی تاریخ
 طے کر لیں۔ اریب کی بڑی بہن آج کل ہالینڈ سے
 کھانا آئی ہوئی ہے اس کے لیے پھر بھائی کی شادی
 کے لیے جلد پاکستان آنا مشکل ہوگا۔“ رشامی اخی کو
 مگر اعتراض میں تھا اس رسی طور پر سوچنے کی مہلت
 تھی۔
 شام کو سب کام سمیت کر رہی کچا کھانا، جائے
 کے لوازمات سمیت، مضانی وغیرہ لے کر جب جیلہ گھر
 ہانے لگی تو عرفان نے اسے الگ سے تین سو روپے
 دیے۔ اس کی اس نے بھی پانچ سو روپے دیے۔
 ”میرے اللہ نے میری مدد کی، میری رشامی
 لپٹ لے ہوئی اب خیر سے سے شادی ہو جائے تو
 کہیں الگ سے انعام دوں گی۔ جوڑا، پیسے سب کچھ
 دیش کروں گی نذرہ بہنیکہ بولیں۔“

ہونے پر شادی کر دیں گے۔ اب عروج کی ای نے
 جتنی بات پوچھی تھی اس کا جواب دیا تھا مگر نذرہ بہنیکہ
 نے یہ بات دل میں رکھ لی۔ بعد میں اگرچہ عرفان نے
 انہیں قائل کرنے کی بہت کوشش کی یہاں تک کہ ہالینڈ
 مسعودی ای اور عروج کی ای سے وضاحت سے
 پوچھ سکتی ہیں لہذا ایک بار اس کے سامنے اس سے
 عروج اور مسعود کے رہنے کا ذکر بھی کیا گیا کہ عروج
 کا سامرز مکمل ہونے والا ہے تو اب مسعود کے گھر
 والوں کا کیا ارادہ ہے۔ جس پر نذرہ کی ای نے بتایا کہ
 مسعود کو اس کی خرم کی جانب سے مزید ٹریڈنگ کے لیے
 سال بھر کے لیے بیٹین بھیجا جا رہا ہے۔ اس کی ای کی
 خواہش یہ کہ وہ شادی کر کے عروج کو بھی ساتھ لے
 جائے۔ اس کے باوجود نذرہ بہنیکہ مال صاف نہ ہوسکا۔
 عرفان کو بھی مال تھا کہ اسے سالوں کی اس کی خدمت،
 وفا اور خلوص کا امان کہ نزدیکی بس یہی مسئلہ
 تھا؟ لیکن بہر حال وہ رشامہ کے اتنے مستقبل کے لیے دل
 سے دعا گو تھی۔ جیلہ کے ساتھ مل کر اس نے جلدی
 جلدی کام مہیا۔

مل رہا ہے کہ سب کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔“
 عرفان کی سانس نذرہ بہنیکہ جیلہ سے بولیں۔
 عرفان جن میں کچے فیے کے کباب کے لیے
 مسالا تیار کر رہی تھی۔ اپنی ساس کی باتیں سن کر مال سا
 ہوا۔ اس نے کئی بار وضاحت کی تھی کہ امان نذرہ
 بہنیکہ کے جوڑے قائم کر لی تھی اسی پر قائم تھیں عرفان
 کی شادی کو آٹھ، دس سال ہو چکے تھے۔ فطر تا وہ صبح جو
 قسم کی لڑکی تھی۔ اس کے اپنے شوہر ماجد اور ساس، بہتر
 سے بہت اچھے تعلقات تھے۔ وہ فائنس اور دو کھانے کی
 قائل نہیں تھی۔ جو کچھ بھی کرتی خلوص نیت سے
 کرتی۔ رشامہ اس کا رشتہ روایتی نذرہ ماجد کا تھا۔
 جس میں حسد، جھلن اور ایک دوسرے کو نیچا رکھانے کا
 جذبہ کارفرما رہتا ہے۔ بلکہ وہ رشامہ کو چھوٹی بہن اور
 دوست بھی سمجھتی تھی۔ اس لیے بھی اس کے خلوص کو پہلے
 تو ہمیشہ شک کی نگاہ سے نہیں دیکھا تھا مگر جب..... ان
 کے دل میں رشامہ کے لیے عرفان کے خالہ زاد مسعود کا
 خیال آیا اور عرفان نے یہ کہہ کر منہ کر دیا کہ مسعود کی بات
 تو ابی جتنی زاد عروج سے ملے ہے تب سے نذرہ بہنیکہ
 کے دل میں گھر پڑی۔ ان کو شک تھا کہ عرفان نہیں
 چاہتی کہ رشامی کی شادی مسعود سے ہو، اعلیٰ تعلیم یافتہ
 اچھے گھرانے کے لڑکے سے ہو۔
 ”عروج کی تو سنا ہے کہ معنی ہو چکی ہے۔“ انہوں
 نے یونی باتوں باتوں میں ایک بار عروج کی ای سے
 پوچھا۔
 ”میں معنی وغیرہ تو نہیں کی ہے میں تو اس بات
 کی قائل ہوں کہ جب مناسب رشتہ ہو تو ہی انطور شادی
 کر دیں۔ معنی وغیرہ کو کوئی قانونی شری حیثیت تو ہے
 نہیں۔“ اس کی ای بولیں۔
 سچ تھا کہ عروج اور مسعود کی باقاعدہ معنی وغیرہ
 نہیں ہوئی تھی۔ دونوں کے والدین اور بزرگوں کے بیچ
 یہ ملے ہوا تھا کہ اللہ کو منظور ہوا تو عروج کی تعلیم مکمل

جون 2012 کے شمارے کی ایک نیا سیریز

دشت امکان
 عاشق فاطمہ کے قلم سے لونی مالا کے گھر سے موتی اور کنگز لکھات کا اظہار..... وہ
 جیلہ جان جب چپ کے گھر سے ساگر میں اتری تو سنا نے فسانے سنانے لگے

غزنی نا دھلی
 ڈاکٹر ساجد امجد اہل تہذیب و ثقافت سے..... سزم خورشید شاہ شہاب الدین خوری
 اور وفا اور نظام قبیلہ الدین ایک سنگرد تہذیب کی مثال گرائی۔

کشول
 کہیں جال بیٹھے دشن، کہیں دھانوں کے دان دراز..... کہیں زندگی کے نشیب،
 کہیں خوابوں کے تگن حصار..... مختلف چہروں..... منور ویوں کا لپٹے سلسلہ

مسافر
 ایک ہفتہ حاشیہ لکھیں اور اوقات گھر کے لکھات کا پرفیہ تہناز..... جب زندگی میں
 کی امان..... اور اگلی کی تمام تک کیلئے محسوس ہوں تو ایسے سنار کی کرے
 ایک ہفتہ حاشیہ لکھیں اور اوقات گھر کے لکھات کا پرفیہ تہناز..... جب زندگی میں
 کی امان..... اور اگلی کی تمام تک کیلئے محسوس ہوں تو ایسے سنار کی کرے



زین العزیز
 علامہ اقبال کی بیٹی

دوہ

کلام، یحسینی احمد، کراچی

میں کسی اور گناہ کا منصوبہ ہوتا ہے۔ شاید ہم سب یہ
 ل جاتے ہیں کہ وہ رحمان اور رحیم ہونے کے ساتھ
 ربی ہے۔

عمر کے بعد سے ہی عور قیں آنے لگیں۔ کسی
 رے سے طالب علم بھی بلوا اٹے تھے۔ سوا لاکھ مرتبہ
 نیت کریمہ بڑھنا تھا۔ کئی بار شربت اور حائے دی گئی۔

”بہت دل والے ہیں اس بنگلے والے، دولت تو بہت لوگوں کے پاس ہوتی ہے لیکن نوکروں اور غریبوں پر خرچ کرنے کا حوصلہ کسی کسی میں ہوتا ہے۔ جتنی میری

ایسے دل نہ اداں

میونڈو شرید

افتح سورہی تھی کہ اس کا
فون بجا۔ وہ نیند سے
جاگی اور فون سنا۔
فون ماہ پارہ کا
تھا۔

”حادث برنس کے سلسلے میں ملک سے باہر چلا
گیا ہے۔“ ماہ پارہ نے حال پوچھنے کے بعد بتایا۔
”آخر اتنی بھی کیا جلد ہی حادث کو مجھے بتایا
تیک نہیں۔“ افتح حیران ہوئی اور بے ساختہ کچھ میٹھی
”بتا دے گا۔ فون پر ہی تو بتاتا تھا اس نے
تمہیں۔ اصل میں اسے امیر جنسی میں جانا پڑا ہے۔
قریباً ایک مہینے تک وہ ایسی ہوئی اس کی، تم ایسا کرو
اسنے دن تک اپنی ای کی طرف ہی رہ لو۔ تمہیں بھی
تھوڑا جینچل مل جائے گا۔“ افتح کے دماغ میں
آندھیاں چلنے لگیں۔

”میرے ایڈیشن اشارت ہو گئے ہیں خالد۔ یہ
وقت نکل گیا تو پھر میرا ایڈیشن بہت مشکل
ہو جائے گا۔“

”یہ کام تو حادث نے کرنا تھا۔ میں تو
ان معاملات کو نہ سمجھتی ہوں نہ ہی
سمجھ کر سکتی ہوں۔“ ماہ پارہ نے
اس بات کو بغیر ضروری سمجھتے
ہوئے کہا۔

”تو خالد آپ کو
بات تو کرنا تھی
حادث
سے۔“

کسی اپنی باتیں کر رہی ہوتی۔ اس کے برنس
کے کہیں کچھ ہے اور میں اپنی جلدی میں اس
بات کرتی۔ کیا اتنی نادان ہوتی۔“ افتح کو ایسا لگا
اس کا بتایا تاج محل سی سے مساکر کر دیا ہو۔

”اچھا سنو! اپنے کپڑے وغیرہ اور ضروری
چیزیں جو تم نے لی ہیں آکر لے جانا۔ آخر تم اسنے
لوگوں کی اپنی ای کی طرف، تمہیں کپڑوں وغیرہ کی تو
ادرت پڑے گی نا۔“ ماہ پارہ بولیں۔ ”اور سنو اپنی
صحت وغیرہ کا خیال رکھنا، حادث آئے گا تو میں تمہیں
ہلک اپ کے لیے ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں گی۔“
”وہ کس لیے؟“ افتح نے خشک سے لہجے میں
کہا۔

”ارے ابھی اتنی کمزور ہوتی تمہیں چیک اپ کی
ضرورت ہے۔“

افتح نے فون بند کر دیا۔ غم و غصے سے افتح کی
حالت تباہ تھی۔ اس نے فون کیا لیکن حادث فون انٹینڈ
نہیں کر رہا تھا۔ افتح کا غصے سے برا حال تھا۔

اگلے روز حادث کا خود ہی فون آ گیا لیکن افتح
نے فون انٹینڈ نہیں کیا۔ حادث کو یہ بات بہت چچی۔
اس سے بات کی تو انہوں نے حادث کو منہ کر دیا کہ
اب وہ فون نہ کرے کیونکہ افتح نے ان کے ساتھ بہت
بگڑ چکی کی ہے۔ خوب زبان درازی کی ہے۔ حادث
کو اس کی عزت زیادہ عزیز تھی۔ اسے یہ بات اور بری
لگی۔

افتح کی بے چینی اور پریشانی دیکھتے ہوئے عمارہ
گھر سے اسے ٹھونے کی کوشش کی کہ وہ کس پریشانی میں
ہے۔ افتح نے عمارہ کو سارے حالات کے بارے میں
تفصیل سے عمارہ بتائے۔ افتح کو سمجھا یا کہ وہ حادث کو فون
کرے اس سے بات چیت کرے یوں سلسلہ منقطع کر
کے نہ دیتے۔ افتح کو یہ بات سمجھ آئی کہ اگر وہ حادث
سے رابطہ نہیں رکھے گی تو اور پریشانی میں مبتلا ہو جائے

گی۔ افتح نے حادث کو فون کیا اور عمارہ بتیکم کے
سمجھانے پر حادث سے شکوہ کیا۔

”بغیر بتائے اور بغیر مجھ سے ملے دیار غیر چلے
گئے۔ کیا آپ کے دل میں اپنے جیون ساتھی کی یہی
قدر ہے۔“ حادث پہلے ہی ٹھہرا بیٹھا تھا۔ افتح کی
دلجوئی کے بجائے اسے ہی برا بھلا کہا اور افتح کو ہی
الزام دینے لگا۔

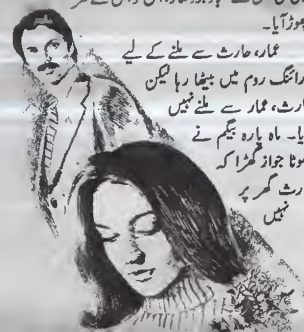
”تم نے کون سا بیویوں والا فتح ادا کیا ہے کہ
میں تمہیں اس قابل سمجھتا۔“ افتح حادث کی باتوں سے
بدول ہو گئی اس لیے اسے مقصد کے بارے میں بات
نہیں کی۔ عمارہ بتیکم نے افتح کو سمجھا یا کہ الی الی وہ ممبر
کرے اور حادث کے آنے کا انتظار کرے یوں جلد
پاڑی سے کام نہ لے۔ ایک مہینہ افتح کا جلنے کڑھتے
گزر گیا۔

ایک مہینے بعد حادث آیا تو ماہ پارہ بتیکم نے عمارہ
کو فون کیا اور روکے لہجے میں حادث کے آنے کی
اطلاع دی۔

”میری تو طبیعت ٹھیک نہیں جو آسکوں تم افتح کو
عمارہ کے ہمراہ روانہ کر دو۔“

یہ بات افتح کو ہی کیا سارے گھر والوں کو بہت
بری لگی اس کے باوجود عمارہ افتح کو اس کے گھر
چھوڑ آیا۔

عمارہ حادث سے ملنے کے لیے
ڈرامٹک روم میں بیٹھا رہا لیکن
حادث، عمارہ سے ملنے نہیں
آیا۔ ماہ پارہ بتیکم نے
جھوٹا جواز دیا کہ
حادث گھر پر
نہیں



ہے۔ عمار واپس چلا گیا۔

افق غم و غصے سے بھری بیٹی تھی۔ اپنے ساتھ ہونے والی زانیہ اور وعدہ خلافی پر بھی احتجاج کرنا چاہتی تھی لیکن یہاں تو اجڑا سی پتھر اور تھا۔ ماہ پارہ بیگم کا منہ پھولا ہوا تھا اور حارث الگ بھر اٹھنا تھا۔
 ”اس نے پوچھ کر اسے فون کر کے میں نے کہا تھا کہ نہیں اسے کپڑے وغیرہ یہاں سے لے جائے یا منگوائے۔ اس کے باوجود یہ انہی دو چیزوں میں وہاں بیٹی رہی۔ ہر آئے گئے نے آکر مجھے یہی بتایا کہ اس کا پہناؤ تو دیکھی ہے جو شادی سے پہلے کپڑے پہنا کر تھی۔ کیا میں نے اس کا سامان بجوری میں بند کر دیا تھا جو اس نے ہماری عزت کا یوں ٹھانسا لایا وہاں بیٹھ کر۔“ ماہ پارہ نے حارث سے کہا۔

”کون لوگ ہیں آپ کہ بتانے والے؟“ افق غصے سے بولی۔

”تمہارا خاندان..... ہمارا خاندان جو بھی آتا تھا یہی بتاتا تھا کہ اس نے نوار سے پن والے کپڑے پہن رکھے ہیں۔ ہمارے یہاں تو بچیاں رخصت ہوئیں تو ان کے کپڑے مایسوں کو دے دیے۔ تم نے یا تمہاری ماں نے وہ کپڑے کیوں دیکھے ہیں۔ اس لیے ناں کہ بعد میں ہمارا ماتما شگوار۔ پتلی بڑی بدگلوئی کی بات تھی یہ بھی نہیں سوچا تم میں نے۔“ ماہ پارہ بولیں۔

”بات میں خالہ! مجھے ان فضول کی باتوں میں مت الجھنا میں مجھے پروا نہیں دنیا والوں کی۔ میں ابھی طرح سے جانتی ہوں کون لوگ ہیں جو آپ کو بھڑکاتے..... رہتے ہیں۔ مجھے ان سب چیزوں کی کوئی پروا نہیں۔ آپ وعدہ کر کے لائی تھیں مجھے کہ میری ایکویشن شروع کروائیں گی۔ کہاں گیا وہ وعدہ تائیں مجھے، ایڈیشن اوپن ہو کر بند ہو گئے اور آپ کو ذرا سی پروا نہیں ہے، احساس ہے آپ کو کتنی بڑی وعدہ خلافی

کی ہے آپ نے میرے ساتھ۔“

”یہ تم کس لیے میں اس سے بات کر رہی ہو۔ کبھی میں نے اس طرح بات نہیں کی ای سے۔“

حارث، افق کے کچھ کو دیکھ کر غصے سے بولا۔
 ”تو کس لیے میں بات کر رہی ہوں۔ وعدہ خلافی کی ہے انہوں نے میرے ساتھ، جھوٹ بول کر بھیا کر لائی ہیں۔ مجھے۔“

”جو اس بند کر دینی۔“ حارث نے افق کے منہ پر تھپڑ مار دیا۔ وہ چپکرا کر گئی۔ حارث کا یہ عمل افق کے لیے بالکل غیر متوقع تھا۔ وہ ٹک رہ گئی۔ وہ حیرانی سے حارث کو دیکھتی رہی پھر اپنے کمرے میں جا کر رہا کر رہ گئی۔

”سامان وہ ہو گیا ہے تمہارا یہ راز مادی کہتے ہوئے مجھے۔ یا تو تم سیدھی طرح سے اپنا کمرہ بٹایا اپنا بوری بستر بیکھو اور یہاں سے نکلو۔ کیوں زندگی اجیرن کر دی ہے تم نے میرے بیٹے کی۔“ پورا دن گزرنے کے بعد ماہ پارہ بیگم نے کمرے میں آکر کہا۔

”زندگی میری خراب کی ہے آپ نے۔ دھوکا دیا ہے مجھے۔ جھوٹے اور دغا باز لوگ ہیں آپ۔“ افق نے غصے سے کہا۔

”کون سی زندگی کی بات کر رہی ہو تم۔ بڑے عیش و آرام میں رہ رہی تھیں ناں۔ گھر والوں نے پرانے کا ٹھکانہ کی طرح تمہیں اسٹور میں پھینکا ہوا تھا۔ میں نے تمہیں سچا سنوار کر ایک نیا بپا موتی تمہارے گلے میں ڈالا اور تم نے اس موتی کی کسی قدر نہیں کی۔“

”آپ کے لیے ہو گا وہ نیا بپا موتی میرے لیے تو ایک بچہ ہے احساس سے لائق غرض پوری کرنے والا پڑے۔“

”لو کی زبان بند کرو اپنی درندہ میں تمہارا منہ لوچ لوں گی۔“

”ہاں، ہاں آپ بھی مار رہے مجھے..... بیٹے کی میں ناں اور ماں کی حمایت میں بیٹا مارے بیٹے۔“ افق غصے سے چلائی تو حارث کمرے میں گیا۔

”اس ای کے منہ لگا فضول ہے۔ اس کے گھر والوں کو بلائیں اور اسے چٹا کر دیں یہاں سے۔ اس کا جاں رہتا بالکل ٹھیک نہیں۔ نفسیاتی مریشہ نہ جانے، کو کیا نقصان پہنچا ہے اور گلے میں پھندا ہمارے۔“ حارث نے ماں سے کہا۔

”میں نفسیاتی مریشہ ہوں تو تم کون ہو.....“
 ”اے غصے سے حارث کو دیکھا۔ دونوں کے مابین ٹکڑا ہوا تھا تو ماہ پارہ نے عمارہ کو فون کر کے افق کے حالات کے متعلق بتایا۔ عمارہ اور سزیل الگ ہی دن ماہ پارہ کے کمرے آئے تو افق جانے کے لیے تیار بیٹھی تھی۔

”بات تو بتاؤ کہ ہوا کیا ہے؟“ عمارہ بیگم نے اچھا تو افق خاموش رہی۔

”وہی بات ہے جو تمہارے ساتھ تھی۔ جب حارث زخم مند میں تھے وہ نہیں پڑھنا چاہتا تھا تو میں نے اسے اور کیڑو پر حاکستری ہوں۔ اس کی بات بالوتو کیا ہے ورنہ اس کی وہی منہ زوری جو کرتی چلی آ رہی ہے یہ سب کے ساتھ۔“ ماہ پارہ بیگم نے کہا۔

”تم یہ خند چھوڑ کیوں نہیں دیتیں۔ ساری کی کہا یونہی خود کو تباہ کر دی۔“ عمارہ بیگم نے افق کو کہا۔ افق تو پہلے ہی ماں سے بدلتی تھی اور بھی لپکتی ہوئی۔

”آپ نے مجھے اپنے ساتھ لے کر چلنا ہے یا کہیں اور پہلی جاؤں۔“

”کہاں جاؤ گی تم..... شریف گھروں کی ماں بپا یا شوہر کے گھر کے علاوہ کہیں نہیں جاؤ گی۔“

انتاہی یاد آ

انتاہی یاد آ مجھے

کہ زندگی کی کا زار نہ بنے

سائنس جسم کا بار نہ بنے

خوشی ملے تو خوشی میں

کوئی کھڑکی جیاس نہ ہو

آکھ کی روشنی کے چہچہے

ہلکی سی نمی نہ ہو

انتاہی یاد آ

کہ زندگی کا نیا سفر

آسان ہو جائے

ہمسفر جو ملے

زندگی کا

ہوم ہو جائے

خوشی کے رنگوں میں

خوشبوؤں کے ریلے میں

میں ڈوب جاؤں

تو میرے اس

ڈوبنے میں

میرا دل تمام تر آبادی کے ساتھ

مٹا ہو

ہر سوچ سے آزاد ہو دل

ہر خیال سے بے نیاز ہو دل

انتاہی یاد آ

شاعرہ: سیم غازی، لاہور



غزل

جسے دلیل کا ممبر عطا کیا گیا تھا
وہ سر بلند سناں پر چڑھا دیا گیا تھا
میں اپنے نور کو تقسیم کس طرح کرتی
مجھے چراغ سے پہلے بجھا دیا گیا تھا
ہوا کے دوش پر موقوف مئی اڑان مری
مجھے گلاب سمجھ کر بجالا دیا گیا تھا
میرے غیر سے اٹھی تھی اعتبار کی خد
مجھے فرار کا رستہ بتا دیا گیا تھا
وہ حوصلہ کسی مجذوب کی امانت تھا
جو میری ذات کی زو سے بچا لیا گیا تھا

شاعرہ: محصورہ شیرازی کراچی

”تم اتنی کتنی سمجھاؤ کہ وہ اتنی نادانی کیوں کر رہی
خالہ طعنے انداز میں یوں۔۔۔ اپنا مگر
ہاں سکتی اور ہماری بھی برائیاں کرتی ہے خالہ
دیکھ کر۔“

”اور آپ۔۔۔ آپ نے جو میری برائیاں کیں
میں نے اسے کہہ کر دیکھ لیا، پھر بڑھوں، کیسے کیا لیا
ہاں نے اپنا بیٹا یہاں۔۔۔ وہ کیا تھا؟ اچھے غصے سے
کہا۔“

”ہائے۔۔۔ تم تو ہم پر تہمت لگا رہی ہو۔“
”میں نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے۔ آپ
کی برائیاں کر رہی تھیں ویسے کے روز۔۔۔ اور ایک
مہینہ میں یہاں بیٹھی تو آپ لوگوں نے جاکر بتایا
کہ آپ کو کہہ کر میں اسے برے حال میں پڑھ کر دوں
تھا یہاں پر ہی ہوں۔ کون سے بڑے بچہ کا کردار ادا
آپ لوگوں نے۔“ عمارہ بچا کافق کو بولنے سے
بچ رہی تھی لیکن کب تک خالہ غصے سے لالچیلی ہو کر
وہ رہے یوں۔

”جتنی خاطر تو واضح ہو گئی ہے اس کے بعد میں
یہاں نہیں بیٹھتی تھی۔ آپ سمجھا میں اپنی بھانجی اور بہن
کو کہیں تو ایک جگہ یہاں نہیں رہوں گی جاری ہوں
میں۔ خالہ غصے سے کہہ کر چلی گئیں۔ حسنین بھی
پہچانے ہوئے تھے۔“

”وہ تمہارا معاملہ سمجھانے آئے تھے تاکہ
میں اپنی بات کرتی حمایت حاصل کر سکیں
میں یہ کیا کیا تم نے انہیں یہ برا بھلا کہا شروع
کر دیا۔ اگر تم عقل لڑکی تھیں احساس ہے تمہارے
یہاں بھائی جانے میں ہے اس گھر میں۔“ عمارہ
اپنی منہ سے برس پڑیں۔

”ہاں ہوں میں بہت اچھی طرح سے جانتی
ہوں آپ کو اس وقت میرا نہیں اچھا احساس ہو سکتا
میں اس دور ہے پر کھڑی ہوں۔ کن لوگوں کی

برے وقت میں آکر نہیں پوچھا۔ بچی کے دل میں
زہر ہے تو اس باپ کے دل میں کتنا نہ ہوگا۔ سچ مائیں
حسین میں تو اتنی کے حالات سے ٹھک سی گئی
ہوں۔ کیسے اپنی بیٹی یا بیٹا عمارہ کے گھر کیا ہیں
گئے۔ کیسے ماہ ہوگا ہمارا ان سے۔“

”تمہارا ہی شوق تھا۔۔۔ پہلے بیٹی دینے کا پھر
لینے کا بھی شوق تھی تو چلا۔“
”معافی مانگتی ہوں میں تو بھی اپنی اس غلطی
کی۔ میں تو ہرگز بھی ایسا نہیں لوں گی۔ وہ جس کو کسی
کیسے ماہ پارہ رو رو کر بتا رہی تھیں کہ مقابلہ کیا اچھے
حادثہ کا خود آپ سے کیسے زبان چلاتی ہے وہ۔“

”اب ماہ پارہ آیا کو اتنا بھی مظالم نہ سمجھو
کچھ نہ کچھ تو ہو گا کوٹھان میں بھی۔“
”رہنے دیں آپ۔۔۔ آپ نے دو بیٹیاں بیاہ
رہی ہیں، آج تک کوئی غلط بات سننے کو نہیں ملی۔ کسی
بھی بیٹی کی سرال سے۔ عمارہ اور تنزیل نے پہلی تو یہ
بیٹی بیاہی اور عزت کے سمجھنے لگ گئے۔ مجھے تو یہ
کچھ نہیں آ رہا عمارہ نے بیٹی کو بٹھا کیوں رکھا ہے۔
اسے گھر کیوں نہیں بھیجتیں۔ بھلا بیٹیاں بیاہ کر
یوں گھروں میں بٹھا جاتی ہیں۔“

”بات کرتا ہوں میں عمارہ سے، پوچھتا ہوں کہ
کیا معاملات ہیں۔“

☆☆☆

”میں تو بھائی جان اس لیے چپ ہو کر گھر
میں بیٹھی تھی کہ کیسے کی کو تاؤں۔“
”ہم سب کی میں شامل نہیں ہیں عمارہ، بھائی جان
میں تمہارا۔“

”مگر مجھے یہ بھی تو دیکھنا پڑتا ہے کہ آپ کے گھر
میں اپنے دو بچے کیا بنے جا رہی ہوں۔ کوئی غلط بات
آپ تک نہ پہنچے کہ جس کی معلوم تھا کہ آپ کے
گھر سے ہی آگ لگنا شروع کر رہی کی۔“

”مجھے کچھ نہیں سننا اسی۔۔۔ بہت سن لیں میں
نے سب کی نصیحتیں۔۔۔ آپ نے زندگی پر بادی ہے
میری۔ شروع سے اب تک نہ تو پہلے بھی آپ نے
مجھے سپورٹ کیا تھا اور نہ ہی اب کر سکتی، میں یہاں
ایک پلی نہیں رکوں گی۔ آپ بتائیں مجھے لے کر چل
رہی ہیں یا میں۔۔۔ یہاں سے نکل جاؤں۔“ تنزیل
اور عمارہ جیسے اس کی ہٹ دھرمی اور ضد کو خوب اچھی
طرح سمجھتے ہوئے فی الحال تو اسے اپنے ساتھ لے کر
گھر آگئے تاکہ گھر جاکر اسے بریف کر سکیں، اسے
سمجھا سکیں کہ عمارہ کو یہ نہیں پتا تھا کہ ان کا یوں بیٹی کو
لے کر چلے آنا کتنا بھاری بڑے گام۔ ماہ پارہ ہر جگہ بیٹھ
کر نہ صرف اچھے کو بدنام کریں گی بلکہ عمارہ کی ناقص
ترتیب اور تنزیل کی بے راہ روی کے ترانے بھی گائی
پھر رہی کی۔

ماہ پارہ نے حسنین کے گھر جاکر اچھے کی ہٹ
دھرمی اور بدتمیزی کی داستانیں بڑھا چڑھا کر
سنائیں۔ ماہ پارہ کے چلے جانے کے بعد حسنین اور
خالہ حیران اور پریشان تھے۔

”میں تو یہ سوچ سوچ کر پریشان ہوں کہ بظاہر
تو عمارہ بہت سوچ بوجھ والی دماغ نظر آتی ہے۔ بیٹیوں کی
ترتیب کبھی کر سکتی ہے اس نے۔ میں عمارہ کی جگہ ہوتی
تو دوپٹہ مار کر اپنی بیٹی کے اور کتنی تم رو یا تو نہیں رہو
اور عمارہ اور تنزیل اسے ساتھ لے کر چلے آئے۔“

خالہ حسنین سے یوں۔

”میں بھی سوچ رہی ہوں کہ ایک کی دو بننا
سکتا ہے بنا ہوئی کیسے بنائی جاسکتی ہے۔ ماہ پارہ آپ کو
اگر چھوڑا کر وہ اچھے یا عمارہ پر تہمت گڑھ رہی ہیں تو
کسی حد تک یہ چھٹا پاؤں گا۔ سب کا سب تو جھوٹ
نہیں ہو سکتا۔“ حسنین پریشانی سے بولے۔

”آپ یہ دیکھیں اچھے کے دل میں کتنا زہر ہے
ہم لوگوں کی طرف سے۔ کہتی ہے ماموں ممانی نے

”ای مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن خانہ ان والے باتیں بنائیں گے۔ اتفاق بھائی ہے آپ کی۔ اس کی حمایت میں آپ کے بھگے بھگے گھر گرا جائیں گے۔ کوئی باقی الحق کے لیے ممکن برداشت نہیں کرے گا۔ مجھے ایک بار فون پر اتفاقی سے اجازت لے لینے دیں اگر وہ مجھے اجازت دے دیتی ہے تو میں دوسرے کھانچ کے لیے تیار ہوں۔“ حارث، ماہ پارہ کے آنسو صاف کر کے بولا۔

”اور اگر اس نے اجازت نہیں دی تو۔۔۔؟“

عاصمہ فوراً بولی۔

”تو اسے یہاں اسکا بستر پڑے گا۔ گھر بسائے اچانکہ اس طرح تو نہیں ہوتا کہ وہ میری زندگی بھی تباہ کر دے۔“

”تو تجربہ کیا کرو ابھی فون کرو اسے۔۔۔ جو بھی فیصلہ ہوگا آج ہی ہو جائے گا۔“ حارث نے فون لایا۔ اتفاقی نے فون پر غمزدہ دیکھا اور نفرت سے فون پرے کر دیا۔

”اتفاق فون اٹھیں نہیں کر رہی۔“ حارث نے ماں، بہن کو اطلاع دی۔

”ٹھیک ہے، وہ ایسا ہی جانتی ہے تو میں ایسا ہی کروں گی۔ میں تمہاری زندگی برباد نہیں ہونے دوں گی۔“ ماہ پارہ بولیں۔ عاصمہ اور ساجدہ ماں کے فیصلے پر خوش ہو گئیں۔

”میں آپ کو ایسا جگہ لے جاؤں گی حارث کے لیے کہ آپ حیران رہ جائیں گی۔“ عاصمہ جذباتی پن سے بولی۔ ماہ پارہ نے حارث کو لاڈ سے دیکھا حارث کے چہرے پر بھی مسکراہٹ تھی۔

☆☆☆

قاضی نے عینا کو عمار کے ساتھ ہوٹل میں کھانا کھاتے ہوئے دیکھا تو اسے بہت برا لگا لیکن وہ برداشت کر کے گھر آیا۔

اور یہاں لیں۔ اتفاق گھر میں بیٹھی ہے، بیٹھی رہے گی۔“ تو کیا کریں ای۔۔۔ اتفاق کو چھینٹ دیا۔

☆ ☆ ☆

”ارے میں کیوں لینے جاؤں اسے ماں نے مٹی تھی ماں ہی چھوڑ کر جائے۔ عینا کو بیانے والوں کے لیے چھین نہیں ہوتے۔ جس دن بیٹی کو لے کر گئی ہے نا عمارہ اسی دن مجھ سے فون کر کے پوچھ رہی ہے کہ حارث نے کیوں مارا اس کی بیٹی کو۔ لو بھلا جانا میں جواب دوں اس بات کا، حارث سے ہی پوچھ لیتیں وہ اس قدر زبان چلاتی ہے، متاؤ کون سا مرد برداشت کر سکتا ہے یہ سب کچھ۔“

”ٹھیک کر رہی ہیں آپا آپ۔۔۔ میں تو خود اس بوٹی کے خیر و بد دیکھ کر اپنے اوصان بھول گئی۔ صاف کہہ دیا ہے بیٹھنے تو حسین کو ہرگز رشید نہیں کروں گی میں عمارہ سے گھر میں۔“ ماہ پارہ دل ہی دل میں اپنی جیت پر اپنی کامیابی پر خوش تھیں۔

☆ ☆ ☆

”عمار وقت ضائع نہ کر دو ٹیلی کے حالات بگڑتے جا رہے ہیں۔ اس سے قبل کہ اتفاق کے حالات جاری زندگی پر اور زیادہ اثر انداز ہوں نہیں شادی کے لیے گھر والوں کو رضامند کر لینا چاہیے۔“

”کیسے کروں رضامند۔۔۔ ہممانی جانے لے لیا کو لینے سے صاف انکار کر دیا ہے۔ اسی اور ابو کی بات بہت بری لگ رہی ہے۔“

”تو تم اس انتظار میں ہو کر ای، ابو مجھے بھی دینے سے انکار کر دیں۔“ عینا غصے سے ہلکی عمار سے بے

تھا۔

”تم تھوڑا انتظار کرو عینا۔۔۔ وقت بہتر ہو جائے گا۔“

”ہاں بھی بہتر نہیں ہوگا۔ بھلا یہ بات کہنے کی کیا ضرورت تھی عمارہ پیچو کہ وہ حارث کو کہیں

کھاتے ہوئے دیکھا تو اسے بہت برا لگا لیکن وہ

گھر بسالو..... بہت لڑکیاں ہیں تمہارے لیے۔“

خراب ہو گئی۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ ہم انق کے بجائے

”بالکل بھی بہتر نہیں ہوگا..... بھلا یہ بات کہنے کی کیا ضرورت تھی عمارہ پچھو کو کہ وہ حادثہ کو کہیں

ای ٹیک

برسات میں ایک بڑے کچے
اک لڑکی خاموش کھڑی تھی
آنکھوں میں پیاس لیے
آسمان کو دیکھ رہی تھی

دیوانی ہے

میں نے سوچا

آج ہر ایک بڑے

نیچے برسات میں ایک

لڑکی خاموش کھڑی ہے کون ہے یہ

مگر میرے سوا کوئی نہیں ہے

مرسلہ: سیدہ شفیق عامر زیدی، کراچی

غزل

روز و شب معصوف رہنے کے سہارے تلاش کرتی ہوں
جو چھوڑ گئے مجھ سے اپنے وہ پیارے تلاش کرتی ہوں
خزاں کا پہرہ ہے میری دیران زندگی پر
ہر لمحہ ہنسی کی ہر خوشی بہا رہی تلاش کرتی ہوں
جو اٹھا سکے بوجھ میرے غم تنہائی کا تا عمر
میں ایسے مکانِ قلب کی پختہ دیواریں تلاش کرتی ہوں
جو کوسے روشِ میری صبح کو کسی روز
شبِ تاریک کے خباثتوں میں اپنے رخسے تلاش کرتی ہوں
کھوئی ہے مجھ سے مطلق حیات کی کتنی
جو پھنسا ہے مجھ کو منزل تک ایسے اشارے تلاش کرتی ہوں
سامع ملک پرویز، پشاور

دجر خوف

اسا اسیات کے استاد صاحب کی عادت تھی کہ جب
ان کا کڑک رہبرستان سے ہوتا وہ یہ آواز بلند کرتے
"اسلام علیکم یا اہل اقصیٰ، چند منٹے شاگردوں کو شرارت
کے لیے اور مجھ سات لڑکے ایک روز قبرستان میں قبروں
پر کھڑے تھے پیچھے چھپ کر بیٹھ گئے اور استاد صاحب
آئے آنے کا انتظار کرنے لگے کہ ان کے کمر کا راستہ ادھر
سے گزرتا تھا۔ جو بھی استاد صاحب قبرستان میں
مل ہوئے انہوں نے حسبِ عادت یہ آواز بلند اسلام
علیکم یا اہل اقصیٰ کہہ کر تمام لڑکوں سے یہ آواز بلند یک
ایک ان کو کہا۔
علیکم السلام یا اہل اقصیٰ
ان کا بھی نام تھا۔ استاد صاحب وہاں سے ایسا
کے کے پیچھے حرکت کر دیا۔
مرز فریدہ اختر دہراولپنڈی

ضرورت مند

ایک شوہر اپنی بیوی کا جنازہ لے کر جا رہا تھا،
جنازے کے ایک ایک کتا اور اس کے پیچھے بہت
سارے لوگوں کی لائن تھی۔ ایک اور آدمی نے دیکھا
تو اس سے پوچھا۔ "یہ جنازے کے آگے کتا کیوں
ہے؟"
شوہر بولا۔ "اس کتے نے میری بیوی کو کاٹا
ہے اور وہ مر گئی۔"
آدمی۔ "یہ کتا میریانی کر کے مجھے دے دو۔"
شوہر غصے سے۔ "تم کیا سمجھتے ہو یہ سب لوگ
جنازے کے لیے لائن بنا کر آ رہے ہیں بلکہ یہ سب
بھی کتے کے لیے آئے ہیں چلو تم بھی لائن میں لگ
جاؤ۔" مرسلہ: سیدہ رقیہ اسماعیل شاہ، بزمان

بحث کر رہی ہیں۔ یہ بات آپ بھی جانتی ہیں اور میں
بھی کہ عارضینا کو بچپن سے پسند کرتا ہے۔ دونوں میں
کتنی دوستی رہی ہے اور یہی دوستی ان کی محبت بن گئی۔
اب یہ محبت کسی مقدس رشتے میں بندھنے جا رہی ہے تو
آپ میری وجہ سے رکاوٹ کیوں پیدا کر رہی
ہیں۔ چند ہی دن تو رہی ہے میری مفتی فائز کے ساتھ
اور مجھے اس کا کوئی افسوس نہیں۔"

"مگر مجھے تو ہے نا۔۔۔ مفتی دھوم دھام سے کی
گئی، سب میں مضامین تقسیم ہوئیں اور ہر ایک دم
انکار کیا یہ بے عزتی نہیں ہماری۔ کان کھول کر سن لو
عمار تمہارے ابو اس شادی کے لیے قطارِ ماضی نہیں
ہوں گے۔"

☆☆☆

"دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا تم اس رشتے سے
انکار کر رہی۔ وہ بھی مجھ سے مشورہ کیے بغیر۔" تزیل کو

اپنی آنکھوں سے ان دونوں کو ہوش میں ڈنکر کرتے
ہوئے۔"

"کیا ہو گیا ہے تمہیں عینا تم نے دیکھا ہے کہ
قدر بے عزتی کی ہے اُفق نے ہم سم کی۔" خالدہ
نے حیرانی اور غصے سے عینا کو دیکھا۔

"ای میں کہہ چکی ہوں میں عمار سے ہی شادی
کر دوں گی۔"

"تم اُفق کو کیسے برداشت کر دو گی۔ نہایت بدتمیز
لڑکی ہے وہ زندگیِ حیران بنادے گی تمہاری۔"

"ای ایسا کچھ نہیں ہے۔ چاہئیں آپ کیا سمجھ
رہی ہیں اُفق کو۔ اور وہی عمار پیچھے کا لالڈا چھپتا
ہے، مگر میں سب سے زیادہ اہمیت اور حیثیت عمار
کی ہے۔ آپ بلاوجہ کی گریں مت پائیں۔"

"عینا اپنے ابو کو مشکل میں مت ڈالو سنا
سے وہ اس شادی کے بارے میں بات کر سکتے ہیں۔"

"تم ابھی عمار کے ساتھ مگھر رہی ہو جبکہ
حالات سارے ہی تمہارے سامنے ہیں۔ کہاں سرگئی
تمہاری شرم؟" فائز نے پوچھا۔

"اُفق جو کچھ کر رہی ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ
ہم لوگ اس کا نکاح ادا کریں، میں ای ایسے کہہ چکی
ہوں میں شادی کروں گی تو صرف عمار سے ورنہ کسی
سے بھی نہیں اور عمار سے میں بھی پوچھتا چاہتی تھی کہ
وہ کیا چاہتا ہے۔"

"تم اُفق بڑی ہو گئی ہو کہ اپنے فیصلے خود کرو۔ کیا
بہم کر رہے ہیں ای ایو کریں گے یہ فیصلہ۔"
"کیوں جھگڑا کر رہے ہو تم لوگ؟" خالدہ نے
فائز اور عینا کو آپس میں الجھتا دیکھ کر پریشانی سے
پوچھا۔

"پچھیں اپنی لاڈلی سے اس قدر بے عزتی کی
ہے اُفق نے آپ لوگوں کی اس کے باوجود یہ عمار سے
چھپ چھپ کر ملنے جاتی ہے۔ خود دیکھا ہے میں نے

جب عمارہ بیگم کے خیالات کا پتا چلا تو وہ بکڑ کر بولے۔
 ”ہاں، میں اس رشتے سے انکار کروں گی۔۔۔۔۔
 حسنین بھائی نے اپنی حیثیت کا قائدہ اٹھاتے ہوئے
 ہمیں ذلیل کیا ہے ناں۔۔۔۔۔ اب میں جواب دوں گی
 انہیں۔۔۔“

”عقل سے کام لو عمارہ بیگم۔۔۔۔۔ تمہاری بیعتی
 سونے کی چڑیا ہے، یہ کتنی بڑی خوش قسمتی کی بات ہے
 کہ حسنین اور خالدہ یہ رشتہ لے کر خود آئے تھے
 ہمارے گھر۔ عمارہ پسند کرتا ہے عینا کو تو ظاہر ہے عینا بھی
 عمار کو پسند کرتی ہوگی۔ کیوں بچی بیکائی ہانڈی کو بد مزہ
 اور کرکرا کر رہی ہو۔ عمارہ حسنین کی بیٹی سے ہی بیاہا
 جائے گا۔ کیا ہوا ہماری ایسیا وہاں نہیں جا سکی اور پھر
 ابھی ایسیا کی عمر بھی کیا ہے۔ بہت اچھے اچھے رشتے
 آجائیں گے اس کے۔ تم اس رشتے کو ہاتھ سے مت
 نکلنے دو اور۔۔۔۔۔ ایسیا کی فکر بھی مت کرو۔ خالدہ اور حسنین
 سے اپنی بیٹی کا بدلہ لینا چاہتی ہو ناں تم۔۔۔۔۔ بے فکر
 رہو، وہ شادی کے بعد بہ آسانی لے سکتی ہو۔“ عمارہ
 بیگم کو تنزیل کی بات سمجھ میں آگئی۔

”تنزیل کا لالچ اپنی جگہ لیکن میں یہ بات نظر
 انداز بھی تو نہیں کر سکتی کہ عمار میرے گھر کا واحد کفیل
 ہے۔ میں اس کی محبت چھیننے کی کوشش کروں گی تو وہ
 بد دل اور بدظن ہو جائے گا مجھ سے۔ انکار دوں پر چل کر
 ہی مجھے عینا کو بیاہ کر لانا ہوگا۔“ عمارہ بیگم نے دل میں
 سوچا۔

☆☆☆

”ہم لوگ تو شادی کی تاریخ لینے آئے ہیں
 بھائی جان۔۔۔۔۔“ حسنین اور خالدہ جیسے پیشیان اور
 شرمندہ تھے۔

”دیکھیں حسنین بھائی جوڑے تو آسانوں پر
 بنتے ہیں۔ ہمیں کوئی دکھ نہیں اس بات کا کہ ہماری بچی
 اس گھر میں نہیں آ رہی۔ اللہ جو کرتا ہے بہتر ہی کرتا

ہے۔ کیا معلوم یہ فیصلہ ہی ہم لوگوں کے لیے زیادہ
 بہتر ہو تو بجائے اس فیصلے پر پچھتاتے کے اس فیصلے کو
 پار لگائیں۔“ تنزیل نے ان کی حالت سمجھتے ہوئے
 کہا۔

”بعض اوقات بہت زیادہ جلد بازی ہمیں
 بہت بڑی سزا دیتی ہے۔ ایسیا اور فائزہ دونوں ہی بڑھ
 رہے ہیں۔ بڑا وقت ہے دونوں کی شادی میں لیکن
 بس خالدہ کو جلدی تھی رشتہ دینے کی۔۔۔۔۔ اور پھر واپس
 کر دینے کی بھی اسی کو جلدی تھی۔“ حسنین نے بڑے
 ٹھوس انداز میں سنبھل کر کہا۔

”اب سارا معاملہ آپ مجھی پر ڈال دیں۔“
 خالدہ نے برا سامنہ بنایا۔ تنزیل ہنسنے لگے جبکہ عمارہ کو
 ایسیا کا ذکر بھی یہاں بہت برا لگ رہا تھا۔

”بجائے اس کے کہ ہم اس بات پر جھگڑا کریں
 کیوں نہ شادی کے بارے میں بات چیت کر لی
 جائے۔“ تنزیل بولے۔

”کیوں نہیں تنزیل بھائی، ہم اپنے گھر میں
 مشورہ کر لیں پھر آپ کو بتا دیتے ہیں۔“

”اتنی ابھی ادھر ہی ہے یا کوئی لینے آیا
 اسے۔“ خالدہ کو یکدم اتنی کا خیال آیا تو پوچھا۔ عمارہ
 بیگم کو خالدہ کا سوال گراں گزرا اور وہ چاہ کر بھی اپنی
 کڑواہٹ دبائیں پائیں۔

”بھابی آپ اتنی کی فکر نہ کریں، اس کی زندگی تو
 اسی طرح گزری ہے اور گزر جائے گی۔“

”میرا مطلب یہ تو نہیں تھا عمارہ۔۔۔۔۔ ماہ پارہ
 آیا کو سوچنا چاہیے گھر کی بچی ہے۔ ایسی بدسلوکی کرتی
 وہ اچھی نہیں لگ رہیں۔“

”بھئی میں نے تو بہت سمجھایا آپا کو لیکن وہ کہتی
 ہیں میں اپنے بیٹے کی زندگی برباد نہیں کر سکتی۔“
 حسنین نے دونوں کے درمیان مداخلت کی۔

”سنائے لڑکی دیکھتی پھر ہی ہیں آپا حارث کے

”خالدہ بولیں۔

خدارا © خدارا شوگر مریض ذرا عقلمندی سے کام لیں

کیونکہ ساری زندگی عارضی وقتی گولیاں ہی کھاتے رہتا آخر کہاں کی عقلمندی ہے؟ آج کل تو ہر انسان صرف شوگر کی وجہ سے بے حد پریشان ہے۔ شوگر موذی مرض انسان کو اندر ہی اندر سے کھوکھلا، بے جان اور ناکارہ بنا کر اعصابی طور پر کمزور کر دیتی ہے۔ حتیٰ کہ شوگر کی مرض تو انسانی زندگی ضائع کر دیتی ہے۔ شفاء منجانب اللہ پر ایمان رکھیں۔ ہم نے جذبہ خدمت انسانیت سے سرشار ہو کر ایک طویل مہرہ ریورج، تحقیق کے بعد دیکھی طبی یونانی قدرتی جڑی بوٹیوں سے ایک ایسا خاص قسم کا ہرمل شوگر نجات کورس ایجاد کر لیا ہے۔ جسکے استعمال سے آپ شوگر سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر آپ شوگر کی مرض سے پریشان ہیں اور نجات چاہتے ہیں تو خدارا آج ہی گھر بیٹھے فون کر کے بذریعہ ڈاک VP وی پی شوگر نجات کورس منگوائیں۔ اور ہماری چٹائی کو آزمائیں۔

المسلم دار الحکمت (رجسٹرڈ)

(دیکھی طبی یونانی دوا خانہ)

ضلع و شہر حافظ آباد پاکستان

0300-6526061
0308-6627979
0547-521787

آپ ہمیں صرف فون کریں

شوگر کورس آپ تک ہم پہنچائیں گے

”تذیل ہمیں چلنا چاہیے وقت کافی ہو گیا ہے اور ہاں بھائی جان ماہ پارہ آپا سے کہہ دیجیے گا وہ اپنے بچے کا بیاہ کر دیں۔ جہاں بیاہنا چاہتی ہیں۔ میں بھی تو بچوں کو ن بچی دے گا حارث کو۔ دنیا اندھی نہیں ہے۔ سگی بھانجی کو بچوں گھر میں بٹھا کر وہ اپنے بیٹے کو بیاہ لیتی ہیں تو بیاہ کر دکھائیں۔“ عمارہ کو خالدہ اور حسنین کا اس طرح اس موضوع کو کریدنا سخت ناگوار لگ رہا تھا بالآخر وہ بول ہی اٹھیں۔

”مگر ماہ پارہ آپا اور حارث لینے کے لیے آئے تھے اتنی کو۔“

”لینے کے لیے آئے تھے وہ لوگ یا میری بیٹی کا لاشا لگانے آئے تھے۔ صرف یہی تو خواہش کی تھی ہاں اس نے کہہ وہ آگے پڑھنا چاہتی ہے۔ اس بات کو رنگ وے دیا انہوں نے کہ اتنی بچے پیدا کرنا نہیں چاہتی۔ حارث سے ازدواجی تعلق بنانا نہیں چاہتی۔ حالانکہ آپا ہی یہ سنہرے سنے دکھا کر گئی تھیں میری بیٹی کو۔ اور وہاں لے جا کر اتنا ذلیل اور رسوا کیا اسے۔۔۔۔۔ اس کی خواہش پر، تماشا بنا کر رکھ دیا۔ کوئی بات نہیں۔۔۔۔۔ بیٹیاں سب کی ہیں۔ آپا کی بھی ڈوٹ لیاں ہیں، جو کچھ آپا نے میری بیٹی کے ساتھ کیا ہے آپا کے اپنے ہی آگے آئے گا۔“ عمارہ دکھ اور افسوس سے بولیں۔

”سنجاولو خود کو عمارہ، یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے۔“ تذیل نے بیوی کو سمجھایا اور وہ دونوں واپس اپنے گھر چلے گئے۔ دونوں کے جانے کے بعد بھی اس پر تناؤ چھایا ہوا تھا بھی خالدہ نے حسنین سے کہا۔

”عمارہ کا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔ بیٹی کی ماحول کر رہی ہے۔ اس بیٹی کی جس نے کبھی وقت پر لڑکھائی کو چائے کا ایک کپ تک بنا کر نہیں دیا۔ آج

عمارہ اس کے لیے آئے ہو رہی ہے۔ اوپر..... میں تو
عمارہ سے صاف صاف کہہ دوں گی۔ میاں اپنی رہائش
ڈراپا چلی جائے گی۔ وہیں سے الگ ہی رکھنا۔ اوپر کا پورشن
تمہارا فارغ ہی پڑا ہے۔ وہیں سیٹ کر لینا جھیر کا
سامان وغیرہ۔ عین ان توغلی عورتوں کے بیچ میں نہیں رہ
سکے گی۔“

عبان کے خیالات جان کر مچسکوں اور مطمئن
ہی ہوئی۔

”یہ سناؤ افق کا کیا حال ہے۔ حارث کی شادی
ابھی کا تو ضرور لگا ہو گا اسے۔“

ابھی دکھ اور افسوس تھا حارث کی شادی پر لیکن اس کا اظہار کر کے بچا نہیں ہونا چاہتی تھی لہذا اسی ہٹ دھرمی سے کہتی رہی۔

عادی تھی اور وہ بارہ اور ان کی بیٹیاں عروہ کے اعزاز
تک پر ہی سر میٹیں تھیں۔ بولتی تھی تو گویا بے عمل چہرے
تھے۔ عروہ اپنے اعزاز تک میں بولی۔
”اچھے بھائی آئی آپ کو تو معلوم ہی ہے مجھے تو
گھر میں اٹھ کر پانی بھی پینے کی عادت نہیں تھی اس
لیے بابا اور ماما نے فیصلہ کیا ہے کہ سہلی میرے ساتھ
رہے گی، میری خدمت کے لیے۔“
”مگر عروہ یہ کام تو مارے شہزادہ کرجاتی
ہے تمہیں اور بھی کسی کام کی ضرورت ہوا کرے تو
شہزادے کہہ دیا کرو۔“
”آئی مجھے تو کام کینے کی بھی عادت نہیں
ہے۔ سہلی کو خور و شر سے معلوم ہے مجھے کب اور کس
وقت کس چیز کی ضرورت ہوتی ہے آپ ٹیشن نہ لیں
سہلی کو سہلی پر بابا اور ماما ہی دیں گے۔ میری ملازمہ
حارث کی سہری پر بوجھ نہیں بنے گی۔“ عروہ نے

کیوں اس کی پشت پناہی کر رہی ہیں اتنا کچھ ہوجانے
کے باوجود۔
”کیا کریں ائی۔۔۔۔۔ اور کبھی کیا سکتی ہیں۔
زیادہ اسے کچھ نہیں کے تو کھانا چنا چھوڑ دے گی۔
کمرے سے باہر نکلتا چھوڑ دے گی۔ اس لیے بہتر
ہے ہم یہی سمجھیں کہ اتنی کی شادی ہوئی ہی نہیں تھی۔
جیسے وہ پہلے ہی دے دی وہ اب ہے۔“ ایسا بے بسی
سے بولی۔
”لیکن اب ایسا نہیں ہے۔ اتنی کی سوچ بدلے
یانہ بدلے اب کمرے کے حالات اور افراد بھی بدل گئے
ہیں۔ یہ بات اتنی کو سوچنا پڑے گی۔ اب وہ پہلے کی
طرح نہیں پڑی رہ سکتی ایک کمرے میں۔“ عمار نے
کہا۔
”تمہارے خیال میں وہ مگرے کام کاج میں
حصہ لے گی۔ یہ نامکن ہے اتنی الحال اسے اس کے
حال پر چھوڑ دو۔“ ایسا اچھ کر بولی۔

کہا۔ ”میں اپنے کمرے میں رہتی ہوں۔ کسی کے
معاملات میں مداخلت کرنے نہیں جاتی تو کسی کو کیا
ضرورت ہے میرے کمرے سے کان لگا کر باتیں سننے
کی۔۔۔۔۔ اب کیا میں بولنا بھی چھوڑ دوں۔“
”ہاں تو تمہیں روکا کس نے ہے۔ بولو۔۔۔۔۔ جی
بھر کے بولو لیکن عینا کا نام لینے کی کوئی ضرورت نہیں
تمہیں۔ تم اپنا گھر تو باتیں نہیں دوسروں کا گھر
تو مت خراب کرو۔“ اتنی خوش دھچکا لہجہ لہرائی سے
اس کی طرف دیکھا۔ عمار کہہ کر کمرے سے باہر چلا
گیا۔
”چند ہی دن میں بدل گیا ہے عمار۔۔۔۔۔ بیوی
کے سامنے اسے کچھ دکھائی نہیں دیتا لیکن تم مگر تمہارے
میں سب سنبھال لوں گی۔ تم خود کو سنبھالو۔“ عمارہ بیگم
دکھ اور صدمہ سے بولیں۔

☆☆☆

”کی ضرورت تھی تمہیں اتنی کے ساتھ اس
طرح بولنے کی۔ وہ کہنا سنا نہیں دیکھنے یا تمہارے
معاملات میں بولنے آ رہی ہے۔“
”تم نہیں جانتیں ایسا، اتنی کی بہت دھڑی اور
خند ہمارے پورے گھر کے لیے تھی نقصان دہ ثابت
ہو رہی ہے۔ میں ایسا نہیں تھا تو اتنی میں ایسا نہیں تھا
لیکن مجھ میں جو بدلاؤ آیا ہے وہ اتنی کے معاملات کی
وجہ سے آیا ہے۔ کتنی بد نصیبی کی بات ہے یہ ہمارے
لے کے حارث نے دوسری شادی کر لی۔ اتنی یہاں
بچی ہے اور کچھ نہیں کر سکتے ہم حارث کا ماں سے شادی
کرنے سے روک نہیں سکتے صرف اس وجہ سے اتنی کی
خند کی وجہ سے۔ آج ہم نے جو بے عزتی برداشت کی
ہے۔۔۔۔۔ اتنی کی وجہ سے جاتی ہو لوگ کتنی باتیں
بنارہ ہیں۔ اے کے متعلق ابو کے متعلق۔۔۔۔۔ اور اتنی
کو کچھ احساس ہی نہیں۔ بیٹھے تو یہ حیرت ہو رہی ہے
اب اے کو اس سے ہمدردی کیوں ہو رہی ہے۔ اے

☆☆☆

کتاب گزشتہ سال کی سب سے زیادہ بیک ہوئی

سرگزشت

لارزیدہ یورپ

کھانی محبت کی

کتاب گزشتہ سال کی سب سے زیادہ بیک ہوئی

”اس میں ہمدردی کی کون سی بات ہے
افتی، اصول کی بات ہے تم بھی گھر کی فرد ہو۔ تمہاری
بھی ضرورت ہیں۔ اگر دو کپڑے تمہارے لیے بھی
لے آتا تو کون سی مصیبت آ جاتی۔“

”افتی اس میں سے جو لینا چاہتی ہے لے
لے۔“ عمار کو ماں کی بات بہت بُری لگی لیکن وہ عینا
کے سامنے کوئی تماشیاں کرنا چاہتا اس لیے بولا۔

”مجھے نہیں لینے جاؤ تم یہ سب یہاں سے۔۔۔۔۔
اور آئندہ ہیزک سے کچھ تمہیں اس وقت آخرت کرنا
جب تم اپنی بیوی لے لے گا۔ لاؤ۔ اکی، ابو کے کہنے
سے تم نہیں کیونکہ نہ تمہیں خود پر ترس کھانا پسند ہے
اور نہ میں کسی کی چیزوں پر نظر رکھتی ہوں جس کی وجہ
سے تمہیں صدمے میں مجھے کچھ دینا پڑے۔“ افتی
عمار کی اس پیش کش پر چڑ کر بولی۔

”کتنی نیکیلو سوچ ہے تمہاری افتی، اس میں
صدے والی کوئی بات ہے تم بھائی کی محبت کو اس
نظر سے دیکھتی ہو۔“ عینا، افتی کی سوچ پر قدورے
حیران ہو کر بے ساختہ بولی۔ عمار کو عینا کا یوں
مداخلت کرنا کھانا نہیں لگا۔

”عینا تم مجھ میں نہ ہی بولو تو بہتر ہے۔ یہ ان بہن
بھائیوں کا معاملہ ہے۔“

”لیکن چھو پو، آپ افتی کی سوچ تو دیکھیں۔ کتنا
دیکھ ہوا ہوگا عمار کا افتی کی اس بات سے۔“

”بڑی ہمدردی ہے تمہیں اپنے شوہر سے،
ساتھ رہ رہی ہو اس کا۔“ افتی غصے سے بولی تو عینا
سے برداشت نہیں ہوا۔

”ظاہر ہے شادی ہوئی ہے ان سے میری، میں
ساتھ نہیں دول کی تو اوروں کو دے گا۔“

”عینا تم اندر کے میں جاؤ۔“ عمار نے عینا کو
رودا۔

”جاری ہوں، آپ کو پریشان ہونے کی

ضرورت نہیں اور ہیلز پر چیزیں اب میرے کمرے
میں مت لائے گا۔“ عینا ہیزک کر بولی اور اب
کمرے میں چلی گئی۔

”دیکھ لیا آپ نے۔۔۔۔۔ یہی تمہارا تھا میں نے
دن سے آپ کو گھر آپ کی کچھ میں تو سمجھ نہیں آتا
تھا۔ دینا جہاں کی مظلوم تو افتی ہے۔“ باقی ہم سر
خالم ہیں۔ جو کچھ میں افتی کے ساتھ ہوا ہے گویا ہمارا
وجہ سے ہوا ہے، ہاں۔۔۔۔۔“ عمار اُس سے بولا۔

”کیوں بند کر عمار اپنی۔۔۔۔۔ کس طرح بات
کر رہے ہو تم ہاں سے۔ چار دن میں ہی تمہارے ترس
بدل گئے۔ بیوی اتنی پیاری ہو گئی تمہیں کہ تم گھر کے
مسائل ہی سے دستبردار ہو بیٹھے۔“ منزل غصے سے
کہتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔

”کمرے کے نہیں اس کے مسائل سے دستبردار
ہونا چاہتا ہوں تمہیں کچھ میں ہے ہم بھی افتی کے
مسئلوں سے۔“ عمار غصے سے کہتا ہوا اپنے کمرے
میں چلا گیا۔ عمارہ بیگم کے چہرے پر غصہ اور بے بسی
تھی۔ افتی کے چہرے پر حیرت اور غم تھا۔ افتی سر
کے درمیان سے اٹھ کر اندر چلی گئی۔ منزل اور عمار
پریشان اور بے بس ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔

☆☆☆

ماہ پارہ کی بیٹیاں آئیں تو انہوں نے عربہ کے
بارے میں بیٹیوں کو بتایا اور دبے دبے انداز میں
عربہ کی برائیاں اور شکایت کی۔

”دیکھیں اسی عربہ پر بھائی بڑے گھر کی بیٹی ہے
امیر والدین کی اگلی اولاد ہے نہ وہ آپ کی بیٹی
برداشت کرے گی اور نہ ہی لطفے۔۔۔۔۔ بہتر ہے آپ
روایتی ساس کا کردار ادا نہ ہی کریں۔“ عاصمہ ماں
سے بولی۔

”کیا کیوں کر رہی ہو عاصمہ۔۔۔۔۔ میں روایتی
ساس کا کردار ادا کر رہی ہوں۔ ارے مجھے تماشیاں

دیتی ہوں میں اس سے۔۔۔۔۔ کپڑے استری کر کے دیتی
اوں اس کے۔ جاتی ہو روایتی ساس ہوتی کیا ہے۔“
”جاتی ہوں ای اچھی طرح سے جاتی ہوں۔
بس یہی کہنا چاہتے ہیں ہم لوگ آپ سے کہ افتی کو تو
آپ نے تھریک مار لیا تھا۔ کچھ بھی بتائی تھی آپ کی۔۔۔۔۔
گھر اس کے بارے میں ایسا تم سوچتے گا۔“

”وہ تو بد زبانی کرتی تھی اس لیے میرا اس پر
ہاتھ اٹھا گیا تھا لیکن یہ تو اندر ہی اندر میرے لیے کئے
کاٹ رہی ہے مجھ سے۔ حارث اتنا بدل گیا ہے اب
بیٹھتا کھنکھن میرے پاس۔۔۔۔۔ آفس سے آئے ہی
سیدھا کمرے میں۔۔۔۔۔ اور اس تخرم کے پاس تو وقت
ہی نہیں میرے پاس بیٹھنے کا۔ افتی کے کم بد زبانی
لیکن صاف تھی۔ جیسی اندر سے دیکھی جا رہی ہے
لیکن وہ تو بیٹھی بھڑکی ہے۔“

”ایسا ہی ہوتا ہے ای۔۔۔۔۔ ہر گزرجانے والی
چیز کی انسان کو بعد میں ہی قدر آتی ہے لیکن ہماری
بدقسمتی یہ ہے کہ آپ کو اس پتھر کی یاد آ رہی ہے جو
احساس اور محبت سے خالی تھا۔“

”چنانچہ میں ان چھوٹے لوگوں کا مسئلہ کیا ہے۔
میاں بیوی کو ساتھ وقت کر اترنا دیکھ ہی نہیں سکتے۔ اتنی
حسد اور ملن ہوتی ہے ان لوگوں میں۔“ عربہ
دروازے سے کان لگا کر کہتی۔۔۔۔۔ ساری باتیں
سن رہی تھی۔ وہ بیوی دل میں غصے اور ملن سے سوچا۔

☆☆☆

”افتی معمولی سی بات پر عمار گھر چھوڑ کر
چلا گیا۔۔۔۔۔ اتنی سی بات پر۔۔۔۔۔“ عمارہ بے بسی سے
رو رہی تھیں۔

”ای۔۔۔۔۔ عمار برداشت نہیں کرے گا کچھ بھی۔
اس نے ڈوبتے ہوئے ٹائٹیک کو چھو لیا ہے۔
احسانات کے ہیں ہم۔۔۔۔۔ دینا بیٹے آپ کا، یہ
بات آپ اچھی طرح سمجھ سکتی ہیں۔ واقعی حالات پہلے

بھی نہیں ہیں۔ افتی کو چاہیے بدلے خود کو۔ آپ افتی کو
اس کے حال پر چھوڑ کر اکیلا اور غلطی کر رہی ہیں۔ عمار
گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ عینا ماں باپ کے گھر جا کر
بیٹھ گئی ہے۔ کتنا برا اثر پڑے گا ہمارے گھر کا ماموں
بھائی پر جب آپ کا بیٹا بھی وہیں جا کر بیٹھ جائے
گا۔“ لیلیاں سے بولی۔

”آخر بات ہوئی ہی کیا تھی جو ان لوگوں نے
اتنا بڑا اٹھو بنالیا۔ افتی اور عمار کا معاملہ تھا عینا کو
درمیان میں بولنے کی کیا ضرورت تھی۔“ عمارہ چڑ کر
بولیں۔ ”افتی معمولی باتیں تو گھروں میں ہو رہی جاتی
ہیں لیکن عینا نے جان بوجھ کر بات کو بڑھا دیا ہے تاکہ
اسے ماں باپ کے گھر جا کر بیٹھنے کا موقع ملے اور وہ
کھل کر ہماری مخالفت کرے اور عمار کو لے کر علیحدہ
ہو جائے۔ یہی منصوبہ تھا اس کا اور وہ بڑی آسانی سے
اپنے منصوبے میں کامیاب ہو گئی۔“ عمارہ بدگمانی اور
دکھ سے روئے ہوئے بولیں۔

افتی اپنے کمرے میں کڑی سب کچھ سن رہی
تھی۔ اسے ان سارے حالات کا دیکھ بھی تھا اور غصہ
تھی آ رہا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ ابھی عمار سامنے
آجائے اور وہ اسے کھری کھری سناے۔۔۔۔۔ لیکن
ایہاں تک کیا کہا ہے کہ سارے حالات میری وجہ سے
ہی ہیں۔“ اس نے غم دھسے سے سوچا۔ ”چاہے میں
مداخلت کروں یا نہ کروں، میں بایوں یا نہ بایوں۔۔۔۔۔
تمام حالات کی میں ہی ذمے دار ہوں اس لیے کہ میں
اس گھر میں پڑی ہوں۔ کون سا کھانا ہے میرا جہاں
میں چلی جاؤں۔“ اس نے غصے اور نفرت سے سوچا
اور پھر چڑی اٹھا اٹھا کر پیچھے لگی۔ شور شراب کی آواز
پر عمارہ اور لیلیاں تیزی سے۔۔۔۔۔ افتی کے کمرے میں
آئیں تو غصے سے چلنے لگی۔

”کہاں جاؤں میں۔۔۔۔۔ کون سا کھانا ہے
میرا۔ کیوں میری زندگی اجیرن کر دی ہے تم سب نے“

☆☆☆

ابھی صبح ڈھنگ سے بھی نہیں ہوئی تھی کہ اتفاق کا جینز ٹرک میں لوڈ ہو کر آگیا۔ عمارہ اور تنزیل ماہ پارہ کی اس پیش قدمی پر اور بھی ٹوٹ گئے۔ تنزیل نے سارا سامان ٹرک سے اتار دیا تو ڈرائیور نے کچھ چیزیں ہاتھ میں دیں۔ وہ اتفاق کے زیورات تھے جو عمارہ نے چڑھاائے تھے۔

”صاحب سامان چیک کر کے آپ اس پرچی پر دستخط کر دیں تاکہ ہم مالکان کو ہاتھ دیاں کر سامان مکمل پہنچ گیا ہے۔“ ڈرائیور بولا۔ تنزیل صدمے کی حالت میں تھے۔ اتفاق کمرے سے نکل کر آئی اور زیورات کھول کر دیکھے، چار چوڑیاں اور ایک ٹیگلز سیٹ ہتھ اور ٹراکسب کچھ موجود تھا۔ اتفاق نے ڈرائیور سے پرچی لی اور سامان کر دیے۔ عمارہ اور تنزیل نے حیرانی سے اتفاق کو دیکھا۔ وہ بالکل بھی شاک نہ تھی جیسے وہ اس عمل کے لیے پہلے سے ہی تیار تھی۔

”یہ سامان میں نے خود فون کر کے منگوایا ہے۔“ ڈرائیور کے جانے کے بعد اتفاق بولی۔

”اور کتنی کا لگاؤ کی تم ہمارے منہ پر.....“ عمارہ جیکم نے جذباتی پن سے اتفاق کے منہ پر تھپہڑ مار دیا۔

”جینز کا سارا سامان میرا ہے، اس پر حق بھی میرا ہے۔ کسی کی ملکیت نہیں ہے یہ کوہاں بڑا ہوتا۔“

جب میں یہاں ہوں تو میرا سامان بھی نہیں ہوتا چاہیے۔“ اتفاق ہٹ دھرمی سے بولی۔

”کیا کرکے تم اس سامان کا عزت تو جہاں مئی اس سامان کا تم کیا تاج محل بناؤ گی؟“

”مجھے معلوم ہے کتنی مشکل سے آپ نے میرے لیے جینز بنایا تھا۔ اس سارے سامان کو منگوا کر رکھ دیجئے ایسا کے کام آئے گا۔ علاوہ اس زیور کے..... لیکن کمرٹ کیجئے گا میں یہ زیور جلد لو دوں گی آپ لوگوں کو۔“ اتفاق یہ کہتے ہوئے زیورات اپنے کمرے میں لے گئی۔ عمارہ اور تنزیل نے حیرانی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

☆☆☆

”ماہ پارہ آپا کا فون تھا۔ ہماری تھیں اتفاق نے خود فون کر کے اپنا جینز اور منگوایا ہے ان لوگوں سے۔ تو بہ تو بہ..... مجھی اتنی بہت دھرم اور بد تمیز لڑکی میں نے۔ دیکھی نہی..... مجھے تو یقین نہیں آتا حسین کہ وہ آپ کی بھانجی ہو سکتی ہے۔“ خالدہ نے حسین اور عینا کو بتایا۔

”پورے خاندان کا نام ڈبویا ہے اس لڑکی نے ٹھیک کیا تھا تم یہاں آگئیں نہ جانے وہاں اور کیا کچھ ہونے والا ہے۔ ہمارا کچھ بچہ چلا وہاں گھر چلا گیا اپنے دوست کے ہاں ہی ٹھہرا ہوا ہے۔“ حسین رنج اور انھوں سے بولے۔

”ابو عمار اپنے گھر چلے گئے ہیں..... بھوپتی طبیعت خراب ہو گئی تھی اس لیے آپ تو جانتے ہیں عمار اپنی اسی سے کتنی محبت کرتے ہیں۔“

”تو پھر تم اب واپس اپنے سرسرا جاؤ گی؟“

”پانچ تھم ابو..... عمار جیسا کہیں کے..... فی الحال تو میں نہیں ہوں۔“ خالدہ اور حسین چپ ہو گئے۔

☆☆☆

عروہ کے ماں نے کسی خبر جیسے ہی ماہ پارہ سے سنی تو سب کچھ بھول بھال گئیں۔ حادثہ بھی اس خبر پر بہت خوش تھا۔ عروہ کو اور بھی چاہت سے نواز رہا تھا۔ حادثہ باپ بننے کی خوشی میں شیر بھول گیا تھا کہ وہ بھی کسی کا بیٹا ہے۔ ہر وقت عروہ کی ناز برداریاں اور اس کی ضرورتوں کا خیال حادثہ کو یکسر ماں سے دور کر رہا تھا۔ کچھ عروہ میں بھی ایسا ہوشیاری اور چالاکی تھی کہ وہ حادثہ کو ماہ پارہ سے روز بروز بدلتی کر رہی تھی۔ دیئے عروہ، ماہ پارہ سے کبھی اکثر نہیں بولتی تھی، کبھی بدتمیزی نہیں کرتی تھی لیکن ماہ پارہ کو عروہ پر برتری اور حاکمیت بھی حاصل نہیں تھی بلکہ بعض اوقات تو ماہ پارہ کو عروہ کے سامنے اپنا آپ تغیر اور کمزور سا لگتا۔ دن ایسے ہی گزر رہے تھے۔

اتفاق نے زیورات بیچ کر پیورٹی میں ایڈیشن لے لیا تھا۔ اصر حادثہ کے بیٹا ہوا تو عروہ نے علیحدگی کا مطالبہ کر دیا۔ عینا واپس آگئی لیکن عمارہ کے دل کی خلش کو مٹانے کی عمارہ نے عینا کے ساتھ آنے روز کے بھگتوں پر بڑھتے چلے گئے۔ عینا کا رویہ گھر میں بھی سے خراب رہنے لگا۔ یہ کھینچتا تھی اتنی بڑھی گھر، عمارہ، عروہ کو لے کر بیٹھ رہنے پر مجبور ہو گیا۔ اصر حادثہ اور حسین نے عمارہ اور تنزیل سے محاذ آرائی شروع کر دی۔ عینا اور عمارہ کے علیحدہ گھر جانے تک یہ محاذ آرائی نہ رکی۔ جس کی وجہ سے عمارہ اور حسین کے درمیان دوری بڑھتے بڑھتے نفرت کی حدوں کو کھنچ گئی۔

ماہ پارہ بھی چاہتی تھیں جب ان کی یہ چاہت پوری ہوئی تو ان کے پاس کھینچنے کے لیے کوئی بھی بازاری نہیں تھی۔ خالدہ، ماہ پارہ کو عینا کے حلقے تیار ہی تھیں اور انھیں ذرا بھی دیکھتی نہیں تھی۔ وہ یہ سوچ رہی تھیں کہ آج منان کے گھر میں کبسا انقلاب آیا۔

”ای آپ کیوں عروہ کے پیچھے پڑ گئی ہیں۔ عروہ آپ کی اتنی عزت کرتی ہے اور آپ اس پر ہر وقت تنقید کرتی رہتی ہیں۔ عروہ شہرام میں بڑی رشتی ہے تو کیا وہاں اگر آپ کے گھر کے دوسرے کام دیکھ لیں گی تو..... اور وہ بھی کچھ نہیں دودھ دولا نا میں ہیں۔ صرف ان پر عمر گمانی ہی تو کرتا ہوں ہے۔ آپ کیوں کہتی ہیں باپ بار عروہ پر وقت اپنے کمرے میں ہی رہتی ہے۔“ حادثہ نے آکر ماں سے کہا۔

”کیا ہوا ماہ پارہ..... آپ کچھ بول نہیں رہیں۔“ ماہ پارہ نے چونک کر خالدہ کو دیکھا جیسے خود کو سنبھالا۔

”نہیں..... نہیں میں سن رہی ہوں۔ یہ بتا عینا کے کئی ہاں بچے ہوا نہیں۔“

”ابھی تک تو کچھ نہیں ہوا۔ علاج کر رہی ہوں میں اس کا۔ عمار بہت ڈسٹرب رہتا ہے۔“ خالدہ کمرے میں لے تو آیا ہے وہ دینا کو..... لیکن اس کا الٹی ماں کے قدموں میں ہی پڑا رہتا ہے۔ ماہ اور حسین کو یہ سوچ رہے ہیں عمارہ اور اس کا بیٹا ٹاپا میں کبھی آئیں گے جب ہم لہجہ کو بیاہ کر اپنے گھر لے آئیں گے۔“ خالدہ براسمانہ بنا کر بولی۔

”خالدہ تو چاہا تھا رشتے داری سے لے کر تعلق تک سب ختم ہو جائے تم لوگوں کے بیچ لیکن..... یہ کیا وقت دین لوٹ گیا جہاں سے میں نے اسے دھکیلا تھا۔“ ماہ پارہ نے دل ہی دل میں سہا۔

”اور سنا میں آ..... کسی روتی ہوئی چہ آپ کی جو..... سنا ہے دوسری بار میں بٹنے جا رہی ہے عروہ..... مجھی بہت خوش قسمت ہیں آپ..... پوچھاں کھانے کا ہی شوق تھا آپ کو کبھی حادثہ کی شادی کی جلدی چلائی تھی آپ نے..... اور اللہ نے آپ کی سنی۔“ ماہ پارہ جبراً سکرامیں۔

”جلدی تو میں نے اس لیے چلائی تھی تاکہ

سے ہی ہے۔ یہ امر مطلب ہے پہلے سے ہی ہے۔ آپ ٹھیک سے دوا نہیں لے رہیں اس لیے ہو گیا ہوگا۔ شہناز نے کہیں بیروں کی مالش کرے آپ کے۔“

”شہناز تو اب اتنی ہی نہیں۔ سارے کام ہی تمہاری بیوی کی ملازمہ کرتی ہے۔ سہلی نے اور اس نے پورے گھر پر قبضہ کر لیا ہے۔ میں تو فریج سے پانی بھی اٹھ کر پینے کے قابل نہیں ہوں عارث۔“

”اچھا، میں کل آپ کو ڈاکٹر کے پاس لے کر چلوں گا آپ فکر نہ کریں لائٹ بجھا دوں تاکہ آپ سو جائیں۔“

”نہیں لائٹ مت بجھانا۔۔۔ دم گھٹنے لگا ہے میرا۔ بالکل اندھرا ہو جاتا ہے۔ سانس نہیں آتی مجھے۔ لائٹ کھلی رکھ دو۔۔۔ اور یہ کڑی بھی تھوڑی سی کھول دو۔ اب جاؤ تم۔ اور ہاں سنو عارث، میں اگر آواز دوں تو جلد سن لینا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا دم گھٹ جائے۔“

”کیا ہو گیا ہے ای آپ کو، ایسا کچھ نہیں ہوگا میں آپ کے پاس ہی ہوں آپ سو جائیں۔“ ماہ پارہ نیکمر بوستر پر لٹا کر عارث دبے قدموں کمرے سے نکل گیا۔

☆ ☆ ☆
”مجھے لگے ہے ای کوئی عکس کا مسئلہ ہے جو بہت بڑھ گیا ہے جب میں کے بخارات دماغ پر چڑھتے ہیں تو انسان پونہ بی بی کی جگہ کرتا ہے جیسے ای کردہی ہیں اور اگلے سیدھے خواب آتے ہیں میں کس کے مرثیوں کو بدقسمتی اور طعن ہوتی ہے جس، ٹھٹھن محسوس ہوتی ہے“ عرویدہ عارث کو پریشان دیکھ کر ماہ پارہ کے متعلق مطمئن کرنا چاہ رہی تھی لیکن عارث مطمئن نہیں ہوا۔

”لیکن عرویدہ امی کے پاؤں کام نہیں کر رہے

”میں حیران ہوئی ہوں تمہاری پیش کش پر۔۔۔“
ماہ پارہ میں اس اتنی اچھی لگائیاں ہیں اور تم نے میرا انتخاب کیا۔“

”تم ان سب لڑکیوں سے بہت مختلف ہو افریقہ۔ چاہے کیا میں نے پاپا، ماما سے بھی تمہارا ذکر کیا ہے۔ ملوانا چاہتا ہوں میں ان لوگوں کو تم سے۔“

”مردوں کی میں تمہاری ماما، پاپا سے لیکن ایک شرط پر۔۔۔ تم شادی کی کوئی بات نہیں کرو گے۔“ افریقہ سوچ سوچ کر بولی۔

”مگر کیوں افریقہ؟“ زہیر زج ساہو۔

”میں شادی شدہ ہوں زہیر۔۔۔ اگر تمہیں یقین نہیں آ رہا تو میں کچھ نہیں کر سکتی۔ ہاں البتہ تم جاؤ تو میرے گھر والوں سے تصدیق کر سکتے ہو۔ کاج نامہ بھی دیکھا سکتی ہوں میں تمہیں۔“ افریقہ افسانہ انداز میں بولی کہ زہیر دنگ رہ گیا۔ پھر افریقہ نے اپنے بارے میں سب کچھ زہیر کو بتا دیا۔

☆ ☆ ☆
”عارث۔۔۔“ کچھ ملاتی ہے کمانے میں، میں اس کے ہاتھ کا کچھ نہیں کھاؤں گی۔ کبہری ہوں میں تم سے۔ میرا دم گھٹ رہا ہے اس گھر میں۔۔۔ مجھے جانا ہے۔۔۔ مجھے کہیں لے چلو یہاں سے لے چلو عارث۔“

”کیا ہو گیا ہے امی آپ کو۔۔۔ عرویدہ آپ کا اتنا خیال رکھتی ہے اور آپ اس کی پرک کر رہی ہیں۔“
”ہاں۔۔۔ تو کیوں نہ کروں شک۔۔۔ یکدم ہسٹر پر بیٹھ گئی میں بیروں سے چلا نہیں جاتا مجھ سے۔۔۔ گھٹنے جڑ سے ہیں میرے۔“

”ای عمر کا تقاضا ہے۔ یہ کیوں نہیں سمجھتیں آپ۔“

”ہاں۔۔۔ یکدم ہوسال کی ہوئی ہوں میں۔“
”گھٹنوں میں تکلیف تو آپ کو سو سال پہلے

چال ہو چھتا تھا افریقہ کچھ لگا تھا۔۔۔ زہیر افریقہ سے چھوٹا تھا خوش حراش اور چٹیل لڑکا تھا۔۔۔ زہیر شاہ افریقہ کا کلاس فلو تھا۔ اکثر اسے اپنی گاڑی میں ڈراپ بھی کر دیتا۔

آج گاڑی میں زہیر نے ہنسی مذاق کرتے ہوئے افریقہ کو پرویز ڈر ڈالا۔۔۔ وہ حیران ضرور ہوئی لیکن چوکی نہیں۔ اس کے ٹھہراؤ پر زہیر پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

”میں نے اتنی اہم بات کی آپ سے اور آپ نے مجھے کوئی رپانس ہی نہیں دیا۔“ افریقہ پلکا سا مسکراتی اور اصرار دے بولی۔

”میں میری بیویوں۔“ زہیر چوڑا چہرہ بن گیا۔
”مذاق اچھا کر رہی ہیں آپ۔“
”تم یقین اتنا دو مجھے۔۔۔ مجھے کچھ شاپنگ کرنی ہے۔“

”میں واقعی میری بیوی ہوں افریقہ۔“
”تم سے ایک بات پوچھوں زہیر۔ کیا تم نے مجھ سے دوستی اس لیے کی تھی کہ مجھ سے شادی کرو گے؟“ افریقہ نے زہیر کی طرف دیکھا اور خندیدگی سے بولی۔

”نہیں دوستی اس لیے تو نہیں کی تھی لیکن دوستی کرنے کے بعد مجھے لگا ہے آپ۔۔۔ اور میں اچھی زندگی گزار سکتے ہیں۔“ زہیر ٹھوڑا سا نفیوز ہو کر بولا۔
”اچھی زندگی شادی کے بغیر بھی تو گزار سکتے ہیں ہم لوگ۔“

”مگر اس میں حرج بھی کیا ہے افریقہ؟“
”حرج ہے نا۔۔۔ میں ایک اچھے دوست کو کھودوں گی۔“

”دیکھو جس ہم معاشرے سے تعلق رکھتے ہیں وہاں لڑکے بڑی کی دوستی کیا معنی رکھتی ہے تم اچھی طرح سے جانتی ہو۔ میں اس دوست کو کوئی سختی دینا چاہتا ہوں۔“

ساری بساط خراب کر سکیں لیکن مجھے کیا معلوم تھا بات مجھے ہی تھی۔ ماہ پارہ پیٹم نے سوچا۔

”عرویدہ نے عارث کے دل میں میرے لیے اتنا زہر گھول دیا ہے کہ وہ مجھ سے بات تک نہیں کرتا۔“ ماہ پارہ پیٹم کے چہرے پر بروں کی ٹھٹھن تھی۔
خالدہ کو ماہ پارہ کا انداز عجیب سا لگا۔

☆☆☆
خالدہ اب بات کا اظہار حسنین کے کیے بنا نہیں رہ سکیں۔
”میری پارا ایسا ہوا ہے کہ آپ کی بہن نے اپنی بڑی بھولیسی افریقہ کے تعلق کچھ نہیں پوچھا۔ کچھ جاننے کی کوشش ہی نہیں کی انہوں نے۔“

”اب میری بھی کیا گیا ہے جو پچھنے کے لیے بھجیر کا سامان تک تو اٹھایا افریقہ نے۔۔۔ تم سے کس سامان پر رہتا تو انہیں لے تو یاد رہتا کہ افریقہ بھی عارث کے کاج کرتے ہیں۔۔۔ مجھی نہ بھی مجھو لے برے یاد دہی کر لیا کرتے اسے۔ یہ سارے تعلق اس میں نہیں ملے سنا ہے افریقہ نے زہیر کی پیشکش سے لیا ہے۔“

”ساری زندگی برباد کر کے اب پڑھ لکھ کر کیا کرے گی۔ ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہے اور لڑکیوں کے لیے تو خاص طور پر وقت بہت ہی مختصر ہوتا ہے۔ تعلیم کے بعد شادی، شادی وقت پر نہ ہو تو کبھی نہیں ہو پاتی۔ اگر اسے زندگی کی طرف لوٹنا ہی تھا تو اسے چاہیے تھا اپنی زندگی برباد نہ کرنے سے۔ بھائی۔۔۔ چلی ہے پڑھنے، کون سا میرا رے گی تم بھی دیکھ لیں گے۔“ خالدہ حیران تھیں، مگر یہ بولیں۔

☆☆☆
زہیر شاہ کی قربت نے افریقہ میں بہت سی تبدیلیاں پیدا کی تھیں۔ افریقہ بننے ہو گئے تھے۔ اپنا خیال رکھنے لگی تھی۔ صبح سویرے زہیر شاہ اس کا حال

لے دل مہار۔
نے اسے اپنے پاپا کی کتھی میں جاب ولوادری۔
شاہ، افق کے لیے شارت کتھی نہیں بہت کتھی
جابت ہوا..... شاید اس کی زندگی سے اب مدے
دن نکل گئے تھے۔ لیتھا کارشہ سنین اور خالده نے
دوبارہ مانگا لیکن افق نے انکار کر دیا کہ لیتھا اب اس
گھر میں نہیں جائے گی۔

افق کے خیالات اور رائے سے کبھی نہ اتفاق
کیا۔ اس نے خود کو سنبھالنا تھا ہر چیز ہی بدلتی چلی
گئی۔ کہتے ہیں انسان اپنی تربیت خود کرتا ہے۔ خود کو
نے اپنی زندگی کے بہترین سال بوجہ جھگڑ کر ضد کی

حارث کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ جیسے تیرے عیوہ کو
اہپال لے کر گیا۔ بچے کی حالت بہت ناگ ہوئے
کی وجہ سے ڈاکٹر نے فوراً آپریشن کا فیصلہ کیا اور
بدستی سے ڈاکٹر نے کتھ کو پچانے میں کامیاب ہو گئے
لیکن عروہ کو کتھ بھی پچانے میں حارث کے لیے یہ حادثہ
بہت امدوہ ناگ تھا۔ سات ماہ کا بچہ تین ماہ تک
میشین میں ہی پردان پر جڑتا رہا۔ حارث عروہ کی
موت کے بعد سے اور غم سے بڑھال تھا۔ حارث کا بڑا
بیٹا جو صرف ڈیڑھ برس کا تھا سلی اسے سنبھالنے۔ ماہ
پارہ صدمہ سے تیار ہے مستقل بہتر پر پڑ گئی۔

عاصمہ اور اسامہ تھ ماہ تک کی نہ کسی طرح
روزانہ آتی رہیں اور سادہ کی گھر کی دیکھ بھال کرتی
رہیں لیکن آخر وہ بھی کتھ تک اپنے گھر اور اپنے چھوڑ
کر آتھیں بالآخر انہوں نے بھی اپنا آنا جانا کم
کر دیا۔ جیسے تیسے حارث نے خود کو سنبھالنا۔ چھوٹا بچہ
بھی اب گھر میں ہی آ گیا تھا۔ سلی کے لیے دو بچوں کو
سنبھالنا خاصا مشکل تھا۔

حارث کو جب بھی خیال آتا کہ عروہ نے اس
کی ماں کو ہر دے کر اس حال پر پہنچایا ہے تو اس کے
روتھنے کھڑے ہو جاتے وہ پہلے اور بہتین ہو جاتا
پھر حارث نے سلی کو بھی کام سے نکال دیا اور ایک نئی
ملازمہ رکھی۔ ایک ملازمہ مال کے لیے اور ایک
بچوں کے لیے، پھر بھی بدقتی بچے پرورش پارے تھے
اور نہ ہی ملا پارہ کی دیکھ بھال میں ہو رہی تھی۔
حارث جب بھی گھر میں آتا ملازمین یا تو بچن
میں حس کر چکے تھاری ہوئیں یا نئی دیکھنے میں
مشغول ہوتھیں۔ حارث بدی طرح سے وقتی طور پر
اضرب ہو گیا..... وہ سوچ بھی نہیں تھا کہ زندگی
اسے اس دور سے پرلا کھڑا کرے گی۔

☆☆☆

افق کا ابھی رزلٹ بھی نہیں آیا تھا کہ زیر شاہ

”عروہ بی بی..... میں آپ کو ایسے تعویذ لا کر
دیتی کہ آپ کا کام بھی ہو جاتا اور کتھی کو پچانے بھی
چلتا۔“

”پاکل ہو گئی ہو سلی، یہ سہنسی دور ہے اس
دور میں تعویذ گنڈے اثر نہیں کرتے۔ میڈیسن کے
ذریعے سارے مسئلے حل کیے جاسکتے ہیں۔“

”لیکن عروہ بی بی..... حالت بہت خراب
ہو رہی ہے آپ کی ساس کی..... حارث میاں کو آپ
پر شک ہو گیا تو پچانے میں مار دیں گے آپ کو۔“
”کون بتائے گا..... تم جتاؤ گی انہیں؟“

”نہیں..... نہیں تو یہ کریں عروہ بی بی.....
میں کیوں بتاؤں گی..... لیکن وہ ڈاکٹر کے پاس
جائیں گی اور ان کی ٹیسٹ رپورٹس میں پتا چل گیا
تو۔“

”میں انہیں ہونے دوں گی۔ حارث کے
آنے میں ابھی آدھا گھنٹہ ہے۔ تم یہ بڑے سکھا کر
بیچھ آ جاؤ میں بھی بیچھ ہی جارہی ہوں۔ تم حارث کو
فون کر دینا کہ آچا کتھ میری طبیعت خراب ہوئی ہے۔
حارث آئے گا تو سیدھا میری طرف اور بری حالت
دیکھ کر کبھی میں انوالو ہوگا۔ اور مجھے امید ہے تن جا رہا
دن تک وہ بھی میں انوالو رہے گا اور اس کے بعد وہ
امی کا چیک اپ کروانا پھول جائے گا تم فکر نہیں
کرد۔“ آہٹ پر عروہ نے پلٹ کر دیکھا حارث بیچھے
ہی کھڑا تھا۔ لیکن چپک لی۔ حارث کے چہرے پر
غصہ اور شدید نفرت تھی جیسے وہ ساری باتیں سن چکا
ہو عروہ کی ریزہ کی ہڈی میں مسخنی کی دودھنی اس
نے حارث کی آنکھوں میں کتھی اتنی وحشت اتنا غصہ
اور جنون نہیں دیکھا تھا۔ وہ خوف کی وجہ سے چیخے پٹنے
لگی۔ جیسے اس منظر سے غائب ہونا جاتی ہو یکدم
عروہ کا پاؤں ڈک گیا اور وہ میری جیوں سے گرنی چلی گئی
اور بے ہوش ہو گئی۔ عروہ کا ساتواں مہینہ تھا۔

یہ بہت تشویش کی بات ہے میرے لیے..... کل میں
ای کا مکمل چیک اپ کراتا ہوں۔ مٹا ہوں ان کے
ڈاکٹر سے۔ نہیں ایسا نہ ہو کہ امی بالکل ہی معذور ہو کر
بیٹھ جائیں۔ کون سنبھالے گا انہیں۔“

”یہ فکر مند کی بات ہے۔ اگر حارث نے
ای کی بلڈ رپورٹس کروائیں تو پول کل مل جائے گا کہ
انہیں خوراک میں پوائزن دیا جا رہا ہے جس کی وجہ
سے ان کا زردی سٹم آہستہ آہستہ کام کرنا چھوڑ رہا
ہے۔ نہیں، میں یہ ہونے نہیں دوں گی۔ کسی نہ کسی
طریقے سے روکوں گی حارث کو اور اس کے لیے مجھے
اپنی طبیعت خراب کرنا ہوگی۔“ عروہ نے دل ہی دل
میں سوچا۔

”تم فکر نہیں کرو حارث امی ٹھیک ہو جائیں گی۔
میں بھی کل تمہارے ساتھ چلوں گی۔ واقعی ان کا
باقاعدہ چیک اپ ہونا بہت ضروری ہے۔“ عروہ
حارث کو سلی دے کر بولی۔

”اس حال میں بھی تم امی کی کتھی دیکھ بھال کتھی
پر دوا کرتی ہو عروہ، جینک..... سوچ عروہ۔“
حارث جیت سے عروہ کی طرف دیکھ کر بولا۔
”تم تو میرا فرض ہے حارث اب تم بھی آرام
کرو۔ بالکل ہی کھڑ کر رہے ہو۔ اس طرح تو
تمہاری بھی صحت خراب ہو جائے گی۔“ عروہ کی توجہ
اور محبت پر حارث مطمئن ہو گیا۔

☆☆☆

”کیا ضرورت تھی عروہ بی بی آپ کو اپنی ساس
کو کھانے میں کو اپنا ڈال ڈال کر دینے کی۔“
”تو کیا کرتی..... دیکھا نہیں تھا تم نے کس قدر
ہر بات میں مداخلت کیا کرتی تھیں۔ حارث کو کتنا کھا
کر کھیندہ ہو جائیں لیکن مائے نہیں، اب سوائے اس
کے کوئی حل ہی نہیں تھا کہ وہ کم ہو کر بستر پر پڑ جائیں
اور میرے معاملات میں مداخلت نہ کریں۔“

Monthly Digest
Sole Distributor
P.O. Box 27869
Karama, Dubai
Tel: 04-3961016
Fax: 04-3961015
Mobile: 050-6245817
Email: www.bookademics.net.ae

JD Group of Publications

نہ دیکھے تھے۔ جب تک انسان اپنا بوجھ نہ اٹھائے کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔ اُفق کو یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آگئی تھی۔

عمار کے چلے جانے کے بعد کمر کی وہی صورت حال ہو جاتی جب منزل کا کاردار بڑا ڈوٹا تھا لیکن اُفق نے اس باپ کو سہارا دیا۔ اُفق نے پہلی سبزی ماں کے ہاتھ میں لا کر دی تو عمار کی دھک اور شرمندگی سے آنکھیں نمبر آئیں۔ انہیں احساس ہو گیا کہ بیٹے نے نہیں بنایا بھی بوجھ اٹھائی کئی سہارا بن سکتی ہیں۔ آج سے آٹھ سال پہلے اگر عمار پہلی کا سہارا بنیں تو اُفق کے آٹھ سال برباد نہ ہوتے، وہ بدنام نہ ہوتی لیکن اسے اب ان باتوں کی پروا نہیں تھی، وہ بڑے اعتماد سے سراٹھا کر کھینچتی تھی۔ کہہ سکتی تھی دنیا والوں کو کہ جیت جذبے کی ہوتی ہے۔ اُفق میں سے passion تھا اس نے اپنی منزل کو پالیا لیکن بھی منزل تک جانے کے لیے سچ راستے کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور کوئی بھی راہ بنا کر کاٹ نہیں سکتی ہوتی۔

ہر روز صبح اُفق جاتے ہوئے عمار، اُفق کو نشا بنا کر دیتیں۔ اس کا چمپیک کر کے دیتیں۔ ایسا اس کے کپڑے پر کس کر کے رکھتی تا کہ صبح اُفق جانے میں کوئی تھک نہیں ہو لوگ باقی بھی بتاتے تھے کہ عمار اور منزل پہلی کی کمائی کھارے ہیں لیکن اب اُفق کو ان باتوں پر غصہ نہیں آتا تھا کہ عمار کو حیرت ہوا کرتی جب وہ انہیں سمجھاتی کہ لوگوں کی پروا کرنا چھوڑ دیں۔

زیر شاہ اب بھی اُفق کے پیچھے تھا اور چاہتا تھا کہ کسی طرح سے وہ اپنے شوہر سے طلاق لے لے جبکہ اُفق نے اس بارے میں اب بھی سمجھ کی ہے سوچا بھی نہیں تھا کہ عمار سے اس کا ایک پرنس کا نفرنس میں آنا سامنا مانا ہو۔

حادثہ اُفق کو کچھ کر دنگ رہ گیا۔ جس کو اس نے یہ کہہ کر چھٹک کیا تھا کہ وہ ایک نفسیاتی مریض ہے آج وہ بڑے اعتماد کے ساتھ اپنے باس کے ساتھ کڑی تھی۔ اُفق نے بھی حادثہ کو دیکھا۔ حادثہ پہلے کی نسبت کمزور ہو گیا تھا۔ رنگ بھی اب دیکھا ہوا نہیں رہا تھا اس کا شبیہ بھی بڑی ہوئی تھی، آنکھوں پر چشمہ لگا تھا اس کی نسبت اُفق روشن روشن لگ رہی تھی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا تھا۔ حادثہ، اُفق کی طرف بڑھا تو وہ انجان بن کر آگے بڑھ گئی۔ زیر شاہ اس کے لیے گاڑی کا دروازہ کھولے کمرہ تھا وہ گاڑی میں جا کر بیٹھ گئی۔ حادثہ کے لیے اُفق کا یہ قدم بہت ہی شاندار تھا۔

☆☆☆
اس رات حادثہ کو نیند نہیں آئی۔ وہ ساری رات کروٹیں بدلتا رہا اور اُفق کے بارے میں سوچتا رہا۔ ساری رات حادثہ، اُفق اور عروہ کو کچھ یاد کرتا رہا۔

”اُفق بظاہر صحت مند تھی بات منہ پر کھڑی تھی۔ رات کا جواب دیتی تھی۔ اس نے بھی اپنی اس کی دلجوئی نہیں کی۔ میرے لیے نہیں سمجھی اپنی ضد پر قائم رہی اپنی بات سنانا چاہتی تھی۔ بات سنانے کے لیے اس نے اپنے اصول توڑے۔ وہ امی کے لیے بھی جنگی اور میرے لیے بھی اور جب اسے لگے اسے اپنا حصول یہاں نہیں لگے گا تو وہ کھڑکی ڈٹ گئی۔ اور پھر اس نے کسی کو بھی پہچانیں سمجھا، نہ کسی رشتے کو اور نہ ہی زندگی کی تبدیلی کو۔ اس کا سب سے زیادہ نقصان خود اسے ہی پہنچا۔ ہر جگہ ذلیل و خوار ہوئی بدنام ہوئی۔ عرب میں بھی تھکی، مہمان نوازی کی کینہی نظر تک ثابت ہوئی کہ وہ امی کو قطرہ قطرہ زہر دے کر مارنا چاہتی تھی۔ اتنی خطرناک عورت۔ دولتی عورت، جموٹی اور چالبا عورت جس کے جال میں

میں ایسا گرفتار ہوا کہ مجھے کچھ بھی دکھائی نہیں دیا۔ امی کو پوتے پوتیاں کھانا کا شوق تھا۔ بدودو ہے ہیں امی کے۔۔۔۔۔ اور امی اس قابل بھی نہیں ہیں کہ خود کو سنبھال سکیں بچوں کو تو کیا سنبھالیں گی۔ اُفق میری بیوی ہے، وہ مجھے اس طرح نظر انداز کر کے کسی اور کے ساتھ کیسے پھر رہی ہے وہ ایسا نہیں کر سکتی۔ وہ میرے گھر آئے یا نہ آئے۔ میرا گھر بسائے یا نہ بسائے لیکن وہ کسی اور کے ساتھ کیسے۔۔۔۔۔ میں ہرگز برداشت نہیں کروں گا۔“ حادثہ غصے اور نفرت سے بے چین ہو گیا۔

☆☆☆
رات کا نہ جانے کون سا پھر تھا جب ماہ پارہ کے چنے کی آوازیں آئیں۔ حادثہ دوڑ کر اس کے پاس گیا۔ ماہ پارہ دور رہی تھیں۔ حادثہ سے اُفق کی کردہ عمارہ سے ملنا چاہتی ہیں۔ عمارہ سے بات کرنا چاہتی ہیں۔ دل کا کہا ملنا چاہتی ہیں ان سے۔

حادثہ نے یہ مشکل ماں کو سنبھالنا اور سمجھنا۔ ”میں عمارہ آئی ہے۔ انہیں جاؤں گا۔ انہیں بتاؤں گا۔ آپ کے متعلق۔“ ماہ پارہ مطمئن ہو گئیں لیکن حادثہ دل ہی دل میں پریشان تھا کہ وہ کس طرح عمارہ آئی کے گھر جائے گا۔

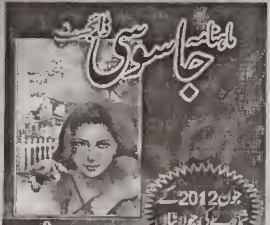
☆☆☆
آج پھر حادثہ نے زیر شاہ کے ہمارا اُفق کو دیکھا۔ حادثہ سے برداشت نہیں ہوا تو وہ اُفق کے پاس آیا اور پوچھا۔

”یہ کون ہے؟“ حادثہ شاید اپنے غصے پر قابو نہیں پا سکا تھا اس لیے اپنا منہ لوز کر بیٹھا۔ ”کون ہے“ غصے اور کڑیوں تم ہر وقت اس کے ساتھ نظر آ رہی ہو تھے۔ ”زیر شاہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

اعتماد سے بولی۔
”جیسے تم جانتی ہی نہیں۔ میں تمہارا شوہر ہوں۔“ حادثہ غصے سے بولا۔
”کیسے لوگ آجاتے ہیں آپ کے ہوئی میں۔ اس شخص کی بیوی مر گئی ہے اور یہ دوسری عورتوں کو اپنی بیوی کہتا پھر رہا ہے۔“ اُفق نے دیر کو بلا کر کہا۔
”ایکسکو ذی سر۔“ پلیز آپ یہاں سے جائیں۔“ ڈیڑھ رات سے کہا۔
”تم کیا کہہ رہی ہو اندازہ ہے مجھ میں؟“ حادثہ چلا کر بولا۔

”دفنی بریٹس کہہ رہی ہوں آپ کو۔۔۔۔۔ یہی سنتا جا رہے تھے ناں آپ۔“ اُفق نے نرمی سے جواب دیا۔
”پلیز سر چلے جائیں یہاں سے ورنہ ہمیں پولیس کو اُفتادہ کرنا پڑے گا۔“ ڈیڑھ رات کا تو حادثہ غصے سے ہوئی سے نکل آیا۔ زیر شاہ نے حیرانی سے اُفق کو دیکھا۔
”پاکل تھا بے چارہ۔ تعلق ہے اس کا میری فیملی سے۔ لیکن اتنا بھی نہیں کہ مجھ سے سوال جواب کرے آکر۔ بہر حال تم اپنا پروگرام وکس کر رہے تھے۔ مجھے تو میرا ارادہ یہی ہے کہ کھلتی اسی بیٹے رکھ لیتے ہیں۔“ اُفق زیر شاہ سے بولی۔

”یہ دیکھو انگلی۔۔۔۔۔ پسند ہے جہیں۔۔۔۔۔؟“ زیر شاہ مسکرا کر بولا۔ اُفق نے مسکراتے ہوئے انگلی بہن کی اور کہا۔
”بہت پیاری ہے، تمہاری محبت نظر آ رہی ہے اس میں۔“ زیر شاہ نے محبت سے اُفق کو دیکھا۔
”تم میرا بہت بڑا سہارا بنے ہو زیر شاہ۔ اچھے دوستوں کا ساتھ ہو تو انسان مشکل وقت اور حالات دونوں کا بڑا سہارا بن جاتا ہے۔ نہ جانے تم میری



جون 2012ء

شعر کی نئی جہان

بے نقاب

زندگی کی دل فریبیاں سچائی میں شرمیلیں...
جھوٹے مکر فریب سے اسے بے ثبات بنا دینے
دل کے پہرہ پوش کو کی عکاس محسن الدین نواب کی تحریر
محبوب کے دل کے انکشاف
مغربی ماحول کے رنگ و بو اور حیرت کی ناقابل فرہوش کہانیاں

گزشتہ

مسلل ایک نئی منزل کی جانب رواں
دو اسما قادیسی کے سلسلے دار کہانی

انکشاف

نئے امتحانات سے دو چار تائیں اور عمر ان کے
کارنامے طاهر جاوید مغل کا سلسلہ

سفر اور کی کہانیاں

ایک نوجوان کو پیش آنے والے پیرے سے سنسنی خیز
واقعات سلیم فاروقی کے جاوید قلم سے

اچل سہ ماہی

دوستی کے شمع کے سفر پر گامزن اشل ماسوں کا
عبرت انگیز احوال ڈاکٹر عبدالرب بھٹن کا ناز

آپ کے پتھر...
موشے... بھٹن... جاتی ہیں...
اور ان کی دلچسپ باتیں... کھاتی ہیں...

بے نقاب

بے نقاب

ماہنامہ نہل سہ ماہی - جون 2012ء

ہے۔

”میں افق کو رضامند کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ حادثہ وقت گئے گا اسے۔“ عمارہ بیگم نے کہا۔

”آپ کچھ نہیں کر سکتیں آئی... ہمیشہ افق جو چاہا وہی کیا ہے۔ کب آپ کی مرضی مانی ہے اس نے۔“

”اس کی ایک ہی ضد تھی حادثہ جو پوری ہوئی اب اس کی کوئی ضد نہیں۔ آہستہ آہستہ وہ رضامند ہو جائے گی۔“ حادثہ اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ پاتا تو بولا۔

”تو آپ کہہ رہی ہیں نا... کہ اس کی کوئی ضد نہیں کوئی وجہ نہیں، وہ مان جائے گی۔ کیسے مانے گی وہ... وہ تو کسی اور کو پسند کرتی ہے۔“

”کیا کہہ رہے ہو تم حاسا؟“ عمارہ بیگم کو ہنسا لگا۔

”فحک کہہ رہا ہوں آئی میں۔ آپ تو کمر میں رہتی ہیں آپ کو کیا معلوم کہ باہر کیا ہو رہا ہے۔“ افق آٹھ سے آئی تو حادثہ اور ان کی باتیں کرتا دیکھ کر باہر ہی رک گئی۔ حادثہ کے الفاظ افق کے کانوں میں پڑے۔

”میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے آئی... اسے زہیر شاہ کے ساتھ۔“ حادثہ جذباتی پن سے کہتا چلا گیا۔ ”ہر وقت وہ اسی کے ساتھ ہوتی ہے۔ بھی ہونٹ لگ کر دے ہوئے، بھی شاپک کرتے ہوئے۔ کیا یہ سب اسے زیب دیتا ہے۔ اسے نہیں معلوم وہ میرے نکاح میں ہے۔“

”میری بیٹی پر الزام لگانے سے پہلے حادثہ کم سے کم تعریف تو کر لیتے۔ آنکھیں جو دھکتی ہیں وہ اسی کیس نہیں ہوتا جو ہم سمجھ رہے ہوئے ہیں۔“ عمارہ قلم سے اور انفسوس سے بولی۔ ”زہیر شاہ سے ابھی

گر اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم اور حادثہ اب ایک راستے پر نہیں چل سکتے۔“ عاصمہ افق کو سمجھاتے ہوئے بولی۔

”اس کا مطلب یہی ہے۔ حادثہ اور میں ایک راستے پر نہیں چل سکتے۔ حادثہ بہت خوب صورت، ویل ایجوکیٹڈ، اپنی ماں کا لاڈ اور قیمتی بیٹا ہے۔ میں ایف، پیٹر... بھلا کیسے ہمارا ایک راستہ ہو سکتا ہے۔“ حادثہ، عاصمہ اور ساجدہ مایوس دھجکے ہیں۔

”فحک ہے اب تمہیں موقع ملا ہے تو تم اپنی سن مانی کی زندگی گزار لو لیکن یہ تم مجھ کو تم اب بھی میرے نکاح میں ہو۔ تم کسی اور شخص کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتیں۔“ حادثہ جاتے جاتے بولا۔

افق نے حادثہ کی اس بات پر... دکھ اور انفسوس سے بوجھا۔

”میں سچی سوچ چھیں اس مقام پر ملے کر آئی ہے۔ حادثہ تم جانتے ہی کیا ہو عورت کے بارے میں۔ بہتر ہے تم کچھ دن اور وقت کے دھکے کھا کر اس فرق کو جان لو۔“

☆☆☆

عمارہ... نے جب سے ماہ پارہ کے متعلق سنا تھا بے چین ہو گئی تھیں۔ ماہ پارہ سے ملنے کو بے قرار ہو گئی تھیں لیکن افق کی دل آزاری کی وجہ سے ماہ پارہ سے مل نہیں سکتی تھیں۔ عمارہ نے بہت چاہا کہ افق کو حادثہ کے لیے رضامند کر سکیں لیکن نہیں کر پائیں۔

☆☆☆

حادثہ نے آج پھر افق کو زہیر شاہ کے ساتھ شاپک کرتے دیکھا۔ دونوں آئیں میں جس بول رہے تھے۔ حادثہ سے برداشت نہیں ہوا۔ حادثہ یہی سمجھا کہ دونوں کا آپس میں کوئی ریشہ بن رہا ہے۔ حادثہ اسی سلسلے میں عمارہ سے ملے گیا کہ انہیں افق کے متعلق بتانے کے پوچھ بکنے کا آخر حق چاہتی کیا،

لحق۔ سنبھال لیا ہے میں نے خود کو... وقت کے تھپڑ کھا کر ہی یہی... بہت دیر سے ہی یہی... سمجھ لی میں نے زندگی کی لالچ... عورت کی ہر خواہش ہے نام اور بیکار ہوتی ہے کیونکہ زمانے کی نظر میں اسے صرف کمر کھ رہنا چاہیے لیکن آج یہ وقت نے ثابت کر دیا تم پر کہ عورت کے بغیر مرد اور نامکمل ہوتا ہے۔ اس کا کچھ نامکمل ہوتا ہے۔ تم جس آس میں میرے پاس آئے ہو نا... خانی ہاتھ لوٹ جاؤ واپس...“ افق نے جھانٹا انداز میں بولی۔

”افق تم اپنی انہیں کر سکتیں۔ تم مجھے نہیں تو وہی کو معاف کر دو۔“ حادثہ نے تڑپ کر کہا۔

”تم جانتے ہو حادثہ کہ خالہ نے ہماری شادی کیوں کی تھی۔ تاکہ مجھ کا کارہ کے ذریعے رشتوں کی زنجیر میں ڈھارس ڈال سکیں۔ میں جذباتی پن میں سب کچھ سمجھ جاتی تھی اور خالہ وہی باتیں ماموں کو جا کر بتاتی تھیں۔ میری بے وقوفیوں سے بہت فائدہ اٹھایا ہے خالہ نے، اب کس بات کا مال ہے نا فحک۔ ہو گیا وہ جو وہ چاہتی تھیں۔ عمارہ جتنا کہ ساتھ لگ تھلک پڑا ہے، ہم سے ملنے نہیں آتا۔“

”تو ماموں کو ن ساسی سے ملنے آتے ہیں۔“ حادثہ بے بسی سے بولا۔

”ماموں، ممانی بھی امی سے حد درجہ بدگمان ہو چکے ہیں۔ دن رات یاد کرتی ہیں امی... ماموں کو خالہ کو... دراصل انہیں لگتا تھا کہ وہ سونپا ہیں۔ بہن، بھائیوں نے کاٹ کر پھینک دیا انہیں۔ امی چکر میں آہوں نے ایک دوسرے سے سب کو کاٹ دیا لیکن انک تھلک اب بھی وہی ہوئی ہے۔ ہمارا برا بھلا قتل تو ہے ماموں سے۔“ افق نے جلتا ہوا حادثہ کو دل میں دل میں افق کی دلیل کو مانا پڑا۔

”ذمہ داری جو ہوا اس پر پیشان ہیں شرمندہ ہیں، غلطیاں تم نے ہی تو قلم سے ہم سے بھی ہوئے ہیں۔“

ماہنامہ نہل سہ ماہی - جون 2012ء

تیرا پیماں جاناں

اقبال بانو



دیکھ دن قتل ایسا کی جتنی ہوئی ہے۔“ حارث شکلا کر رہ گیا۔“ اور جلد ہی میں شادی کر رہی ہوں ایسا کی۔ بہت افسوس ہوا مجھے یہ جان کر کہ تم ابھی بھی افق کے متعلق ایسی سوچ رکھتے ہو۔ اس نے اپنی زندگی برباد ضرور کی تھی لیکن کسی شخص کے پیچھے نہیں اپنی خواہش کے حصول کی خاطر۔“ حارث شرم سار سا ہوا گیا۔

”خفیک ہے تم اس پر حق رکھتے ہو لیکن الزام نہیں لگا سکتے اس پر..... اب میں افق پر ذرا بھی دباؤ نہیں ڈالوں گی۔“ افق اپنی زندگی کا فیصلہ خود کرے گی۔“ حارث کے پاس الفاظ ہی نہیں تھے کہ اپنی بات واضح کر سکے۔ افق نے کمرے میں داخل ہو کر حارث کو جن نظروں سے دیکھا حارث سمجھ گیا کہ وہ سب کچھ سن چکی ہے۔ حارث تیزی سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

”ایک بات کا جواب دینی جاؤ افق..... پھر چاہے چلی جانا۔ زندگی میں بہت سے لوگوں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی، بہت سے لوگوں نے تمہاری حق تلفی کی۔ جب تم ان لوگوں کے ساتھ زندگی گزار سکتی ہو، انہیں معاف کر سکتی ہو تو مجھے کیوں نہیں۔“ افق نے چونک کر حارث کو دیکھا۔ وہ یومصل اور کچرا ہوا لگ رہا تھا۔

”میں تمہارا سہارا نہیں بنا افق۔ تم تو سہارا بن سکتی ہو میرا، ساتھ دے سکتی ہو میرا۔“ حارث شکستہ لہجے میں بولا۔

”میں نے اپنی منزل بھی پائی اور جینے کا مقصد بھی دھونڈ لیا لیکن عورت کی اصل منزل اس کا گھر اور جینے کا مقصد اس کی کرہستی اور پیٹنے ہی ہیں۔ کامیاب اور عظیم عورت وہی ہے جو اپنی کرہستی کے ساتھ اپنے شوق کی نیل کرے۔ اپنے گھر کو چھوڑ کر کوئی عورت مکمل نہیں ہوتی۔ میں حارث کو چھوڑ کر چلی جاؤں گی تو پھر سے ادھوری ہو جاؤں گی۔“ افق نے دل ہی دل میں سوچا اور حارث کو معاف کر دینے کا فیصلہ کرتے ہوئے اس کا ہاتھ کپڑ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

”میں آپ کا گھر پر اختیار کروں گی۔“ اور باہر کی طرف قدم بڑھا دیے۔

زندگی کا پہلے یونہی چل رہا تھا کہ ایک روز جبر آگئی کہ ماہ پارہ زندگی اور موت کی لٹکھٹ میں مبتلا رہ کر ہمیشہ کے لیے ابدی نیند جا سونکی۔ عمارہ، حسنین، خالدہ اور منزل بھی ماہ پارہ کے کمرہ پہنچے جہاں صف ماتم چھٹی تھی۔ حارث پاگلوں کی طرح ردو رہا تھا۔ اس کے دو چھوٹے چھوٹے بچے لوگوں کے ہجوم میں دل رہے تھے۔ نہ حاصرہ کو ہوش تھا نہ ساجدہ کو۔ حارث کی حالت تو دیکھو انہیں جیسی ہو رہی تھی۔

افق کو فکس میں ایسا نہ فون کر کے ماہ پارہ کی موت کی اطلاع دی۔ افق اس خبر پر شکلا کر رہ گئی۔ حالات کیسے بھی تھے وہ خود کو روک نہیں پائی اور حارث کے کمرہ پہنچ گئی۔ جہاں جنازہ اٹھنے کی تیاری ہو رہی تھی۔ ماہ پارہ کو دیکھ کر افق کا ضبط ٹوٹ گیا۔ وہ رونے لگی۔ حارث کو نہا ہوا ہوش تھا نہ بچوں کا۔

افق کتنے عرصے کے بعد اس گھر میں آئی تھی۔ اسے سارے سطر یاد آئے۔ گئے۔ گزشتہ ساری باتیں یاد آئے۔ لیکن حارث کے دونوں بچوں کو دیکھ کر افق کا

یہ زندگی کا کتنا بڑا الیہ ہے کہ جس سے ہم محبت کرتے ہیں اس سے چھوڑ کر بھی زندہ رہتے ہیں۔ حالانکہ جب محبت کے ہنڈولے میں جھومتے اندر ماتم ہوتا ہے۔ شاید روح سر جاتی ہے بدن اور

”جی، میں زیادہ لاڈلی ہوتی ہوں کیوں دادو؟“
 ”بالکل صحیح کہہ رہی ہے۔“
 ”زین کو بھی آپ سبھی جانتی ہیں۔“ میں نے کہا۔
 ”میرے لیے تم سب میری آنکھیں ہو اور سب ہی برابر ہو۔“

”یہ بات نہیں ہوتی چاہیے دادو، آپ فیصلہ کریں کہ میں زیادہ پیاری ہوں یا زین۔“ میں نے نروٹھ سے انداز میں کہا۔
 ”مجھے آزار نہیں میں مت ڈالو بیٹا۔۔۔ جہاں بھی چلا اُبھاری ہے اور زین کی محبت کا پلڑا بھی، میں کیا کہہ سکتی ہوں۔“

”چائے کچن میں رکھ آئی ہوں اٹھاؤ۔“ جمی اسی آگئیں اور انہوں نے مجھے کہا۔ اسی نے روزن بیک اور شای کباب میز پر رکھے۔ ”میںیں دادو اور چاچو کو پکڑائیں، میں نہ بھائی ہوئی کچن میں آئی۔“ چائے دھبی آج پر چولے پر دھری تھی۔ فلاسک میں چائے اٹھ لی، ٹرے میں کپ رکھے تھے وہ اٹھائے اور فلاسک اٹھا کر باہر آئی۔ دادو اور چاچو روٹ کھانے میں مصروف تھے، اسی بھی پاس بیٹھی تھیں۔ میں بھی ایک پلیٹ اٹھا کر شای کباب کھانے لگی۔
 ”چائے تو پوں میں ڈال دو۔“

”آپ اسے کھانے دیں، میں چائے ڈال دیتا ہوں۔“ آڈر چاچو منے سے ذرا آگے ٹھکے۔
 ”ارے، ہنہ دو میں ڈال دوں گی۔“ اسی نے خشک نظر سے مجھے گھورا اور فلاسک اٹھا کر چائے کپوں میں اٹھیلنے لگیں۔ چائے کے بعد آڈر چاچو اٹھ کھڑے ہوئے۔

”اب اجازت۔۔۔“
 ”ابن جلدی انور تو آج آئیں۔“ اسی نے کہا۔
 ”بھائی۔۔۔ مجھے سایہ پال جانا ہے، میرے دوست کی برات وہاں بیچنے والی ہوگی۔“

”آپ کا دوست۔۔۔ اتنی عمر میں شادی کر ہے۔“ میں نے حیرت سے پوچھا۔
 ”یار کو لیک ہے میرا۔“ چاچو نے جھپٹ کر کہا۔
 ”اوہ۔۔۔ میں مسکرا دی۔“

”اچھا اماں کی اجازت دیں۔ چاچو دادی کے سامنے جھکے تو انہوں نے سر پر ہاتھ پھیرا۔
 ”مڈھی آہستہ اور دھیان سے چلا نا مگر کچھ ہی مجھے فون کرنا۔“
 ”اب تو صبح ہی کرپاؤں گا فون۔“
 ”جس طرح بھی ہو۔۔۔ کرنا ضرور۔“ دادو نے تاکید کی۔

”آپ مطمئن رہیں۔“ چاچو نے کہا اور پھر لاؤنج سے باہر نکل گئے۔
 ”بھو، ملائکہ نظر نہیں آ رہی۔“
 ”میکے کی۔“ مختصر آگیا۔
 ”اچھا۔۔۔ اچھا۔“

میں چاچو کا ہار تک چھوڑنے آئی تھی۔ اُسے شک چاچو کی میری اسی سے نہیں بنی تھی مگر مجھے اپنے چاچو اور دونوں بیویاں بہت پسند تھے۔ اسی کو خود واسطے کا میر تھا۔ اب بھلا آڈر چاچو نے اسی کی بہن عابدہ سے شادی نہیں کی تھی تو پھر عالیہ بیچ کا کیا قصور تھا۔ مگر اسی کو تو وہی جرم لگی تھیں۔ اس لیے کبھی چاچو کے کمر نہ خود جاتیں نہ میں جانے دیتیں البتہ دادو کی وجہ سے دونوں کمروں کے کینوں میں رہا ہوتا تھا۔ کیونکہ دادو ہر وہ ماہ بعد آڈر چاچو کے ہاں رہنے چلی جاتیں جو پچیسویں کی ٹیکسری میں ڈاکٹر کثرت تھے۔ زین اور حیدر ان کے دو بیٹے تھے، عالیہ جیسی بہت محبت کرنے والی خاتون تھیں، وہ ہمارے ہاں آج بھی جاتی تھیں مگر اسی میں کدش کے آئے کی طرح آکڑی تھا دھیں۔ دادی نے کئی مرتبہ سمجھا یا تھا۔
 ”میرے دو بیٹے ہیں اسی اور میں چاہتی ہوں ل

”اگر نہیں۔“
 ”تو میں کب علیحدہ کر رہی ہوں انہیں۔“ اسی ہلک کر کہیں۔
 ”دیکھو خالدہ تمہارے بس ہیں ہوتو یہ بھی کرلو وہ دادو اور اس معاملے میں تمہاری نہیں سنتا۔“
 ”ہیش میرے بارے میں غلط ہی سوچتا۔“
 ”آپ؟“

”میں نے بال دھوپ میں سفید نہیں کیے۔۔۔“
 ”ادھی بھی تا بیو تو فضلہ جاری رکھیں اور تیرہ کوئی بھی نہیں اٹھا۔ کہ ایسے عورتوں کے جھگڑوں کا بھلا کب نتیجہ آتا ہے، یہ درود سنے ہوتے ہیں اور شام تک پمارنے ہو جاتے ہیں۔“

☆☆☆
 رات کو کھانے کی میز پر سب ہی موجود تھے۔ سلمان بھائی کچھ خاموش تھے کہ دادو بول پڑیں۔
 ”اچھا۔۔۔ اچھا۔۔۔“
 ”تو مجھ سے نہیں رہے سلمان۔“
 ”ہاں تو ہے دادو، چاول میں کھارہا ہوں۔“
 ”سلمان آج کتنی سے بولا۔“

”میں دیکھ رہی ہوں کب سے تم جیجے پر ہنسی پاؤں گی میں چادر ہے ہو۔“ دادو نے کہا۔
 ”ادوں میں چارے ہوئے۔“ اسی نے کہا۔
 ”اے سلمان کھائیں، بولے نہ کہیں سلمان بھائی کے۔۔۔“ میں نے فس کر کہا۔
 ”میں شریر۔۔۔ کوئی پریشانی ہے؟“ دادو پوچھ رہی تھیں۔

”میں تو دادو۔۔۔“ وہ آہستہ سے بولے۔
 ”بیوی کو لے آؤ تاکہ رکے تمہارا خیال۔۔۔“ اسی نے یک دم کہا۔
 ”اے ملائکہ طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“
 ”اے۔۔۔ ہائے کیا ہو؟“ دادو ٹپ ٹپ گئیں۔
 ”بعض عورتوں کی عادت ہوتی ہے خود کو بے ہوش غائب کرنے کی، ہم نے بھی بیچے پیدا کیے مگر پہلا

”میں نے بھلا چاہا۔“
 ”میں نے جسے بھلا۔“
 ”اے اے ڈاکٹر نے کہا ہے۔“ سلمان بھائی منتہانے۔

”اے لو، ڈاکٹر تو بیوی جتنی ہیں پورے توبہ ستر پر پڑے رہو، مگر ہی اٹھ جائے گی بلکہ پرکینٹ عورت کو چھو چلا پھر اور اچھا کھانا کام مزدور کرتے رہتا چاہیے۔“ انکس سناڑی ہوئی ہے اور عورت بلی، بھلی بھی رہتی ہے۔ تمہاری بیوی انوکھا بچہ پیدا کر رہی ہے۔“

”بھو کیوں بحث کر رہی ہو، ڈاکٹر نے کہا ہوگا تو سلمان کہہ رہا ہے۔۔۔“ دادو نے کہا۔
 ”ادھر۔۔۔ اے ہی نے سر جھٹکا۔“

”جب بیٹے پیادہ دیے جائیں تو دل بڑا کھلتا چاہیے۔“ دادو مسکرائیں۔
 ”اور کتنا بڑا کروں ماں جی، ہر بیٹے تو بہو بیگم کے چلے جاتی ہیں۔ میں نے کبھی کچھ کہا۔ روز فون پر کتنا گھٹنا ماں بیٹی بات کرتی ہیں پھر کاہ کی اداسی۔“
 ”وہ والدین کی اگلی اولاد ہے، ظاہر ہے اس کے ماں باپ اسے مس کرتے ہوں گے۔“ سلمان بھائی نے کہا۔

”ہر ایک کے والدین مس کرتے ہیں۔“ بس آج کل کی لڑکیوں کو چھوٹے کرنے کی عادت ہے اور مردوں کو ناز اٹھانے کی۔“ اسی نے سلمان بھائی کی طرف دیکھا جو سر جھکا کر بیٹھے تھے یہ ان کی شرور کی عادت تھی ہر بات سر ہوا سے سنتے نہ تھے ایک لفظ نہ نکالتے اور اسی دل بھر کر اس نکالتیں۔ آخر وہی ہوا انہوں نے پلیٹ پر کھسکا دی اور اٹھ کر ڈاکٹرنگ روم سے نکل گئے۔
 ”کھانا تو کھاؤ بیٹا۔“ دادی کا دل دہلا۔

”شہر رنگ آنکھوں والی لڑکی“ میں نے جلدی سے ڈریسنگ کے بڑے شے کے قریب جا کر پٹی آنکھوں کو دیکھا۔ مجھے تو ان میں کوئی خوب صورتی نظر نہیں آ رہی تھی مگر تیسور حسن نے چند لمحوں میں میری آنکھیں کھلی دیکھ لی تھیں۔ اسے یہ آنکھیں خوب صورت لگی تھیں، واہ۔

”چلو بے وقوف بتاتے ہیں۔“ میں نے سوچا۔
”اگر خود بے وقوف بن گئی تو۔“ دل نے کہا۔
”ہاں ممکن۔“ ایسا بھلا ہوسکا ہے ہم اتنے نادان تو نہیں۔۔۔۔۔ میں نے دل کو جھڑکا۔۔۔۔۔ میں نے دیکھا موبائل میں صرف ایک نمبر ہی save تھا اور یقیناً وہ تیسور حسن کا نمبر تھا۔ میں نے فون کر دیا۔ دوسری تہل پر کال انشیدو کر گئی۔

”اس گنٹ کا شکر ہے۔۔۔۔۔ کیا واقعی آپ لائیب کو جانتے ہیں؟“

”میں نے صرف تنکا مارا ہے، میں اس نام کی کسی لڑکی کو نہیں جانتا۔۔۔۔۔ تیسور جیسا۔“

”آپ بے حد بے ایمان ہیں۔“ میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔

لاؤنج میں دادو بیس آڈر چاچو سے فون پر بات کر رہی تھیں۔ میں بھی ان کے پاس جا کر بیٹھ گئی، بیسی آمنہ آچاچا سے بنا کر لے گئیں۔

”جیو بار بڑا موڈ ہو رہا تھا چائے پینے کا۔“ میں صوفے سے اٹھ کر ان کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔

”بھئی خود بھی ہاتھ پر چلا لیا کرو۔۔۔۔۔ ائی کو تو مجھ سے خدا واسطے کا پتہ تھا۔“

”کیوں۔“ میں نے شرارت سے کہا۔

”اور کیا۔۔۔۔۔ ائی ابھی اپنی رانیہ چھوٹی تو ہی ہے۔“

”ہا نہیں کوئی بک ہے شاید۔“

”کھولو تو کبھی اتنی خوب صورت پینٹنگ ہے۔“

”پھر کھول لوں گی تو بے لک کر اؤں۔“

”میں نے آئیڈی جانا ہے دیر ہو جائے گی۔“

”میں نے بھی دے دیکھتے ہیں اور اندر آگئی۔ اپنے کمرے میں آکر بیٹھ کر پینٹنگ چھینک دیا۔ میں عجیب سی شش و پنج میں تھی۔“

لائیب میری کلاس فیلو ضرور تھی مگر اتنی بھی دعا لایم نہیں تھی کہ مجھے گنٹ بیسی۔ میں انتہائی پریشان تھی۔ میں کل کالج جاؤں گی اور لائیب سے پوچھوں گی۔ میں سوچ کر مطمئن ہوئی اور پھر بیٹھ کر پینٹنگ کر رہی تھی۔

میں پینٹنگ رکھ کر کھولنے لگی۔ رسیہ کھولنے پر اس میں سے ایک ڈبا نکلا۔ ڈبے میں اوپر ہی ایک کارڈ تھا اور

چپ۔۔۔۔۔ میری حیرت سے آنکھیں ایک بار کھلیں اور میں شش دی۔ ڈبا کھولا تو اس میں موبائل میز دو بنا اور

انجائی خوب صورت کارڈ تھا۔ جس پر گلابوں کے درمیان لکھا تھا ”آئی مس یو“ اور اندر لکھا تھا۔

”اے شہر رنگ آنکھوں والی لڑکی پھر بک میری گاڑی کے پونٹ پر ایک کریشیوں اور اپنا دوپٹا چھوڑ ہاؤ گی۔ تیسور حسن۔“

”مائی گاڈ۔۔۔۔۔ یہ اس دن کی بے وقوفی ہے جو اتنے خوب صورت انعام میں ابھیں گی گئی ہے۔“

ساتھ ہی ڈریسنگ کارڈ بھی تھا جس کے پیچھے لکھا تھا۔

”خوب صورت آنکھوں والی لڑکی اگر مجھے فون کر دے تو زندگی حسین ہو جائے۔“

”فون کروں؟“ میں نے سوچا مگر وہ کیا سوچے گا میں کسی لڑکی ہوں۔ سوچتے دو وہاری کوئی رشتہ دار کو لے دالے۔

”ایڈو پھر گئی۔“ مجھے عجیب سی غمی محسوس ہوتی تھی۔

”کون محسوس آگیا۔۔۔۔۔ میں نے زور دیا ہوا لگا تھا۔ نعمان گیٹ پر چلا گیا، میں بھی بیٹ اٹھا۔

اس کے پیچھے چلی۔۔۔۔۔ بغیر اس احساس کے کہ دوپٹہ میری کمرے بندھا ہے بغیر سوچا ہے تھی میں۔ مانی۔۔۔۔۔ دروازہ کھول چکا تھا سامنے دو گاڑی والا موجود تھا ہاتھ میں پینٹ لیے اور مانی اس سے پوچھ رہا تھا۔

”کس سے ملنا ہے؟“

”ان سے۔۔۔۔۔ اس نے میری طرف اشارہ کیا مانی نے گھوم کر اپنے پیچھے دیکھا۔

”راہیہ سے ملنا ہے؟“

”جی جی۔۔۔۔۔ وہ گزربڑا کر بولا۔

”راہیہ تم سے ملے آئے ہیں۔“ مانی نے کہا۔

”مگر آپ کون ہیں؟“ میں آگے بڑھی۔

”میں لائیب کا بھائی ہوں۔“ اس نے خود کو کیونکر لائیب۔۔۔۔۔ میں نے کدھرا یا۔

”وہ۔۔۔۔۔ وہ آپ کی کلاس میں پڑھتی ہے۔“

”ہاں۔۔۔۔۔ لائیب میری کلاس فیلو ہے مگر اس سے میری ایسی دوستی تو نہیں کہ وہ آپ کو میرے گھر بھیج دے۔“ میں حیران پریشان سی گیٹ پر کھڑی تھی۔

”یہ پینٹ اس نے آپ کے لیے کیجا ہے۔“

”میرے لیے کمرے کیوں؟“

”مجھے کیا پتا۔“ مجھے تو اس نے کہا میں نے لے لیا۔

”لائب۔۔۔۔۔ میں نے ہاتھ بڑھایا اور وہ پینٹ لے لیا۔

”میں کلاس کھا چکا دادو۔“ سلمان بھائی یہ کہتے ہوئے ڈائمنگ روم سے باہر چلے گئے۔ مجھے بہت دکھ تھا کہ بھائی نے واقعی کچھ نہیں کھایا تھا مگر اسی کی تو یہ عادت تھی تھی پھر پریشان ہونے کیا بات تھی؟ مجھے تو کبھی ڈانٹ پڑتی تو بھی ڈٹ کر کھائی بھلا کھانے سے کیا ناراضی۔ اور یہی بات اب دادو کدھ رہی تھیں۔

”کھانے سے کیا ناراضی اور یوں بھی بہو کھاتے وقت بچوں کو نہ ٹوکا کرو۔“

”اماں جی آپ بھی نا۔۔۔۔۔ اب وہ بچہ نہیں ہے بلکہ بچے کا باپ ہونے والا ہے اب میرے خیرے تو میں نہیں اٹھا سکتی۔“

”اچھا ابھی چھوڑیں فصول بحث کو دادو یہ کوفتوں کا ڈنگ تو میری طرف بڑھا میں، سلمان بھائی کے حصے کا بھی کھانوں۔“ میں نے کہا۔

”عذریہ ہی رہتا بیٹھ۔۔۔۔۔ اسی نے کمر کا مگر مجھے کب پر دیا۔“

”مونی ہو گئی تو کوئی پینٹنگ بھی نہیں بیٹھی رہتا میرے سینے پر مومک دینے کے لیے سدا۔“ اسی نے

”کھانے پینے پر مت ٹوکا کرو خالدہ، ابھی بچی ہی تو ہے۔ کھاؤ میرا کچھ۔۔۔۔۔ دادو نے ڈنگ میرے سامنے کر دیا اور میں نے اطمینان سے سنان پلٹ میں ڈالا۔ اسی کی طرف دیکھا بھی نہیں کہ لاڈ لادوہ دیکھ رہی تھیں۔

☆☆☆

میں اور نعمان ڈرائیو دے کر کمرٹ کھیل رہے تھے۔ لان میں دادو، مانی سے سر میں تیل گوارا ہی تھیں۔ میں کر رہی تھی جبکہ نعمان بال ٹنگ کر رہا تھا۔

جانی سر دیوں کی دھوپ میں تھیں نہ ہونے کے برابر تھی اور بہت مزہ آ رہا تھا۔ نعمان نے بال بیگنی کے تیل

”کیا ہے راہیہ۔۔۔۔۔؟“ نعمان پوچھ رہا تھا۔

”کیسے میں کھولے گا۔“ اس نے میری طرف

”جھک کر سر موڑی کی بھڑبھڑی سے مڑا اور پلٹ کر سر نوک

کنارے کھڑی کار میں جا بیٹھا۔ میں نے گیٹ بند

”کیا ہے راہیہ۔۔۔۔۔؟“ نعمان پوچھ رہا تھا۔

”کوئی چھوٹی نہیں ہے، اپنے ساتھ کام میں لگاؤ اگلے گھر جانے کی تو مجھ پر سوسو باتیں ہوں گی۔“
 ”اگلے گھر کی دھمکی ضرور دیا کریں امی وہاں کیا سب بھیڑیے ہوں گے..... جو مجھے چر پھاڑ ڈالیں گے۔“ میں نے کہا۔

”بکواس کیے جانا، چلو اشو آمنہ کے ساتھ کام کرو، طلحہ رات کا کھانا ہمیں کھائے گا۔“ امی نے مجھے گھر کتے ہوئے کہا۔

”چائے تو پیئے دیں اور ہاں امی طلحہ بھائی کیوں آرہے ہیں؟“
 ”اے لو کتے دنوں کے بعد تو وہ آرہا ہے۔“ امی نے چمک کر کہا۔

”میں نے تو یونہی پوچھا ہے، آپ تو خفا ہونے لگیں۔“ نہ جانے کیوں میری آنکھوں میں نمی اتر آئی۔ میں اٹھ کر باہر جانے لگی تو امی نے بلایا۔
 ”آمنہ کے ساتھ کام ہی کرو الو ہر وقت شتر بے مہار بنی پھرتی ہو۔“ میں نے پلٹ کر دیکھا۔

”آمنہ آپا کا منگیترا آرہا ہے نہ کہ میرا وہ خود ہی اجتماع دل سے کریں گی اور اچھا کریں گی آپ فکر مند نہ ہوں۔“ میری بات پر دادو ہنس دیں جبکہ امی کی پیشانی کے تل کچھ اور بڑھ گئے۔

”بڑی زبان چلتی ہے رانیہ تمہاری کسی دن کاٹ کے رکھ دوں گی۔“ میں نے امی کے جملے کی پروا نہیں کی ایسی دھمکیاں میں بچپن سے سنتی آئی تھی اس لیے ایسی دھمکیوں پر کڑھنے کا کوئی بھی فائدہ نہیں تھا، میں باہر لان میں چلی آئی۔

☆☆☆

میں اپنے لیے اسکواش بنا رہی تھی۔ ملائکہ بھابی کچن میں ہانڈی بھون رہی تھیں کہ یک دم ہی وہ کچن سے باہر نکل آئیں ابکائیاں آنے لگی تھیں۔ میں نے جلدی سے چولہا بند کیا اور ان کے پیچھے لپکی وہ

کیاری میں بیٹھی ابکائیاں لے رہی تھیں۔
 ”بھابی طبیعت تو ٹھیک ہے۔“ انہوں نے اثبات میں سر ہلایا اور اشارے سے کہا۔ میں ہانڈی دیکھ لوں۔

”میں نے چولہا بند کر دیا ہے۔“ میں نے کہا۔
 ”گڈ۔“ وہ اٹھتے ہوئے بولیں۔
 ”زیادہ طبیعت خراب ہے تو ڈاکٹر کے پاس چلیں۔“

”نہیں میری جان..... آئی ایم آل رائٹ تم پریشان نہ ہو۔“ بھابی نے میرا گال تھپتھپایا اور کچن کی طرف بڑھ گئیں۔

”آپ اپنے کمرے میں جائیں، میں سالن پکالتی ہوں۔“ میں نے کہا۔

”آنتی ناراض ہوں گی۔“
 ”انہیں کون بتائے گا کہ سالن کس نے بنایا ہے۔ آپ بے فکر ہو جائیں۔“
 ”سلان کے لیے پڈنگ بھی بنانی ہے۔“ انہوں نے کہا۔

”حاضر سائیں.....“ میں نے سر جھکا کر کہا تو وہ ہنستے ہوئے آگے بڑھ گئیں میں کچن میں آگئی۔ چولہا جلایا۔ گوشت تقریباً بھن چکا تھا میں نے ہلکا سا پانی ڈال کر شور بہ تیار کر لیا۔ میں انڈے پھینٹ رہی تھی کہ امی آگئیں۔

”ملائکہ کہاں ہے؟“ امی نے پوچھا۔
 ”اپنے کمرے میں طبیعت خراب تھی تو.....“ میں نے بتایا۔

”اور تم کھانا پکا رہی ہو۔“
 ”تو کیا حرج ہے، میں اتنی پھوہڑ بھی نہیں ہوں۔“ امی نے گھور کر مجھے دیکھا اور پتیلے کا ڈھکن ہلاتے ہوئے بولیں۔
 ”یہ کیا پکا رہا ہے؟“

”کیا ہوا ملائکہ کو۔“ سلمان بھائی پریشان ہو گئے۔

”بس بھئی سب کام نہ کرنے کے بہانے ہیں۔ سن لو سلمان بس ایک بچے کے بعد اور کی گنجائش نہیں ہے۔“

”کیا کہہ رہی ہو بہو۔“

”میں ایسے نازخروے نہیں اٹھا سکتی۔“ امی نے ہاتھ اٹھا کر صاف جواب دیا۔ سلمان پریشان نظروں سے ماں کو اور کبھی دادی کو دیکھنے لگے پھر جلدی سے چائے کاگ ادھورا چھوڑ کر اٹھ گئے۔

”دیکھ لو کیا جانے کو آگیا.....“ امی! سلمان بھائی کو تیزی سے جاتے دیکھ کر بولیں۔

”بیوی ہے اس کی آخر، وہ خیال نہیں کرے تو اور کون کرے گا۔“ دادو نے بھی سلمان کی طرف داری کی۔

”میں تو کہتی ہوں جب تک بچہ نہیں ہوتا ملائکہ اپنے میکے ہی رہے۔ مجھے فضول سی ٹینشن ہوتی ہے اس کی ادا میں دیکھ کر۔“

”امی اب ایسی بات بھی نہیں وہ...“ میں نے کہنا چاہا۔

”کواس کرتی ہو، میری اماں نہ بنو اور دفع ہو جاؤ۔“ امی نے مجھے گھورا تو میں نے ٹرے اٹھائی۔

”خود پکالیں جو پکانا ہے، میں چلی پڑھتا ہے میں نے.....“ میں نے غصے سے کہا اور پاؤں پٹختے ہوئے اندر آ گئی۔

”کچن میں مجھ سے پہلے آمنہ آپا موجود تھیں۔ فیلٹ پر میں نے ٹرے پٹختی۔“

”ارے، غصہ مگر کیوں؟“

”یہ تو بتائیں امی میری سگی ماں ہیں یا.....؟“ آمنہ آپا ہنسنے لگیں اور میں تیزی سے کچن سے نکل آئی۔

”سالن ہے چکھ کر دیکھ لیں مٹن ہے۔“

”وہ تو دیکھ رہی ہوں اس میں پالک ڈالنی تھی۔“

”تمہارے اماں نے پالک گوشت پکانے کا کہا تھا۔“

”چلیں اب ڈال دیتی ہوں پالک کا کیا ہے۔“

میں نے بے پروائی سے کہا۔

”گوشت کا قیمہ بن جائے گا۔“

”پالک ابال کر ڈال دیتی ہوں۔“ میں نے حل

پیش کیا۔

”کوئی ضرورت نہیں ہے.....“ امی نے ڈھکن

دور سے تیلے پر مارا اور بولیں۔

”دادی کے لیے چائے بنا لاؤ، وقت بے وقت

انہیں چائے کی ہڑک اٹھتی ہے۔“ منہ بتاتی امی پر مجھے

لمبی آ رہی تھی مگر میں نے بہت مشکل سے ہنسی ضبط کی۔

چائے بنا کر دو گوں میں انڈیلی کہ میرا ارادہ بھی

تھا دادی کے ساتھ چائے پینے کا۔ باہر آئی لان میں تو

اسی وقت سلمان بھائی بھی آ گئے انہوں نے کار پورچ

میں روکی اور اپنے کمرے میں جانے کے بجائے لان

میں آ گئے جہاں دادی اور امی بیٹھی تھیں۔

”السلام علیکم دادو۔“ سلمان بھائی بولے۔

”وعلیکم السلام جیتے رہو.....“ دادی نہال ہو گئی

تھیں۔

”چائے پیئیں گے بھائی.....؟“ میں نے

پوچھا۔

”نیکسی اور پوچھ پوچھ.....“ وہ لان چیئر پر بیٹھ

گئے۔ میں نے میز پر ٹرے رکھی۔

”ارے تم اپنے لیے چائے لائی ہو۔“

”نہیں بھائی، دو کپ بن گئے تھے آپ کا

اصیب۔“

”دانے دانے پر مہر ہوتی ہے۔“ دادو نے محبت

سے کہا۔

”جیکم کی بھی خبر لو۔“ امی نے کہا۔

☆☆☆
اپنے کمرے میں آکر میں نے دروازہ بند کیا اور پھر تیسرے کونوں کر دیا۔ وہ مجھے سختی تھا۔
”راہے میں تین دن سے تمہارے فون کا انتظار کر رہا تھا۔“
”کیوں، آپ کو کوئی اور کام نہیں ہے۔“
”بہت کام ہیں مگر آنکھوں کے سامنے سے وہ چہرہ جٹا ہی نہیں کر کوئی اور کام کروں۔“
”کون سا چہرہ.....؟“ میں نے شوشی سے پوچھا۔
”تمہارا چہرہ.....“
”اچھا..... میں نہیں دی۔“
”کیا کر رہی تھیں.....؟“
”ابھی تو بہت میں غصے میں تھی۔“
”تو سمجھا نہیں..... وہ حیران تھا۔“
”بس اس کی ذہانت پڑ جائے تو پھر غصہ.....“
میں نے جملہ امور اچھوڑ دیا۔
”آسان کچھوئے لگتا ہے۔“ تیسرے چہرہ۔
”اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔“
”اچھا چھوڑو کب مل رہی ہو؟“
”اب تم بات چیت پھیلانے لگے۔“
”میں سمجھا نہیں۔“
”بلنا ضروری ہے کیا؟“
”تم سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔“
”تو اب بیٹھے بھون رہے ہیں، باتیں ہی تو کر رہے ہیں ہم۔“
”میں نہیں سامنے بٹھا کر دیکھنا چاہتا ہوں۔“
”تینوں سامنے بٹھا کے شراباں ایو میرا جی کر دیا۔“
”تیسرے دروازے سے دیا۔“
”یہ شعر تو کتنے کہنا چاہیے تھا۔“

”جیسے کوئی شرمندہ نہیں آتی۔“ میں نے بتایا۔
”ایک بار سامنے تو آؤ۔“ وہ شوشی ہوا۔
”خود شراباں لگو گی۔“
”اتنی خوش بھی میں نہیں رہا ہوں۔“
”پھر مل رہی ہو؟“ وہ پوچھ رہا تھا۔
”بھئی کیسے ممکن ہے؟“
”کیوں نہیں ممکن بندہ فیصلہ تو کرے۔“
”دیکھیں میں بھی کیسی نہیں نہیں تھی۔“ میں نے بتایا۔
”اب ہمت کرو۔“ تیسرے نے کہا۔
”ہمت تو مجھ میں بہت ہے۔“
”پھر کیا مسئلہ ہے؟“
”بس میں ملنا نہیں چاہتی۔“
”وجہ.....؟“
”بس میرا سوڈ نہیں ہے۔“
”یار سوڈ بنا ڈروانی..... ہم دوست ہیں نا؟“
”جانتی نہیں۔“
”آخر تم اپنی باتیں کرتے ہیں تو.....“
”یعنی جس سے بات کر لی جائے وہ دوست ہوا۔“
”پھر کیا ہوتا ہے؟“
”دوست ہونا نہیں رہا بات کرنے والا۔“
”خیر اشرع کر دیا فراز کے شعر۔“ تیسرے نے کہا۔
”میں نے اپنے مطابق تبدیلی کی ہے.....“
”میں نے نہیں کر کہا۔“
”اچھا تم سوچو۔“ تیسرے بولا۔
”اوکے۔“
”پہلے وعدہ کر دو لو گی۔“ وہ بے چینی سے بولا۔
”وعدہ نہیں دیکھو گی۔“ میں نے جلدی سے فون بند کر دیا کچھ بوریت ہونے لگی تھی۔ فون ٹپکے

”جہاں لوں گی۔“

”بھائی آپ بھائی کو ڈاکٹر کے پاس لے جائیں۔“

”ہاں نہیں سوچ رہا ہوں۔“

”پہلے کھانا کھا لیں پھر چلے جائے گا۔“ میں نے روم فرنیچ سے پانی کی بوتل نکال کر میز پر رکھی اور باہر نکل آئی۔

☆☆☆

موسم بہت خوشگوار تھا۔ میں تیسری پرکزی باہر سرک پر گزرتے لوگوں کو دیکھ رہی تھی اور کبھی آسان کی طرف دیکھنے لگتی تھی چادر ہاتھ کا ایک دم بارش ہو مگر دل کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے؟ بھی آئندہ آپ آج نہیں

”کیا کر رہی ہو رانی؟“

”موسم اچھا ہے کر رہی ہوں۔“

”اچھا۔“ وہ تیسرے پرکزی سے۔

”آپ ایک تو طلحہ بھائی بھی عجیب ہیں۔“ میں نے کہا۔

”کیوں بھلا.....؟“ آئندہ آپ حریت سے بولیں۔

”بھئی آپ کریں بھانے بھانے سے..... آپ کو گھمانے لے جائیں۔“

”پھر کیا ہوگا؟“ وہ مسکرائیں۔

”میں بھی ساتھ لنگ جاؤں گی اور کیا ہوگا۔“

”طلحہ بہت شریف انسان ہیں۔“

”جی ہاں، بانی کے تو منکیتروں کی قاتلوں میں تصویریں لگی گئی ہیں۔“

”تم منکیتی کروالو تو۔“

”رہنے دیں اگر میرا منکیتروں بھی طلحہ بھائی جیسا سڑیل ہوا تو۔“

”طلحہ سڑیل تو نہیں۔“

”پھر بھی کچھ تو ہیں نا.....؟“

آگیا۔ جب اس نے مجھے سلام کیا تو میں کوئی جواب دینے بغیر ستر بھاگی اور اندر اپنے کمرے میں جا کر دم لیا، میں ان دنوں میٹرک میں تھی تو یہ تھا میرا سوکھا سال۔

”تم نے اکل شاہ سے کبھی کوئی بات نہیں کی؟“

تیور پو پھر ہاتھا۔
”واقعی نہیں کی اگر کرتی تو جہیں بتاتی۔ اس نے تو پردہ پڑھ لی جیسا تھا۔“

”پھر؟“

”پھر یہ کہہ دیا نہ ابھی چھوٹی بنے وہ تو کہتے تھے کئی کردیں چار پانچ سال بعد شادی کریں گے مگر بابا نہ مانے۔“

”اور تم؟“

”مجھے کیا ضرورت کی کچھ کہنے کی۔“

”کیا تم قاس کا؟“

”اکل شاہ۔“ میں نے کہا۔ ”تم جانتے ہو؟“

”نہیں تو دیے ہی پوچھا تھا۔“ تیور کا لہجہ سرد تھا۔ میں نے توجہ نہ دی۔

”چھاپا نہ ابھی سوئیں نیند آ رہی ہے۔“ تیور نے کہا۔

”مجھے تو نہیں آ رہی۔“ میں نے بتایا۔

”تم جاگو مجھے سونے دو۔“ تیور نے کچھ کہے

بتاؤں بند کر دیا اور میں حیران تھی کہ ایسا تو کبھی نہیں ہوا تھا۔ ہمیشہ فون میں ہی بند کرتی تھی کبھی اس نے فون بند نہیں کیا تھا۔ نہ حیرت زدہ تھی۔

☆☆☆

مجیب بی بی چینی نے مجھے اپنے صبا میں لیا ہوا قلبہ تو میرا دل عباد کے ساتھ کیلے میں بھی نہیں لگ رہا تھا۔ میرا دل میں پاؤں میں جلی کی طرح پکڑتی

ہی۔۔۔۔۔ تیور کے رات کے رو دیتے تھے اپنے

ماہنامہ ہبلا کیڑہ۔ جون 2012ء

”تمہیں مجھے کی ضرورت بھی نہیں کرتل صاحب کہاں ہیں؟“ وہ بولا۔

”میری بات کا جواب دو۔“

”یار جانے تو پلاؤ۔“ تیور کا مود نہایت خوشگوار تھا۔

”مجھے بتاؤ اچانک کہاں غائب تھے، تمہیں پتا ہے میں کس قدر پریشان تھی۔“

”مجھے پتا ہے۔“ تیور بھر پور طریقے سے

مکرایا۔

”پھر بھی تم نے یہ حرکت کی اور مجھے بتائے بغیر۔“

”اب تو آگیا ہوں۔“ تیور نے میری بیگلی

آنکھوں میں ہونے پریشان ہوں مگر ایسا کتنا اچھا

”مگر ایسی کیا ایرجی ہو گئی تھی کہ مجھے انفارم نہ

کیا پھر تمہارا فون بھی پاورڈ آف رہا۔“

”میں اکل شاہ سے ملنے گیا تھا۔“ تیور نے

بتایا۔

”کیا۔۔۔۔۔ کیوں؟“

”میرا حیرت سے برا

حال تھا۔“

”رانو۔۔۔۔۔ تم نے پوچھا تھا کہ میں اکل شاہ کو

جاتا ہوں تو ہاں میں اسے جانتا ہوں، وہ میرے

گاؤں کا ہے اور ہم نے ایک ساتھ کیش لیا تھا آج کل

وہ کوئٹہ پہنچے۔“

”مگر اس کے پاس تم کیوں گئے؟“

”تمہاری باتوں کی تصدیق کے لیے۔“ تیور نے

بتایا۔

”واٹ۔۔۔۔۔ میں ایک جھگڑے سے کرسی سے اٹھ

کڑی ہوئی، مجھے لگا جیسے ریشے پکڑا رہی ہو۔“

”جج بتاؤں رانو۔۔۔۔۔ جب تم نے مجھے اکل شاہ

کے بارے میں بتایا تو میرے دل میں بہت اندر کیا

پھانسی چبھ گئی۔“

سیٹ کر رکھا تھا۔ رات کو میں کھانا کھائے بغیر اکرے میں گس گئی۔ رات کو گیارہ بجے تیور فون کا

تھا اور میرا دل کڑی کی سویوں کی تک تک کے ساتھ

دھڑک رہا تھا۔ وقت گزرتا جا رہا تھا۔ بارہ بج گئے

تھے مگر تیور کا فون نہیں آیا۔ آخر میں نے خود فون

کیا مگر فون پاورڈ آف تھا اور پھر ساری رات

پیغام ملتا رہا۔

پتا نہیں میری آنکھوں سے کیوں آنسو بہنے لگے۔

اسی کیا بات ہو گئی تھی جو وہ خفا ہو گیا تھا۔ میرے

سوچوں میں تو ایسا کوئی وقت یا بات نہیں تھی جو اس

خفگی کا موجب ہوئی۔ اس طرح تین دن

گزر گئے۔ اسی بھری میں کبھی تیور کا پورڈ آف

رہیجٹ ہونے پر پریشان ہوں مگر ایسا کتنا اچھا

انکا ہوا اب کبھی اسی نے تیور سے کچھ کہہ

ہوا اور وہ اسی لیے فون نہ کر رہا ہو۔ یہ خیال میرے

دماغ میں ریگ گیا۔

”نہیں۔۔۔۔۔ ایسا ہوتا تو وہ مجھ سے بات کرتا۔

شاید پچھوا بات ہو؟“ شام کے سائے پھیل چکے تھے

باہر رشتہ دار جا چل رہی تھی میں لان میں نکل آئی اور

خفگی ہوئے میں تیور کے بارے میں ہی سوچ رہی تھی

کہ کیٹ پر چیپ آکر وہی میں ٹھک گئی۔ تیور اندر

داخل ہوا تھا۔ مجھے لان میں دیکھ کر وہیں پا

آیا۔۔۔۔۔ مکراتا ہوا۔

”ہیلو۔۔۔۔۔ رانو۔۔۔۔۔“

”کیاں تم تھے؟“ بے قراری میرے لفظوں

سے عیاں تھی۔ میرا لہجہ اسے بتا گیا کہ میں کس قدر

پریشان تھی۔

”پھانسی کالے کیا تھا۔“ تیور لان چتر بزم

گیا، میں میں جلدی سے اس کے سامنے والی کرسی

بیٹھ گئی۔

”میں کبھی نہیں۔“

”تم نے مجھے کبھی کبھی میں نے سمجھ لیا تھا۔“

آواز بھی مجھے میری نہیں لگ رہی تھی۔

”تجربے نے اثبات میں سزا ملایا۔“

”پھر اکل شاہ نے کیا بتایا۔۔۔۔۔“ میں نے

پوچھا۔

”وہی جو تم نے بتایا اور یہ بھی کہ کرتل صاحب

نے اس کا پردہ پڑھ لیجٹ کر دیا تھا کہ تم چھوٹی

ہو۔“ تیور کہہ رہا تھا اور میرے خواب اس حقیقت کی

چٹان سے ٹکرا کر اکر گئی ہوئے گئے۔

”تم نے مجھ پر اعتبار کیا تھا اور میرے کردار

کی گواہی لینے اکل شاہ تک پہنچ گئے۔ یعنی تمہیں مجھ پر

بھروسہ نہیں تھا۔“ میرا لہجہ میرا انداز یک دم ہی بدل

گیا۔

”یہ بات نہیں ہے رانو۔“ تیور نے کہا بتا جا۔

”یہی بات ہے تیور حسن اگر۔۔۔۔۔ مگر اکل شاہ

جھوٹ کہہ دیتا کہ اس کے علاوہ میں نے بھی اسے جانا

تو تم اعتبار کر لیتے۔“

”ہاں۔۔۔۔۔ گہری سانس لیتے ہوئے تیور نے

کہا۔

”اور پھر لوٹ کر نہ آتے۔“

”یہ میں نہیں کر سکتا تھا۔“ تیور نے سچائی سے

کہا۔ ”کہ مجھے تم سے محبت ہے رانو۔“

”یہ۔۔۔۔۔ محبت ہے جس کے کردار کی گواہی تم

دوسروں سے لینے کے لیے اتنا زور کے گئے۔ اس کا

مطلب ہے تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں تھا اور نہ ہی اپنے

جذبوں پر۔۔۔۔۔ پھر یہ کیسی محبت تھی۔“

”محبت تھی نہیں، مجھے اب بھی تم سے محبت ہے

رانو۔“ تیور کہہ رہا تھا۔

”مگر میں کہوں کہ اکل شاہ نے تم سے جھوٹ

بولایا ہے تو پھر؟“

”مجھے پتا ہے کہ اس نے جھوٹ نہیں کہا۔“ وہ

ماہنامہ ہبلا کیڑہ۔ جون 2012ء



پاکیزہ کی قادی عارفہ قادی شادی جناب ونگر منظر دلال مندی کے بیٹے شاہ زیب کے ساتھ ہوئی

”سوچ لو ایسے فیصلے یک دم نہیں کیے جاتے۔“
 ”فیصلہ یک دم ہی ہوتا ہے اے..... آریا
 پار..... اب میرے سامنے تیور کا نام نہ لایا جائے ورنہ
 میں خود کو ختم کر دوں گی۔“ اے کی پکا پکا مجھے دیکھتے لگیں۔
 پھر میں آذر چاچو کے ہاں گوجر انوالہ چلی
 آئی۔ زہنی کے ساتھ میں بھی میرے دل کی ادائی نہ
 گئی۔ آخر سب کی کوششیں رانگاں گئیں اور میں ریزہ
 ریزہ وجود کے ساتھ جیت گئی۔ پھر میں نے سنا تیور
 حسن کا ٹرانسفر ہو گیا ہے تو ایک آسودہ سی سگراہٹ
 میرے لبوں پر پھیل گئی۔ ☆ ☆ ☆

میں یک دم ہی سمجھ گئی تھی۔ یہ خیال کسی بل بھی
 میرا چھینا نہ چھوڑتا کہ تیور نے میرے کردار کی گواہی
 اکل شاہ سے چاہی تھی۔ کیا میں اتنی بے اعتبار تھی۔ کیا
 میرے جذبے اتنے بے وقعت تھے کہ جنہیں کسی اور کی
 گواہی کی ضرورت پڑ گئی۔ میں سب کچھ بھولنا چاہتی

مٹانے کی کوشش کی۔ فون کرتا تو میں امنیڈ نہیں
 کرتی۔ طلحہ بھائی کو اس نے مجھے مٹانے کے لیے
 بھیجا۔ ملائکہ بھائی سے ضد کی..... مگر میں نے کسی کی نہ
 مانی..... وہ بابا سے ملے آتا اور میں اپنے کمرے میں
 گھس جاتی۔ اسی پریشان تھی، وہ یہی سمجھ رہی تھیں کہ
 میں ان کی وجہ سے تیور سے ٹھٹھکتی..... تب ایک روز
 اسی نے مجھے کہا تھا۔

”رانہہ خود پر جبر مت کرو۔ میں نے شفقت
 بھائی کو انکار کر دیا ہے تم جو چاہتی ہو وہی ہوگا.....
 تم.....“
 ”میں چاہتی ہوں میرے سامنے تیور کا نام نہ
 لیا جائے۔“ میں نے اطمینان سے کہا۔
 ”کیوں آخر؟“ اے کی حیران تھیں۔
 ”مجھے اس سے نفرت ہے۔“
 ”میں بھی نہیں۔“

”بس نہ سمجھیں تو بہتر ہے، اسی میں بے اعتبار
 شخص کی زندگی میں شامل نہیں ہو سکتی۔“ پھر اسی کی کود
 میں رہ کر مگر میں نے سب کچھ بتا دیا۔
 ”یہ تو کوئی ایسی بات نہیں کہ تم اپنے دل کے
 ٹکڑے کر لو۔“ اے کی نے مجھے گھمانا چاہا۔
 ”بس اسی میں کسی ایسی شخص کے ساتھ نہیں رہ
 سکتی جسے مجھ پر اعتبار ہی نہیں ہو اور محبت میں اعتبار
 پہلی شرط ہوتی ہے، اس رشتے میں اعتبار کو ہم پہلی
 پشت نہیں ڈال سکتے۔“ پھر آپ تیور کو منہ کر دیں وہ
 یہاں نہ آیا کرتے، کتنی نفرت ہے اس سے۔“
 ”سوچ لو بٹا جنہیں چاہا جائے اُن سے
 نفرت.....“ اے کی نے کہا تھا۔

”مگر مجھے اس سے نفرت ہے، اسی میں نے
 اسے اپنی شہت سے نہیں چاہا جتنی شہت سے مجھے
 اس سے نفرت ہوئی ہے۔“ اے کی نے میرا چہرہ تھام کر
 میری پیشانی پر ادر بو لیں۔

”مکھڑا۔“
 ”یعنی تم میری بات کا اعتبار نہیں کرو گے۔“
 ”یہ بات نہیں۔“
 ”نہیں تیور حسن..... تم چلے جاؤ..... اب کچھ
 نہیں رہا میں ایسے شخص کے ساتھ تمام عمر نہیں چل سکتی
 جسے مجھ پر اعتبار نہیں ہو۔“
 ”رانو..... کیا کہہ رہی ہو تم؟“ وہ کرسی سے اٹھ
 کھڑا ہوا۔
 ”جو آپ نے سنا..... آئی ہیٹ پڑھتی مری ہوئی
 ذہنیت ہوئی آپ کی میں سوچ بھی نہیں سکتی۔ آئندہ
 یہاں مت آنا اور نہ ہی مجھ سے ملنے کی کوشش کرنا۔“
 میں نے لٹھ چاچا کرادیا۔
 ”رانو تمہارا دماغ تو صبح ہے؟“ تیور حیران
 تھا۔

”آج ہی تو دماغ صحیح فیصلہ کر رہا ہے۔“
 ”تم مجھے بھول پاؤ گی؟“ تیور نے پوچھا۔
 ”بھلا مشکل تو نہیں تیور حسن..... میں جنہیں
 اپنے دل اور یادوں سے سوچ سیکھوں گی۔“ میرا وجود
 مارے غصے سے لرز رہا تھا پھر میں تیز تیز قدم اٹھاتے
 ہوئے اندر آئی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میرے
 چاروں طرف ریت کے ٹوکے ڈر رہے ہوں اور گرم
 ریت میری آنکھوں میں گھس چادی ہو۔ دور دور تک
 ریت کے ٹوکے ہیں اور سامنے کا نشان تک نہ ہو۔
 وہ ساری رات میں تڑپتی رہی، سسکتی رہی مگر میری
 آنکھوں سے ایک آنسو نہ پکا کاس شخص کے لیے میں
 کیوں آنسو بھائی جس نے میری قدر نہ کی۔ میری
 محبت کا اعتبار نہ کیا اور اکل شاہ کے پاس چل گیا۔ وہ
 کیا سوچنا ہوگا۔ تنہا ہکا کر دیا تھا تیور نے
 مجھے۔ میری محبت کو کھسکے ہوئے ملا کر دیا تھا۔
 میرے خواب کچھ اس طرح گھر سے تھے کہ میں
 خود بھی ٹوٹ گئی تھی پھر تیور حسن نے بہت بار مجھے



”شا ق پاکستان پہنچ گیا۔“ خراتی غیر متوقع قس کر دسی کا ساتھ کی دہائی قلمی ہر سن جیسا توکل میں صورت حال کے مطابق لگا اس لیے برداشت او گیا۔ وہ نہ توئی جوتے ہر اہ کو سنے خاطر تو ضیع کے لیے

”فیصلے کا اختیار دیکھو۔“ بابا اور امی نے کہا تھا اور میں نے آمنت آپا سے سوچنے کا وقت مانگا۔ مگر یہ کیا۔ میں تہیز حمید کے بجائے تہارے بارے میں سوچ رہی ہوں ہمیشہ کی طرح۔ تہیز حسن بار بار سوچا تو دل نے تمہیں با عزت بری کر دیا مگر۔۔۔ مگر میرا دماغ تمہیں معاف نہیں کر سکا۔ جبکہ دل آج بھی تمہارا طرہ نثار ہے۔ میری انا کو زبردست چوٹ دی تھی تم نے۔۔۔ مگر چار سال گزرنے کے باوجود آج بھی تم میرے دل کے گھٹا سن پر موجود ہو۔۔۔ ہے تا جہت انگیز بات اور۔۔۔ اور میں آج اعتراف کرتی ہوں کہ تمہیں تو پتا ہی نہیں ہوگا کہ وہ پاگل مگر۔۔۔ جذباتی لڑکی بننے کوئی تھا کہ وہ تمہیں بھلا دے گی تو وہ جھوٹی لگی مگر۔۔۔ مگر میں تمہیں کیوں یاد کر رہی ہوں۔

”تم نے مجھے بھلا یا ہی کب ہے راتو۔“ میرے قریب عید سرگوشی ابھری۔ میں نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔ ارے یہ آواز تو میرے دل سے آرہی ہے۔ میں مسکرا دی مگر میری جلتی آنکھوں سے آنسو ساروں کی طرح ٹوٹ کر بہنے لگے اور جب میں نے لمبے کے ہزار دیوں جسے میں فیصلہ کر لیا آمنت آپا کی بات مان لوں بقول ان کے میں تہیز حمید کے دل کی خواہش ہوں۔

میں تو اکل شاہ کے دل کی تنہا بھی تھی اور تہیز حسن کی چاہت بھی۔ تہیز حسن میرے دل کی خواہش تھا جو میری آنکھوں کا خواب تھا وہ بے اعتباری کی آگ میں جھلس گیا۔ میں نے تہیز حمید کی ہونے کا فیصلہ کر لیا کہ جو ہم چاہتے ہیں وہ ہمیں نہیں ملتا پھر اسی کے کیوں نہ ہو جائیں۔ جسے ہم پیارے کہتے ہیں۔ مجھے یقین ہے تہیز حسن میں تمہیں شاید بھی نہ بھلاؤں۔۔۔ البتہ تمہاری یادوں کو دل کی تہیز میں دفن کر کے اس شخص کے سبک زندگی گزارنے کے

عمل سے گزردی کی جو میرے کردار کی گواہی کے لیے کبھی تمہارے پاس نہیں آئے گا کہ میں اسے کبھی ہٹاؤں گی میں نہیں کہ میری زندگی میں کبھی کوئی تہیز حسن بھی آپا تھا جس کی چاہت کے بیٹہ میں، میں بھی تھی۔ میں نے اپنا کل فون بیٹہ سائنڈ ٹیبل سے اٹھایا اور آمنت آپا کا نمبر پڑا۔ دوسری ہی تیل پر فون انٹینڈ کر لیا گیا۔

”ہیلو۔۔۔“ دوسری جانب تہیز تھا۔

”آمنت آپا سے بات کرنی ہے۔“

”وہ فرخ کو کھانا کھا رہی ہیں۔۔۔ میں انہیں فون دیتا ہوں۔“

”رہنے دیں۔۔۔ میں آج مسیح دے دیں کہ مجھے ان کی بات منظور ہے۔“

”کون سی بات؟“ تہیز پوچھ رہا تھا۔

”آپ کو پتا نہیں۔“

”پتا تو ہے کہ آپ کے لبوں سے سنتا چاہتا ہوں۔“ وہ دھیرے سے بولا۔

”تو سن لیجئے، مجھے آمنت آپا کے دیور کا ساتھ منظور ہے۔“ میں نے کہا اور تہیز کا جواب سے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا۔

میری آنکھیں جل رہی ہیں دل رو رہا ہے۔ دل کے خلاف کوئی فیصلہ کر لیا جائے تو ایسا ہی کرب ہوتا ہے اور میں آج چار سال بعد پھر اسی کرب سے گزر رہی ہوں جب تہیز حسن کو چھوڑا تھا۔

”سنو تہیز حسن! میں نے تمہیں اپنے دل کا خون معاف کیا۔“ ہاں میں نے تمہیں معاف کیا۔“ میرا زرواں گرواں انہی جملوں کی گردان کر رہا ہے اور آنسوؤں سے میرا چہرہ تر ہو رہا ہے کہ بعض جگہیں بہت لڑاتی ہیں۔۔۔ اور تہیز حسن کی محبت ایسی ہی تھی۔۔۔

باہر میٹھی ٹوٹ کر برس رہا ہے۔

آئینے میں نظر آتے اس کے عکس پر کچھ یادگار مناظر غالب آگئے تھے۔ زمینی گرم آن میں ٹھوکی۔ وہ بچپن کے پیارے دن (تب بالکل بھی پیارے نہیں لگتے تھے) تب اشفاق بھی بیمار نہیں لگتا تھا۔ کیونکہ وہ بیمار ہوتا ہی نہیں تھا۔ یہ سوئے سوئے ہونٹ..... باہر کو ابلی حیسنے کے ڈیلوں کا مقابلہ کرنی آئیں، تاکہ کی بہت اسی تھی کہ بہت دماغ لڑنے پر بھی سمجھ نہ آتی کہ کس چیز سے مشابہ کریں، رنگ کوئے سے تو فوراً کم سا نولا..... مگر مہر حال کا..... اور تم کے کیا کہنے.....

بچپن سے ہی دوزن میں خود کشیں تھا۔ سب مونا، دُور، ڈھول کے تپے ادا کرتے ہوئے..... مگر چونکہ بہت اندھی ہوئی ہے اور اکل بنائے والا اللہ..... سواشفاق کی اسی شکل میں بنا کیڑے لگنے والے زیب اقسا کا دل اس پر آگیا۔

وہ دن آئینے میں چھب دکھار ہوا تھا جب اشفاق نے ابتداء عبت کرتے ہوئے ایک طویل وعریض رتھ بڑی دقتوں کے ساتھ زمینی کو پہنچایا تھا۔ جسے پڑھنے کے بعد زمینی کی ساتوں میں نہ تو ڈھول بجاوہ نہ نظروں کے سامنے کا لاگو ٹھہر چلا۔ جس دن خادمان ہو گئے کہ اشفاق ہی کسی وہ کی نگاہ اشفاق کا مرکز تھی۔ خدا کوئی بار پڑھا، چھپنے کی جگہیں بدل بدل کر پڑھا..... اور سنہیل سنہیل کر رکھنے میں کسی بلکان ہوئی یاد کر کے شیشی کی مسکان ابھی بھی زمینی کے لبوں پر ٹھہری۔

قریبی رشتے داری ہونے کے باوجود بھی عبت کرنے کے لیے چور دوازے اس لیے استعمال کرنے پڑے کہ بہر حال اب کی دہشت بہت تھی۔ دوسرے عزت و غیرت کا بھی مسئلہ تھا۔ اشفاق کی طرف سے والے وہ خوشبو دار خوش رنگ پھول، جیولری، چوڑیوں کے تحائف بھانے بھانے دینے کے خاص بل ایک دوسرے کے گھر جانا ہوتا تو

بڑوں کی نظر بچا کر خاص زمینی کے لیے شاق کی وہ یادگار خدش..... آؤ کو کا لود خور پی کر آؤ اس کے حوالے کرنا..... آدھا لود بیٹ میں لپٹیں کا بہانہ کرنا کہ چھوڑ دو..... جس پر زمینی کا رزق ضائع نہ جائے کے عنوان سے درس دیتے ہوئے چھپ کر سالم نگل جانا..... اور تو اور وہ یادگار دن جو بھلائے نہیں بھولتا اور جسے بھولنے کو دل نہیں مانتا..... جب زمینی کو اچھا خاصا بخار تھا۔ سب بڑے کرے میں بیٹھے بی بی دی دیکھ رہے تھے۔ اشفاق بھی کسی بھانے موجود تھا۔ زمینی سے ہوئے منہ کے ساتھ اس کی ڈانٹ کی پر دایہ بیخوش اشفاق کی وجہ سے وہاں آئینی جس مگر حالت خاصی خراب تھی۔ جو تیسرا اور دھندلا کی آئیں بی بی دی تو کیا بندوں پر بھی تک نہیں پاری تھیں۔ سب کا پسندیدہ پروگرام آرہا تھا۔ سب کی توجہ بی بی پر تھی۔ کسی کو کیا پتا چلتا تھا۔ خود بھی ناظم رہی جب تک کہ پانی کا گلاس اور دم در کی مشہور زانہ گولی چرسے کے سامنے نہیں آگئی۔ زمینی چونچکا کسی وہ گئی۔ اشفاق ششکر کھڑا تھا۔ زمینی نے ارد گرد ماحول کرنے کے بعد فوراً گلاس اور گولی پکڑی اور اچھے بچوں کی طرح نگلی۔ اب پتا نہیں گولی کوئی خاص کمراتی تھی یا پانی پر دم کیا ہوا تھا..... یا چد بہ بہت کر شتی تھا، زمینی اگلی صبح چکی تھی۔ اشفاق یہ فدا یا نہ کہ خدما تا نہیں تیار دارانہ طریقہ اس نے اپنی جانے شجاعتے دایوں میں سے کس کس کو نہیں بتایا۔

کسی رومانوی داستان کی طرح..... قصہ زمینی اشفاق..... بھی مشہور ہوا گیا۔ اب آئینے میں وہ دن جھلک مار رہا تھا جب غیر متوقع طور پر کہیں سے اس کا رشتہ اگلی اور ابا..... ابا نے گویا پہلی پر سوس جرائی.....

”نہیں.....“ اس خبر ہوئی تو بیٹائی فلم کی ہیروئن والی لٹکار مارنی خود میدان گل میں کود پڑی۔

”میں شادی کروں گی تو صرف اشفاق سے

اور نہ کسی سے نہیں۔“ ابا، اماں دونوں شہ مردہ ہو گئے۔ اگلی بی بی جس پر لاؤ شفقت کے خزانے بھرا دیے تھے اس نے صلب پا چاند چڑھا کر ادا..... ابا اور اماں کود بڑو کر دیا۔ ابا غصے سے چٹکھائے رہے۔ اشفاق انہیں بحیثیت داماد کے کہیں سے بھی قبول نہیں تھا۔

”ارے ایک سی بی بی میری اس کے لیے جن جن کر بڑو سٹوڈنٹ نہ کر اس جعدار پر اسی ہو پاؤں۔ دنیا والے کیا نہیں گے۔ داماد سے شان ہوتی ہے سرکی، میں اس کو اپنے ساتھ کھڑا کر کے اچھا لگوں گا کیا؟“

”اشفاق سے شادی نہ بنائے کرنی ہے نہ آپ نے.....“ زمینی کی زبان درازی بلکہ بے شری نے ابا، اماں دونوں کو سناپ کھلایا۔ مگر میں بہت عرصے تک رہی جنگ کے بعد بالآخر خرابا کو بھینا پیچ کر اشفاق کو شرف داماد بخار پڑا۔ ان ہوں یوں ہوئی معنی کے فوراً بعد شاقے کا رینگ بڑھ گیا، وہ آری میں کہیں کے عہد سے تک جا پہنچا۔ ابا کا بیٹہ پھول گیا۔ جس داماد کے لیے ابا، جعدار، میرا، ابی القاب استعمال کرتے تھے آج اس کے لیے ربط انسان تھے۔ پھر یوں ہوا اشفاق اچانک ہی آسٹریلیا جانے کے لیے پرتولے لگا۔ اپنی اچھی بھلی جی جی نوکری کو لات مار کے..... ابا، اماں اس فیٹلے پر خوب متحزن ہوئے مگر اشفاق کے سر پر جو صحن ہو رہی تو اتار کر نہ دی۔ نہ جانے کسی جلت سوار تھی کہ شادی کرنے کا بھی نام نہ نہلا اور اشفاق صاحب یہ چاہو جا..... جیسے زمینی آسٹریلیا اپنی رقصی کے خالوں میں اپنی گن ہوئی کہ پانچ سالہ انتظار کو فتنہ دم اور خوشگوار زیادہ لگا۔

”زن..... اری اوڑھن.....“ نا معلوم آئینے میں ابھی اور کون سی فلم چلی تھی کہ اماں کی اس کردار کی پکار نے سارے مناظر گھڑ گھڑ دیے۔

”توئی یاد کیا ہے کہ زمینی کہا کریں۔ زمین سے

لگے ہے جیسے بیٹی کو نہیں کام والی کو کپڑا رہی ہیں..... کون ہے جو سائے.....“ خاصی بد مزہ ہوئی، پتے، وہ پتے کو چٹکتی زمینی ناچار کمرے سے باہر گئے۔ حالانکہ ابھی دل کہاں بھرا تھا خود سے ہاتھیں کرنے سے۔

☆☆☆

باہر نکلی تو نئے مناظر تھے۔ اماں کی سہیلیاں اس کی سہیلیاں اور وہ رشتے دار نکلی جنہیں شاقے کے گھر بار پھول سمیت ہونا چاہیے تھا یہاں آ کر رہے تھے۔ شور، ہنگام، تقیم، مبارک بادیں..... سیلیکے کا گمان رہا ہوا تھا۔ اماں، ابا کے بس میں نہیں قاسب کی مبارک بادوں کے جواب میں دھماں ڈالنا شروع کر دیں۔ زمینی کا تھوڑا تھوڑا منہ بن گیا۔ خاندان والے مٹا مٹاے یہاں کیوں آگئے تھے۔ دُور شاقے کے گھر جاتے۔ ایسا بلکہ اس کی برامہ شہزادے کا بنا ہوا تھا۔ اسے جاتے جاتے وقت اتنا نہیں لڑا یا تھا۔ تھنا اس کی آمد پر آنکھیں رہے تھے۔ وہ بھی صرف اس کے کیونکہ ”وقت“ معیت میں تو ہی آبا ہوا صرف جو دُور سہ لگا چکا تھا شاقے کی قدم پوسی کی تیاری میں وہ ایک طرف..... جو ان مفت خورے رشتے داروں کی سہمان نوازی کی وجہ سے اب لگنے والی تھیں وہ سوچ کر دھاڑیں مارنے کو دل کر رہا تھا۔

”کرامت بھائی..... شاقے کی آمد یہ پہلی مبارک باد کا حق آپ کا ہے۔“ نیابا کی پچھو زاد بہن تھی۔

”معلوم ہے جلیہ کن..... مبارکیں قبول.....“

”آخر تم نے پانچ سال جی داروں کی طرح انتظار کیا..... بی بی چہا پڑا مہر سے بٹھائے رکھا، بیٹی کے سر میں چاندی آگئی پر رشتے کے لیے یہاں وہاں تاک جھانک نہیں کی۔“ زمینی کا ہاتھ بے اختیار اپنے پر رہ گیا۔

”پول کے مندر والی۔۔۔ کالی زبان، چھوڑے
 نکلس تیرے حلق میں، سر سفید ہو تیری گھوٹیوں کا۔
 خوشی کے موقع پر بھی وار خالی نہ جانے دینا۔۔۔ میری
 جدی پستی دشمن۔۔۔“ ابا کی چچری بہن پر صرف زہری
 نے ہی نہیں اماں سے بھی دل کھول کر جوابی گولے
 پھینکے مگر صرف نظروں سے کہہ بے لوث گولہ باری
 لفظوں کی شکل میں ہوتی تو رنگ میں بھگ پڑ جاتا۔
 جس کا نقصان انہیں ہی ہوتا۔
 ”ہم نے سوچا شائقے کے گھر تو جانا ہی جانا
 ہے۔ پہلے اس مگر کی صفائی کھاتے جائیں۔“
 ”کیوں نہیں، کیوں نہیں، بڑیاں مٹائیاں۔“
 ابا کچھ زیادہ ہی خوش تھے۔
 ”اوسے شہزادے۔۔۔“ اور شہزادہ پھر کھ گیا۔
 اتنی بڑی غنائی پٹن کی سیوا کا سوچ کر ہی آنکھوں
 کے آگے تارے ناچنے لگے۔
 ”شہزادے پتر کی طبیعت ماڑی (خراب) لگ
 رہی ہے۔“ یہاں کے خاندان کا ماز۔
 ”کیوں شہزادے۔۔۔ کوئی کیس نہیں تو نہیں
 ہو رہی پیٹ میں۔ تو بچپن سے ہی معدے کا مریض
 ہے۔“ رنجے کی چاچی زربین نے کیا کھانا تجربہ کیا
 تھا۔ ان کا نظریہ اسی سرے شہزادے کو دل جلا گیا۔
 ”ابو! ای۔۔۔ پیدائش رونی شکل ہے،
 محتاجوں والی۔“ بڑا خاندان بیان آیا تھا۔ اماں اور
 شہزادے نے بلبل کے کہنے کو لکھا جانے والی
 نظروں سے دیکھا۔ مگر گھٹ خون کے گھونٹ پی لینے پر
 اکتفا کیا۔ اسی رنگ میں بھگ پڑنے کے ڈر سے۔
 ”جائیرا شیر۔۔۔ رس گلوں کے چار پانچ ڈبے
 بھاگ کر لے آئے۔۔۔“
 ”میرے لیے برنی کا۔۔۔“
 ”گلاب جا سن بھی ہوں۔“ شہزادے نے
 ۔۔۔ کا حلقہ تیزوں سے فرما کر مگر مگر شکر کرنے

والوں کو دیکھا اور ہنوز جم کے کھڑا رہا کہ جب خالی
 تھی۔ پیسے ملتے تو جاتا۔
 ”بھئی ہم نے سوچا۔۔۔ یہاں سے کھانا شانا
 کھا کر شائقے کے گھر ایک ساتھ چلیں گے۔ مل جل کر
 جائیں تو خود رونق پڑے گی۔“
 ”کھانا؟“ زہری کے حلق میں کانٹے چھنے
 لگے۔
 ”اور نہیں تو کیا۔۔۔ شائقے کے گھر کھا کے جان
 کا دشمن نہیں بنتا۔ یاد ہے پانچ سال پہلے والی دعوت
 جب شاقا تھا بارہا۔ اس کی اماں نے کچے شور بے پر
 غرایا تھا۔ جس میں کتنی کی چار بولیاں تھیں وہ بھی
 بساند ماری۔ کھا کر ہفتہ پورا اٹھیاں کرتی رہی تھی
 میں۔“
 ”تو خالہ تمہارے سر پر کیا ملک الموت کھڑا تھا
 جو اس کے کسان کو بھی نہیں چھوڑا۔“ زہری کا جی رہا
 ہونے لگا۔ ایک خالص ذاتی خوشی جسے وہ جی بھر کر
 انجوائے بھی نہ کر سکتی تھی۔ دوسروں کی نظر ہوئی۔
 ”زہری۔۔۔“ اماں نے پکڑا تھا اور ایسا وہ تب
 کرتا تھا جب کام نکلوا دیتا۔
 ”اٹھ جا میری شہزادی۔۔۔“ یہ مفاسد خالص
 سیاسی تھی وہ سمجھتی تھی۔ اسے جن میں جا کر اس برات
 کا بھونچتا کرتا ہے۔
 ”اماں۔۔۔ میں ایک گلو، وہ گلو جتنی مرغی سارن
 پلاؤ پکاسکتی ہوں، دیگ نہیں، آپ دیکھی کا انتظام
 کر دیں اپنے زبردستی کے بھانوں کے لیے۔“ اس
 نے جلاتر دوسرے جھنڈی دکھادی۔ اچھی سمیٹ تھی،
 شاقا وہاں۔ برات یہاں۔
 ”یار شہزادے۔۔۔ تو بھی تک نہیں گیا؟“ اونٹھا
 ہوا شہزادہ ابا کی چنگھاڑ پر ہڑ بڑا کر سیدھا ہوا۔
 ”اماں لے کر مات پھائی۔“ مجھے پیچھے کی
 طبیعت، مجھے نہیں لگ رہی، قل ان کے کر زریہ

ابا کی کاڈا کڑی مشاہدہ طول پکڑتا شہزادے نے لمبے
 لمبے ڈگ بھر کر کمرے سے نکل جانا چاہا کہ ابا کی گرج
 پھر قدموں کی زنجیر بن گئی۔
 ”شہزادے۔۔۔“ پھر رخ روشن قریب بیٹھے
 اپنا چاچے کی طرف کر کے بولے۔ ”کیا خیال ہے
 کوشر ٹھیک رہے گی ابا کی اسی؟“
 ”کیوں ابا؟“ شہزادے کو ابھن ہوئی۔
 ”اوسے ناچھ۔ شائقے کے گھر نہیں جانا
 کیا؟“
 ”وہیں یا کوشر پر؟“ شہزادے کو غش آنے
 لگے۔
 ”ناں تو ہوائی جہاز پر؟“ ابا نے تسخرا ڈایا۔
 ”کوچ نہ لیتا آؤ؟“ اس نے تسخرا نہ دین
 سے طنز کی گولی چلائی۔
 ”نہیں، اپنی انیس ٹھیک رہے گی۔“ طنز نہ سمجھے
 ہوئے ابا نے نسبتاً چھوٹی سواری پر قناعت کی۔
 ”شہزادہ کھری سانس لے کر دروازے کی جانب
 مڑا۔ آج کا یقین تھا کہ سارے شہر میں اشتہار لگ
 کر رہتا ہے مگر وہ الے ٹیلی فون کا کردار ہو گئے
 تھے۔ قریب ہی شائقے کی کالونی تھی اور۔۔۔ یہاں
 وہ کیننگٹون کی جارہی تھی۔
 ”لوگوں نے پاگل ای اوسے کہہ کہہ کر پتھر نہ
 مارے تو میرا نام بدل لیتا۔ بلکہ رکھ لیتا شہزادہ
 سلم۔“ مذہبی مدد میں بددعا ہوتے شہزادہ کمرے
 سے جانے ہی لگا تھا کہ ہال میں رکھائی فون بگ اٹھا۔
 ”فون ہے شہزادے۔“
 ”یہ بھی میں اٹھاؤں؟“ وہ ہلٹ کر روکھا ہوا۔
 ”اٹھا ہی لو۔۔۔“ ابا کا حکم تھا۔ مانتے ہی بنی۔
 مرے مرے قدموں کے ساتھ فون کی طرف بڑھا۔
 اماں کی سہیلیاں، زہری کی سہیلیاں اور شہزادے داروں
 کی حمایت، بیعت کی پولیاں فون بیٹھے میں لاجالہ

وقت۔۔۔
 ”وے چپ۔۔۔“ شہزادے نے جوں ان
 ریسیور اٹھایا۔ اماں کی کراہی آواز نے ایک لمبے میں
 سب کو چپ کر دیا۔ دوسرے شہزادہ بھی بیلو کے بعد دوبارہ
 نہ بول سکا۔ تاہم ریسیور کان سے لگائے بس کھڑا کا
 کھڑا رہا۔ اور مدد سے بیک نہ خود سے بیک نہ۔
 ”بات سن حینہ۔۔۔“ زربین چاچی، شہزادہ کو نظر
 میں رکھے اماں کے قریب ٹھکیں۔ ”سو میرے
 شہزادے کو ڈاکٹر کے پاس ضرور لے جانا۔ مجھے لگتا
 ہے وہ پڑ پڑے ہیں لڑکے کے پیٹ میں۔ پہلے پیلا
 ہو رہا تھا۔ اب دیکھ سفید ہو گیا۔“
 ”تیری تو میں اتنی پچھلی لسل کو سفید پڑتا
 دیکھوں، اللہ کی ہاں کر کیجیے ہی پڑ گئی میرے معصوم
 کے۔“ اماں نے ایک بار پھر اندری اندر بیچ و تاب
 کھائے اور کراہی آواز میں گھس گھس۔
 ”کیا ہوا شہزادے۔۔۔“ صورت کیوں بن گیا؟
 کسی نے فون میں سے ہی پھوکا مار دیا کیا؟ تاہم تا کوں
 ہے میں بھی اس کو فون پر سیدھا کروں۔“ شہزادے
 نے خالی خالی نظروں سے اماں کو دیکھنے کے بعد اچھٹی
 سے ریسیور کرڈیل پڑا ڈال دیا۔
 ”پرو پڑا چاکا۔“ شہزادے نے اشتاق المعروف
 شائقے کے باپ کا نام لیا۔
 ”ہاں۔۔۔ ابا! انا حیران ہو میں۔“ اس نے
 مٹر چھو لگا۔
 ”ہاں۔“ شہزادہ کی پتلی پتلی آواز برآمد ہوئی۔
 اماں اور زہری دونوں کا ہاتھ جھکا۔
 ☆☆☆
 جتنی کو تک سروس میں بہا خوشی کے اظہار
 دکھانے میں کی گئی تھی۔ اس سے اترنے کے بعد راجات
 سکن کر دو گم لکھایا گیا۔ بے یقین اور ناچم مگر
 بہر حال یقین تو آتا ہی تھا۔ ایک شائقے کے ابا کی ہی

کیا..... ایک کے بعد ایک آگے پیچھے کی کالیں وصول ہوئی تھیں۔ شائقے کے کمرے کے قفل میں بیٹھے بیک صاحب کی جواب کے بھی ایسے رفیقوں میں سے تھے۔ اماں کی گاڑی، وہیں جیسی کبھی خالد شینم..... جن کا آنا جانا اشفاق کے کمرے میں تھا۔ یہیں کبھی شہزاد سے چھوٹے جواد کا دوست عظیم..... جس کا بڑا بھائی اشفاق کا دوست تھا اور خود زہبی کی ایک بھلی لڑکی سی نام نہاد کبھی سفید جس کی بھائی کا بیٹا اشفاق کے مکے میں تھا۔ سب نے ایک ہی منہ بولا تھا۔

”اشفاق آگیا..... ایک نہیں چار بن کر.....“

گوری میم کے ساتھ گورے ساس سر جی ساتھ لایا ہے۔“ اور اب جیسے سب میم مردہ سے ہوئے بیٹھے تھے۔

جو رشتے واز مبارک با دیں دیئے آئے تھے۔ وہ مہر کی گھڑیاں تھا کر ہیل لائن کی تفصیل سننے قینا اشفاق کے کمرے گئے۔ یہی ڈانے کا چلن ہے منہ پر کس کا پیٹہ پھٹکا۔ یہ انتہائی غیر متحرک خرسن کر اماں فوراً دھاڑیں مار مار کر رونا شروع ہوئی تھیں۔ زہبی سے دھاڑیں تو کیا ایک آنسو بھی نہیں ڈپٹا گیا۔ وہ اسی یقین میں کہ سننے میں سناستیں دھوکا کر گئیں ہیں رونا اشفاق یہ ظلم کیسے کر سکتا ہے۔ چپ اور کم ایک ایک کا منہ بکتا رہی۔ کچھ دیر قفل خوشی کے مارے کمر بھر میں بھونچال لانے والے اباب بالکل خاموش ہو چکے تھے۔ ایک دم سے ماحول بدلا تھا مگر کیفیت اتنی جلدی تھوڑی بدلتی تھی۔ اسی چندتا قفل سے استے سرشار، ایسے خوش کہ شہر کا تھر جھ کر لینے پر آ گئے تھے۔ اب ایک دم سے کیسے یقین کر لینے کہ وہ خوش محض لئے بھر کی تھی..... ریت کی طرح آتھوں میں آتے ہی پھل گئی۔ تھی تو بنا کوئی بڑا غلغلہ خاہر کیے۔

فی الحال تو چپ کے چپ رہ گئے۔

”یہ کیا کیا شائقے نے..... ہائے پانچ سال

کے انتظار کا درد کیوں دیا..... نہیں کرنی تھی پہلے انکار کرویتا..... زہبی کے آئے رشتے تو نہ ملتے۔“

”شائقے نے تمہاری نہیں، ہماری بیٹی کو دکھ دیا ہے۔ ہم اسے کبھی معاف نہیں کریں گے۔ غضب خدا کا رشتے داری تک کو نہ دیکھا۔“

”میں تمہارے ساتھ ہوں کرامت..... میرے لیے پردے کے گردانا پانی حرام..... میرا اس سے جو تعلق تھا حق سے ختم.....“

”ہائے ہائے زہبی..... میری بیٹی زہبی رخصت ہونے سے پہلے اجڑ گئی۔ ہائے اجڑیں تجھے جاناڑنے والے۔“

”اب کون آئے گا مصوم کا ہاتھ مانگنے..... کون آئے گا درد بانٹنے۔“

رشتے داروں نے سید کو پی کر کے دھاڑیں مار کے بچھ کچھ کر آنسوؤں کے نام پر دو قطرے نکال کے بہتری کو کشی کی، اماں دیکھی اب..... چلو انہیں تو شہزاد ہی غیرت پڑ کر اندر کی کھان بنان سے نکالے تاکہ شائقے کے کمرے پر کرنے کے لیے رپورٹ مل جائے۔ مگر یہاں سوائے اماں کی دھاڑوں اور بچپوں کے کچھ نہ ملا۔ رشتے داروں کو مایوس ہو کر جاتے ہی بنی۔

☆☆☆

”اوئے شاقا جانتا نہیں ہے۔ اس نے کس کی پیٹھ پر چھرا اٹھو نہ ہے۔ کرامت شیری کی بیٹی روکی ہے اس نے کوئی معمولی کتا نہیں کیا..... میں اس کی.....“

”ابا..... جوصلہ کریں، بروداشت سے کام لیں۔“ ابا کو سننا لے میں شہزاد کی سانس پڑھ گئی۔ وہ جو قابل یقین اور نا فہمی کیفیت حملہ آور ہوئی تھی۔ وہ بس تب تک حاوی رہی جب تک تماش بین رشتے دار احباب یہاں موجود رہے۔ اور انہوں نے کیٹ پھلا کا ابھر ابا کو حوصلہ، بروداشت، صبر تمام

ہوا اور یہ تو پتے تھا۔ انہوں نے شائقے کو کم سے کم کا لے پائی کی سزا دے کر دتی ہے۔

”اوئے دل کج بروداشت..... اس نے میری مرغی چوری کر کے ذبح..... نہیں کی جو میں برواشت کروں۔ اس نے میری بیٹی دھکڑا کر ہے۔ میری عزت کو لٹا رہا ہے۔“

”عزت نہیں غیرت کو۔“ اماں ابھی بھی سسک رہی تھیں مگر پتہ دینا نہ ہو سکیں۔

”میں نے اس کی اگلی سات بقیں ملا دی ہیں۔ تو دیکھ تو کسی میں کرتا کیا ہوں۔“ عزائم ایسے تھے جیسے ابھی بندوبست سمیت شائقے کے کمرے پر ڈھکے دوڑیں گے شہزاد حقیقتاً قابل کیا۔

”ابا بس کریں۔ چپ بہتر ہے۔ لوگوں کو ہنسنے کا موقع ملے گا۔“

”ایک تو میں تیری اس دنیا خوشی سے بڑا عاجز ہوں۔“ اوئے بے غیرتا، اوئے بڑولا..... کیا بھائی ہے تو۔ میں نے غیرتا، اوئے بڑولا..... تجھے لوگوں کی پڑی ہے۔ جا جا کر برقع پہن کر بیٹھ جا۔ تیرا ہوتا نہ ہونا برابر ہے۔ اوئے جو کام تجھے کرنا چاہے تھا وہ میں کر رہا ہوں، وڈب مر..... بقصور کے شہزادہ رگیدار گیا۔ اس لیے برا بھی بے حساب لگا۔ بہن کے ارمان میں ملی گئے۔ اب ضروری تھا وہ بھی ابا کی طرح سلطان راہی بن جاتا..... لال لال ڈیوں میں تھر بھرے چھائی ٹھونکا شائقے کو لکھاتا۔

”یہ تو ہے ہی کمزور دل..... شووا..... میرا جواد ہوتا تو..... تو لوگ دیکھتے کیسے باپ کا سایہ بننا۔“ اماں ایک اور ڈرامائی جگہ کے چوٹی کی تھیں۔ جواد سب سے چھوٹا ایسا ملا آدمی پڑنے کی غرض سے تھا۔

”میں ایک ہی کافی ہوں۔ جواد نہ شہزاد..... میں ایک سب بے بھاری ہوں۔“ شہزادے دزدیدہ تو اماں نے غریبے ابا کو دیکھا تھا۔ شہزاد کو یقین سا ہو چلا

اشفاق کے کمرے میں ایک نے ابا کے ہاتھوں پر حملہ کیا ہے۔ اس کی گوری میم نے دیکھی ساس سر میں سے اسی کوئی ایک۔

”میں دیکھتی ہوں، میری بیٹی کے مقابلے میں وہ کس ہیر کو بیاہ کر لایا ہے۔ میں نے بھی اپنی بیٹی پندرہ دن میں نہ دیا تو حینہ نام نہیں میرا۔“ اس وقت منہ پر ہاتھ پھیر کر اماں پوری کی پوری دواں لقم کا حصہ لگیں۔ بارو کو چند دنوں میں رخصت کرنے کا عظیم ٹوہر پائی..... شاد رخ کی بے وقافی سے بحال البشویا کی کا۔

☆☆☆

”کی..... کہاں رہی تھی؟“ وہ کم صم ناقابل یقین کیفیت یہاں بھی چھپ گئی تھی۔ زہبی اس وقت پھر سے ”تو بیٹا“، مینی وجید مراد کے فراق میں آنسو بہا رہی تھی۔

”کیا میں کم صورت تھی؟“ وہ سوچ رہی تھی۔ ایک ایسا با جس پر سوچنا اس کا دوسری گریہا نہیں تھا۔ کیونکہ صورت کے ساتھ وہ لفظ کبھی لگاتی تھی۔ اب بیٹے اس کی اس سوچ پر لوگوں کو تحفظات ہوں۔ بہر حال وہ ایک پُرکشش لڑکی تھی۔ جس کی دلکشی بہت سوں کو چونکا سکتی تھی۔

”شائے نصیب میں کی رہی تھی۔“ تنگ ہار کر ایک لبسا ہو کر (آہ) بھرا۔ اور بیٹہ پر کر کرجی جان سے بائم کرنے لگی۔ آج کی رات شب فراق لازمی منانی تھی کر دل بے اختیار ہوا جا رہا تھا۔ پانچ سال سے زیادہ عرصہ ایک بندے کو دل اور دماغ پر سوار کر تھا اب ایک دم سے جدا ہونا..... اذیت کی اذیت تھی۔

☆☆☆

”بس کیا بتاؤں کرامت یا.....“ کچن میں کام کرتی اماں کے کان بیک صاحب کی آواز پر لگے

تھے۔ جو ڈرانگ روم میں اس سے ہمکام تھے چونکہ بیک صاحب، اشفاق کے ہمسائے تھے اور قہر بھی آدھر کا چھپڑے ہوئے تھے۔ سو اس کو داغ روٹی کی طرف کم اور بیک صاحب کی طرف زیادہ لگانا پڑا تھا۔

”شاتے کا سرکل منہ اندھیرے چٹی بنیان پہن کے گلی میں ٹھیکس لگا رہا تھا۔“
”سی۔۔۔۔۔“ اماں کا ہاتھ روٹی کے بجائے تو سے پر جا پڑا۔ اس شرم آئی روٹی بول کر منہ پر دو ڈنکارہ لیا۔ گویا شاتے کا سراسی علیہ میں سامنے آ کر اڑا ہوا ہو۔

”اب تم جانتے ہو اپنی کالونی کے کتوں کو۔ اچھے بھلے ہندوں کو دیکھ کر بھونکتے ہیں۔ چھپے والے کو کیسے چھوڑ دیتے۔“ اماں کی روٹی تل گئی۔ زہمی کے سوگ کا آج نیرادان تھا۔ اماں کو سج منوں میں اس کا سوگ کھلا۔

”خدا جھوٹ نہ بلوائے۔۔۔۔۔ جس نے نہیں دیکھا اس نے پکھنٹیں نہ کھانے۔“

”کیا۔۔۔۔۔ کچھ والا؟“ اماں کے استفادہ پر اماں نے ”اوئی“ کہتے ہوئے بھرے منہ ڈھانپا۔

”اوہو۔۔۔۔۔ سنو، وہ منتر لکھنا شام۔۔۔۔۔ ہماری گلی سے شیخ انور کی گلی۔ وہاں سے جامع مسجد۔۔۔۔۔ جامع مسجد سے سیدھا پتھر بازار۔۔۔۔۔ آخر میں کبوتر منڈی۔۔۔۔۔ سر جب کھر پچا چکا کہہ رہا ہوں سورج نکل چکا تھا۔ دھوپ پر مری اور تنہا رہی بھائی وہ درہو کا کھانا تیار کر کے میں کی میں۔“

”قہر۔۔۔۔۔ بڑیہ۔۔۔۔۔ کتوں نے ناس مار دیا ہے چارے کا۔“ اماں کو قہر دے افسوس ہوا۔

”خالی دوڑیں گلو انہیں یا کتوں نے کچھ لوچا بھی۔“ ابابلیہ مزہ لے کر بولے تھے۔

”اباں لوچا۔۔۔۔۔ چوہا ہوا تھا۔“

”کیا بنیان؟“

”نہیں چٹی۔۔۔۔۔“ کھانے کی ٹرے لے کر اماں نے بھی میں اس لئے ڈرانگ روم میں قدم رکھا تھا مگر بیک صاحب کے اس جملے نے انہیں اگلے پیر پلٹنے پر مجبور کر دیا۔

”تم دیکھو تو کسا ہاے کو۔۔۔۔۔ چھ ہندوں جتنا ایک بندہ ابواہل لکتا ہے پورا۔۔۔۔۔ یہ تاڑ جتنا تھا۔۔۔۔۔ اور کی من گوشت۔۔۔۔۔ کز رو دل والے نہ دیکھیں اسے۔“ اماں نے جھٹکسین نظروں سے بیک صاحب کو دیکھا۔

”پہلی بات تو تھیں اس کے جتنے کا کیوں بتا رہا ہے دوسری بات کز رو دل والے کے کہا؟“

”مجھے تو نہیں کہا۔“ بیک صاحب کز بڑا اگے۔

”میں تو تو کہہ رہا تھا میرے جیسوں کے سامنے کیڈنٹ لکے۔“ ایک ہاتھ مارے میرے پیٹ پر۔

”اباں ایک بار پھر قہر آلود غوریاں واریں۔“

”تھمے کس نے کہا میں اس سے ڈھل لڑنے جا رہا ہوں؟“ اب کے قہر لچے میں سمٹ آیا۔ بیک صاحب سر کھانے لگے۔

”ہات کرتے کرتے بڑی بدل لیتا ہے۔ ایسے خواخواہ بھائی تجھے اپنے جلال کا نشانہ نہیں بنائیں۔“

”ارے یار۔۔۔۔۔“ بیک صاحب نے کھیا کر کچھ کہنا چاہا مگر ابابا کا انہی چالو ہو چکا تھا۔ رکنا ہانکنا تھا۔

”ابے مجھے تا۔۔۔۔۔ اس کو چودہ ٹیکے لگیں کہ نہیں۔“ یا کتوں نے خالی شہری گھمایا؟

”یار نیک بندہ ہے بچ گیا۔۔۔۔۔ لکھ منعت میں آدھا شہری دیکھ آیا ہے۔“

”نیک بندہ۔۔۔۔۔“ اماں کے گلے میں دونوں لفظ پھنس گئے۔

”تو کھڑا ہو جا۔۔۔۔۔ پھر ایک دم سے اٹھتی ہے بیک صاحب کو باہر راستہ دکھانے پر آگئے۔

”پر کیوں۔۔۔۔۔؟ بیٹھا نہیں اچھا لگ رہا۔۔۔۔۔“ بیک صاحب اپنی نشست سے ڈرا جو بٹے ہوں۔

”بیٹھا تو کڑا بھی اچھا نہیں لگے گا، تو بس رخ ہو جا۔۔۔۔۔ نیک بندہ۔۔۔۔۔ ارے مجھے اس انگریز ہاشی میں نیکی کہاں سے نظر آگئی۔ اس نے جو ایک گناہ میری بیٹی کی گناہی بیٹی دے کر کیا۔۔۔۔۔ وہی اس کی آخرت پلید کر چکا، تجھے کہاں سے وہ نیک نظر آ گیا؟“

”یار میرے۔۔۔۔۔“ بیک صاحب نے دونوں ہاتھ جوڑ کر باقاعدہ ماتھے سے ملا کر سچ ہوتے ہوئے کہا۔ ”منہ سے نکل گیا۔“ واپس منہ میں ڈالنا ہوں۔۔۔۔۔ تو جتوں میں نہ آ اور پوری بات سن۔۔۔۔۔ ابابا جو فوہ جوش میں کھڑے ہو گئے تھے منہ پھلانے ناچار بیٹھے۔۔۔۔۔ ورنہ بیک کی جگہ کوئی اور ہوتا مگر بیان پڑ چکے ہوتے۔

”بھلے کتوں نے جہاں اڑائیں پر آدھا شہر ایتھلیٹ بن کر گھومنے کے بعد بیٹھے اڑ گئے۔ پیٹ میں گول سا پھرانے لگا۔ ہڈیوں کی رگیں تن گئیں۔“ اسپتال دیکھنا ہی تھا۔ سو اب وہی دیکھ رہا ہے۔

”مطلب؟“

”مطلب بے ہوش ہو گیا تھا جب گھر واپس پہنچا۔ اس دن سے اسپتال میں ہے۔ جانتے سوتے کے نظر آرہے ہیں بے چارے کو۔“

”ابابا۔۔۔۔۔“ یہاں ابابا نے پڑا بیٹا نہ سنا قہر تھا۔

”ابا آخر کچھ میں ٹھنڈ پڑی کی۔ اس کے انتہائی ارادوں کی زد میں آنے والے کرداروں میں سے ایک کر دار کو بتی۔۔۔۔۔ مل چکا تھا۔

”مجھ سے اچھے تو تھے ہیں۔“ ارے خوشی کے داغ اب اسکا کسے کے جو بولے۔۔۔۔۔ اسے بول کر بھی نہ سمجھے کر کیا بولے۔

غزل

امروز لحد فرمت میں ملنا ہم سے
کر گیا وہ ایک بہانہ ہم سے
کیا اس بات سے ڈرتے ہو تم
کہے گا کیا، یہ زمانہ ہم سے
چل گیا یہ سحر تنہا
آنکھوں ہی آنکھوں میں کھینا ہم سے
دعا ہے یہ میری رب سے
کہ نہ تم چھوڑنا ہم سے
یوں نہیں تو سپنوں میں ہی
عجبی تو مل جانا ہم سے
کچھ معلوم ہے تم کو بھی ایتن
کہ چاہتے ہیں وہ چمچا چھڑانا ہم سے
شاعر: محمد امین
مرسلہ: بیونہ نگر، کراچی

”یہ تمہیں بہت دیر سے بتا چلا۔“ بیک صاحب نے اطمینان سے ان کے کہے پر ہر لگائی، وہ پھر بھی نہ سمجھے۔

”مجل فیر اس خوشی میں تجھے ٹائم کھانا کھلاؤں۔ شہزادے کی ماں۔۔۔۔۔ کھر کم ہو۔۔۔۔۔ کھانا لگاؤ۔“ اماں کی آواز ٹک کر رہی تھی۔ اماں فرامیادار بیویوں کی طرح جلدی جلدی ہاتھ چلائے گئیں۔

☆☆☆

زہمی بظاہر عجیدہ اور تجدیدہ بنی سب کے سچ بیٹھی تھی۔ سہیلیاں دل جوئی کم کر رہی تھیں، نمک زیادہ چھڑ کر رہی تھیں۔ اماں کے ہاتھ کے بے لذت آلو والے ہاتھ نے منہ سے پن سے کھانے جارہے تھے۔

اس معاملے میں زہبی کسی سے پیچھے نہیں تھی۔

”چھوٹوں کی تیار کیا تھی؟“ مردانہ وار ڈکار مارنے کے بعد سندس گویا دیا کہ وہ کوئی ضروری بات بھی کر رہی تھی۔ زہبی نے جان بوجھ کر بے پروائی ظاہر کی حالانکہ دل میں بیچ دو تب کھانے میں لگی تھی سندس کے جہازی سائز ٹوالوں پر جو اس کے بولنے میں آڑے آ رہے تھے۔ جیسی تو وہ شاق اور آسٹریلیئن وہ تھی، لیکن اہل موقوف کر کے پیٹ کا اینڈرسن بھرنے میں لگی تھی۔

”وہی داستان لڑنا۔“ حینا بھی پراغوں سے فارغ ہو چکی تھی اور آدھ جوش دکھانے میں پوری جان لگائی۔

”ہاں اس کی بیوی..... روزا..... ہماری زہبی کے مقابلے میں “یہ ہے۔“ سندس..... نے “یہ“ کی شکل انگوٹھا دکھا کر ظاہر کی۔ دہی کو بے پروائی ترک کر بی بی تھوڑی ٹھنڈی پھوار برسی کی اندر نکلیں۔

”میں نے جب پہلے پہلے اس کو دیکھا..... مطلب فرسٹ ٹائم..... یقین کرو..... میں بھی شائستہ کی ساس ہے۔“ زہبی کا منہ اور آنکھیں دونوں میل نکلیں۔

”شکر ہے میں نے اس کو نا ہی، آنٹی کچھ پکارا نہیں۔“

”شکل کی کیسی ہے؟“ زہبی نے اب کی بار پورے تجسس سے پوچھا۔

”شکل میں کیا رکھا ہے، جب تمہیں بتا رہی ہوں شائستہ کی اماں جتنی ہے..... اور گوری چڑی کے علاوہ کچھ نہیں اس کے پاس..... ہماری کام دانی کی شکل اس کے مقابلے انٹو رہا ہے، لکھ کر دے دوں..... لڑکیاں شائستہ کی شکل پر ماتم کرنے لگیں۔ جس نے دلکش کا پیکر ذیاب انشا کو چھوڑ کر بیروں پر کھلائی ماری کی پر زہبی کو نہ اس کی شکل پر

ماتم کرنے کا خیال آرہا تھا نہ اپنی کم مائیگی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے اندر تو کوئی زندگی سے بھر پور قوتیں لگانے میں ممکن تھا۔ گویا دل پر چھائی شکافت اترتی تھی۔

☆☆☆

اماں ن کا نکتہ بنی ہوئی تھیں۔ اور ارد گرد کی ان بھولیاں مغورا، بشنم، زہیدہ، صابرہ، فہیدہ اور عزیزہ کسی سبق کی طرح “شاقا نامہ“ سنارہی تھیں۔

”بھلے شاقا غلط ہو، پر ایک بات ماننے کی ہے، اس کی سراسر مال ہے بڑی طرف دانی۔ سیماء کے لیے سارا تھیر شائستہ کی بیوی کے پیسوں سے بنا ہے۔“

مغورا کی اس اطلاع کو اماں مطمئن نہیں کر پائیں۔ کرمی کیسے سکتی تھیں کہ اس میں “روزا“ کی تحریف آ رہی تھی۔

”ہاں..... اماں بھی شائستہ کی شادی نے تو کمر کا گھر بدل دیا۔ ہم سمجھ رہے تھے یہ من شائستہ کی وجہ سے برسر رہا ہے۔ یہ حقیقت تو اب جا کے نکلی۔“

شائستہ کی تنخواہ آٹا نہیں تھی دولت اس کی بیوی کے پاس ہے۔ اس کی بیوی کے دم سے اُن کے گھر کلمشی اترتی ہے۔ سیماء کا بھتیجہ اتنا ہے کہ تین ٹرک کم پڑ جائیں۔ یہ تو روزا کی دین ہے۔ اور شو شائستہ کی ساس نے الگ، ہوسر نے الگ اپنی بھر بھر تنہو دیا ہے۔ ہاتی گھروالوں کے تختے بھی بے حساب، شائستہ سے چھوٹے عرفان کا بھی ویزا لگوار ہے ہیں شائستہ کے سسرالی، اس کو بھی وہیں بولائیں لکھ کر رہے تھے سیماء اور اس کے شوہر کو بھی شادی کے بعد وہ کیا ہوتا ہے..... ہنی مومن..... اس کے لیے وہیں لے جائیں گے۔“ اماں ن کا گواہی بدتر رنج حیرت کے سمندر میں بڑھتی لگی۔ اب یہ حالت تھی کہ کوئی چٹکی بھی کاٹ لیتا اس کو اثر نہیں ہوتا تھا۔ وہ منہ کھولے، آنکھیں پھاڑے آسٹریلیا کی سیر کو چلی گئیں۔

”ہم نے تو انگریز بیویوں کے اگلے چلتے دیکھے ہیں۔“ زہیدہ چاچی نے منہ بنایا۔ ”وہ حقیقت بھائی کا، سکرگرافیا لندن والی جولیا تھا ایک سال بھی نہیں لگی کی۔“

”وہ لندن والی تھی، یہ آسٹریلیا والی ہے۔ اس لیے تو کچھ کمیشن سال سے شائستہ کے ساتھ ہے۔“

”تین سال.....“ اماں کے انہماک میں کچھ طبل ہوا۔

”ہاں تین سال..... ایک بیٹی بھی ہے۔“ یعنی اور اذیت بھری اطلاع تھی۔ اماں کا چہرہ دھواں ہواں ہوئے لگے۔

”یہ پرویز بھائی اور ناصرہ جب پچھلے سال ہاں گئے تھے آسٹریلیا شائستہ کے بلاوے پر..... جب سے ان کو پتا لگ گیا تھا۔ شائستہ کی شادی اور بچے کا۔ اب جاکر باقیں کھول رہے ہیں کہ وہاں ہر کچھ سادہ لی کے اشفاق خود آ کر سب بتائے گا ہر کچھ جانتے.....“ اماں کے اندر آدھیاں چلنے لگیں۔ شائستہ کے اماں اب کا پچھلے سال آسٹریلیا سیر کو جانا ان کے علم میں تھا۔

”اچھا بس..... حینا! اب تو دل پر مت لے۔“ شاپاش بہادر بن..... “عزیزہ کو ترس آ گیا تھا اماں کی حالت دیکھ کر۔“

”عظم کیا تھیں نے۔“ اماں کی آواز میں آسوں کی آمیزش تھی۔ ”جب بتا دیے بیٹے کے کرتوت تو آج حالات ایسے نہ ہوئے کیا پتا میری لڑکی کی اس سے بھی اچھی بیکہ شادی ہو جاتی۔“

”ابو..... وہ تو اب بھی ہو جائے گی اللہ کرے“

”کاؤدو کینا تو کسی۔ پتا بھی نہیں چلے گا۔“

”سیماء کو شائستہ کی لڑکیں سے بھیرے کی انگوٹھی مل دی ہے۔“ مغورا نے قدرے تیز آواز میں مہلوع کلام نوٹی جی جگہ سے جڑو کسب کو بھر جھرا۔

ساحنے پر بچو کر گردیا۔

”بھیرے کی انگوٹھی!“ اماں دوسری سانس لینا بھول گئیں۔

”ہاں، ہاں اور سنو.....“ بچہ ابھی باقی ہے۔“

”شائستہ کی وہ دہنی فر فر پٹپٹائی ہوتی ہے۔ اس کے ماں باپ کو بھی آدھی اوچھوری آتی ہے۔ شائستہ کے ماں باپ بھوپ پرویز صمد نے چارے ہیں۔ کہتے ہیں آسٹریلیا میں بھی اس نے ان کو بہت کچھ دیا تھا۔ پرویز اور روزا جب کام کے لیے نکلے تھے تو روزا گھر میں تھیں، شملیں منگوا کر انہیں دی جاتی کہ وہ بورنہ ہوں۔ سیر کے لیے بھی خود لے جاتی۔“

”اب سیماء کی شادی کے لیے آئے ہیں؟“ کسی نے پوچھا۔

”ہاں..... انکوئی بہن تو تھی۔ شائستہ نے تو آٹا ہی تھا۔ ساتھ بیوی..... اور ساس، ہوسر کی بھی دھواں کر دی۔“ بائیں نے چاٹنے دیر کئی رہی تھیں۔

حیرت انگیز حد تک اماں کے اندر کی کلفت، نہ معلوم کیفیت میں بدلنے لگی تھی۔ وہ پوری طرح کم سم تھیں۔

☆☆☆

کم دیش ای قسم کے قہر سے اب تک بھی ضروری مدد کی صورت پہنچنے لگے۔

”شائستہ کی وہ دہنی نے کھر کا آداب دل کر رکھ دیا ہے۔ بڑی شکار اور دانیاس ہے۔ شائستہ کا سوہرا تو اپنا ہار ہو گیا کچھ۔ روز رات گئے تک مہویدری کی جینک میں ہمارے ساتھ بیٹھا رہتا ہے۔ اس کی رنگ برنگی پٹپٹائی خوش کر دیتی ہے۔ پورا ڈور دکھا رہا ہے آسٹریلیا واپس جانے تک سیکھ جائے اور تو اور وہ جو سراسر نیکی جھکوع ہے اپنا پیار..... اس نے تو آسٹریلیا میں سوہرے کو دو کا پہاڑ یا کروانے میں دن رات ایک کر دیے ہیں۔ یاد مر جھوناں اس سے سراسر نیکی زبان میں دو کا

زندگی میں جہاں رشتے ناتے اور روابط بہت اہم ہوا کرتے ہیں
... وہیں ایک دوسرے کے مثبت رویے بھی کسی
خاندان کے لیے مضبوط ستون کا درجہ
رکھتے ہیں... مگر ہمیں بہت سے
لوگ، بہت سے مواقع ایسے
ضرور ملتے ہیں... جب
محبت دستک دیتی ہے
... اور اس کی خوشبو
میں روشنی کی تابناکی
بھی ہوا کرتی ہے۔ اس کے
ساتھ ساتھ... مگر وفربے
... سفاکی اور تنگ نظری کے
ساتھ... ازل سے محبت کرنے والوں
کے دشمن رہے ہیں اور زندگی بھی یہی ہے کہ کبھی
کبھی تڑپ کی لگی بھی حکم کے اکے کو کاٹ دیا کرتی ہے...

ہماری اہ ناز مصنفہ ناسید سلطانہ اختر کے قلم سے ایک شاہکار ناول

جس کی سرسری زندگی سڑک کی نظر آئے گی

زندگی

ناسید سلطانہ اختر

ٹوک شیر پہ پوں ہم نے گزارے لے
کالج کی آنکھوں سے خوابوں کا گزر ہو چپے



نوجوان عورت نے بچہ کو جس بھی مقصد یا حکمت کے تحت دلہیز پر ڈالا تھا ایسی کو اچھا نہ لگے۔ جی میں آیا اس کے کس "بی بی! شوہر کے خلاف جھپٹیں کیسی ہی شکایت کیوں نہ کی اپنی اولاد کو یوں دوسرے کمر کی دلہیز پر ڈالا جاتا ہے کھانا۔ لیکن اسے دل کی بات زبان پر لانے کے بجائے انہوں نے جبکہ کروڑ پتی پر بڑے بچے کو دلہیز میں لایا اور اسے اس کی ماں کی گود میں ویسے ہوئے بولیں۔

"آج آپ لوگ اندر آجائیں۔" اسی کو خدشہ تھا کہ اس بڑوس سے کوئی کم مونیائیں لینے کو نکل آئے۔ دونوں عورتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ انھوں ہی انھوں میں ملے پایا کہ اندر جانے کی کوئی حرج نہیں۔

"غلام صمد کی کلاوی ایک طرف کرو۔" معر عورت نے ڈرا تیرے کہا۔ دونوں اندر آ گئیں۔ اسی نے دروازہ بند کیا اور چاباب کا ہاتھ تھامے دونوں خواتین کو کمر کی جینٹک میں لے آئیں۔

"پانی لاؤں؟" اسی نے ان کے پیٹھ جانے کے بعد پوچھا۔

"پلا دیں۔" معر عورت نے کہا۔

"اسی نے دروازے کا رخ کیا۔ چاباب بھی ان کے پیچھے پیچھے کرے سے نکل آئی اور جن میں آ کر ٹھہرا حال کی کسی پر پڑھائی۔ ریفٹر پکڑے شہری بول نکالتے ہوئے اسی نے چاباب کو دیکھا۔ ڈرا سی دیہ میں اس کا چہرہ کچھ سے کچھ ہو گیا تھا۔

"ہمت سے میرا چہرہ۔" اسی نے اس کا سر اپنے سینے سے لگا دیا۔

"آپ کی بیٹی ہوں اسی۔" اس نے خود کو کارل کرنے کی کوشش کی۔

"ہوسکتا ہے یہ جوحت ہی بول رہی ہوں۔" اسی نے اسے دلاسا دینے کو کہا۔

"نہیں اسی۔ یہ جو کہہ رہی ہیں سچ ہے۔ جوحت بولنے والوں کے چہرے اور ہوتے ہیں۔"

اسی نے دو گلاسوں میں شراب ایلنا۔

"لایں بیٹھے دیں۔" چاباب نے فرسے خود اٹھائی۔

"تو چلتی ہو؟"

"جی امی۔۔۔ میرا موجود ہونا ضروری ہے۔" اس نے ایک بل کو توقف کیا پھر گھاس لہجہ میں بولی۔

"کیونکہ یہ میری زندگی کا معاملہ ہے۔"

"تم ٹھیک تو ہونا؟" اسی نے اسے دھڑکا۔

"جی۔" اس نے مسکراتے اور خود کو بہادر ثابت کرنے کی کوشش کی مگر اس کے دل میں کیسا جوار بھانا تھا یہ دیکھ جانتی تھی۔

جینٹک میں دونوں عورتیں خاموش بیٹھی تھیں۔ اسی نے فرسے سے اٹھا کر شراب کے گلاس دونوں کو تھامے۔ پھر دریا تو نوجوان عورت نے اسے فیکڑ کرنے کی اجازت چاہی۔

"ہاں، ہاں اطمینان سے۔" اسی نے کہا۔

چاباب خالی فرسے میز پر رکھ کر بیٹھ گئی، امی بھی اس کے نزدیک دوسرے صوفے پر آ کر بیٹھ گئیں۔ کچھ دیر ماسٹر ہی رچی رچا نوجوان عورت نے اس سکوت کو توڑا۔

گزشتہ اقساما کا خلاصہ

دولت خان آفریدی تھے اور باہتاج شتواری۔۔۔۔۔۔ دولت خان کی پہلی بیوی تھی بی بی جان جس۔ بی بی جان کی پہلی شادی دولت خان کے بڑے بھائی رحمت خان آفریدی سے ہوئی۔ رحمت خان اپنے ساتھ کچھ بھائیوں میں سب سے بڑے تھے ان کے بعد باج بھینس اور پھر دولت خان تھے۔ رحمت خان سے بی بی جان کے دو بیٹے ایاز خان اور اراد خان تھے۔ دولت خان اپنے بڑے بیٹے ایاز خان کے ہم عمر تھے۔ رحمت خان کو دل کا دورہ پڑا تو بی بی جان کی عدت کے بعد عدت کے مطابق ان کا عقد کیا۔ دولت خان سے کردیا گیا۔ دولت خان کو اس نے رشتے سے انکی شرم آئی کہ وہ بیٹھتا ہے کچھ آجائے اور کچھ سوال ایک ٹیبلر کے اسے اس کے پاس رہے۔ پھر ایک دیکر دیکھ انہیں کے قوسے سے کیت جانے کا موقع مل گیا۔ اس کے کہنے پر ان کی بیٹی باہتاج سے شادی کر لی۔ باہتاج نے پھر مری اسکول میں کوثر کی اور پھر کچھ کوثریں پڑھا کر دولت خان کا ہاتھ بنایا۔ دولت خان دس دس راکھ کچھ عرصہ ہو گئے کہ باہتاج نے انتہائی حوصلے سے حالات کا مقابلہ کیا۔ بی بی باہتاج کو ڈاکٹر بنا دیا اور چار شہزادے ملے۔ اس کی شادی کر دی۔ بیجوت خان ایکٹریکل انجینئر تھا اور ایک پرائیوٹ ادارے سے وابستہ تھا۔ بیجوت کی بیوی اراد، باہتاج کی ایک کونیک کی بیٹی تھی۔ چاباب نے اسے امی لے لیا اور وہ ایک نکلے تعلیم میں سولہ کریدی آفریدی کی پہلی بیوی تھیں کے قوسے سے خود وہ بیٹس میں کی اس کی کا اہل ثابت کیا۔ ایک ثانوی تعلیم ادارے میں چاباب کا تقرر کیا گیا۔ رباب انجینئر بن چارٹی جی۔

ناہک کے دو بیٹے تھے اور بیجوت کی ایک بیٹی تھی اسم۔ باہتاج بھی اس ادارے میں چاباب کا تقرر کیا گیا۔ تقدیم کی ماں سولہ سال کے معذور میں اور ارباب ایکٹریکل پورڈ میں ملازم تھے۔ تقدیم بہتیدیم، تعمیر اور تقدیم کی بیٹی تھیں اور ایک بھائی موس تھا۔ اس کی معذوری کی وجہ سے تنہا پڑنے پر حالی چھوڑ دی اور ان کے ساتھ کچھ میں رہتی۔ تقدیم باغ حاد میں باس کر کے کے بعد ایک ان جی او سے وابستہ تھی۔ تیم تقدیم کی شہینہ نقیبات کی طالبہ کی مومن فرج میں تھا۔ اپنی تیسری کی بیٹی جیتی بخت سے موس کی شادی کرنے کا ارادہ تھا ماں کا۔۔۔۔۔۔ بیٹیلوں کے جوڑ کے رشتے نہ آنے کی وجہ سے کسی کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ شہینہ پورڈ میں ایک سال جو تیرہ دس میں انوالوکی۔ عمار اور تیم باج سال کا تھا۔ ایک ایکٹریکل میں انتقال ہو گیا۔ تاپا کی نے چالی سے آبی گھر سے وٹل کر کے انہیں کھرچ کر چاباب کی لیے جو تے لیتے جاتی تھے وہاں الطاف کو ہندو آ جاتی تھے اور وہ اپنی بہنوں کو چاباب کے گھر رشتے کے لیے بھیجتے تھے۔ موس کے سچ میٹ میں بھائی کے ماموں میرا احمد اسلام آباد میں تھے۔ میٹل کے ساتھ موس کا ان کے گھر جانا ہوتا ہے۔ میرا احمد اور ظاہر کے دو بیٹے معذور اور ظہور اور جیتی عازہ تھیں۔ ڈر اور تیم کا بھتیجی شرت اختیار کر رہا ہے۔ میرا وارنر کے کٹل ہونے کے بعد نقیبات وصال پا گئے۔ عمار کی اس لگا رہے۔ ڈر اور تیم کے خراب سے خاندان میں کسی کی شادی کرنے کے لیے تیار نہیں۔ چاباب اپنے لیے اے ڈے رشتے کے لیے استعداد تیار لیکن اس کے خراب سے مطمئن نہیں ہو سکی اور رشتے نہ کر دیتی ہیں۔ ڈر، تیم کوثر میرن کے لیے دروازے، میٹل چھوٹی رہ جاتا ہے تو میرا احمد موس کا عازہ کی بھڑے کے لیے بلاتے ہیں۔ تقدیم، تیم کے مومن باج پورڈ کے سچ پر دھ لگی۔ اور سب کچھ اپنا تو جاتی ہے۔ تیم پورڈ میں کچھ دنے کے ساتھ باج کوثر میرن کر رہی تھیں۔ تقدیم اپنے دوڑے دار سے کھر لے جاتا ہے۔ ڈر کی بیوی شری بڑے بھتیجے انداز میں ان کا استقبال کرتی ہے۔ تقدیم، تیم کوثر میرن کو رتی ہے کہ اس نے کوثر میرن کر لی ہے۔ چاباب تقدیم کے آکر ہر کرا سے لپچے لپچے شہزادوں کو لے لے۔ تقدیم اپنا کوثر میرن کے کہنے سے کوثر میرن کر لی ہے۔ ڈر پورڈ میں جاتی ہے۔ تقدیم سے لگ جاتا ہے پورڈ میں کوثر میرن میں تقدیم کو اپنا بھتیجہ رہتا ہے۔ تقدیم، ڈر سے کہتی ہے کہ اگر وہ تیم کوثر میرن کے قودہ کو لگا کر چلتے جانے کی خاطر کچھ کوں کو لگا کر اس کی معذرت کر دیں گے۔ چاباب کے نکاح کی تقریب گھر کے بجائے الطاف کے کہنے پر قافہ اعتراض میں ہوتی ہے۔ تقدیم اپنے سے خود کشی کرتی ہے۔ ڈر، تیم سے کھر جانے کی بات کہتے قودہ انکار کر دیتی ہے۔ الطاف نکاح کی تصویر میں لے کر آتا ہے تو چاباب بے دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے کہ کچھ تصویریں میں الطاف کا سر غائب تھا جیسے اس نے خواب میں دیکھا تھا۔ نکاح کے بعد الطاف دبی جانے سے پہلے چاباب سے کہتا ہے کہ اس کے جانے کے بعد اگر کوں کچھ اپنی بیوی اڑا۔

کی کوشش کرے تو اس پر بریقین نہ کرنا چاباب اس بات پر یقین ہو جاتی ہے۔ تقدیم کے گھر میں ڈر کی کال کا انتظار ہوتا ہے۔ ڈر، تیم کوثر میرن کی سادی پھر لپچے سے اور پھر اپنی والدہ کو اپنی والدہ میرن کے بارے میں بتاتا ہے۔ ڈر، تیم سے تقدیم کے لیے عمار رشتہ تیار کیا تو ان رضا مند ہو گئیں کہ اگر وہ کوثر میرن کو دیکھے گا۔ چاباب۔۔۔۔۔۔ اس اسکول سے ڈر، تیم کوثر میرن سے اور دو عورتیں ایک بچے کے ساتھ آتی ہیں جن میں سے ایک خود کو الطاف کی بیوی بناتی ہے۔

”میرا نام بسمہ ہے، یہ میری والدہ ہیں۔“ اپنے دوسرے جیلے پر اس نے دوسری عورت کی جانب دیکھا۔
”مسز رحیم شاہ.....“ مسز عورت نے اپنا تعارف مکمل کر لیا۔

”آپ لوگ آئے کہاں سے ہیں؟“
”ڈینکس سے۔“ مسز رحیم شاہ نے بتایا۔ ”الطاف میرا داماد ہے۔“

”اور میرے مسیٹھ۔“ نوجوان عورت نے بتایا۔

ای نے کن انکیوں سے حجاب کے تاثرات کا جائزہ لینے کی کوشش کی۔ اس کے چہرے پر انہیں کوئی غیر معمولی تاثر دکھائی نہیں دیا۔

”مجھے پتا چل جاتا تو میں اسی دن آتی۔“ بسمہ نے کہا۔

”تو کیسے آ سکتی تھی بیٹا تو اس روز لیبر روم میں تھی۔“ ماں نے بسمہ کی بات پر اسے ٹوکا۔

”مئی! مجھے پتا چل جاتا تو چاہے لیبر روم سے اٹھ کر آتا پڑتا مجھے میں آتی اور الطاف کا حشر نشر کر دیتی۔“

بسمہ کا لہجہ جارحانہ تھا۔

”آپ کو پتا کیوں نہیں چلا؟“ بسمہ اس کی والدہ اور خود امی نے بھی چونک کر حجاب کی جانب دیکھا۔ اس

نے بولنے کی ہمت کیسے کر لی تھی۔ اسے تو صدمے سے سکتا ہونا چاہیے تھا۔

”الطاف سے ہم لوگوں کی کچھ ان بن چل رہی ہے اس لیے یہ اپنے گھر میں نہیں ہوتی ہمارے پاس آئی

ہوئی ہے۔“ مسز رحیم شاہ نے بتایا۔

”آپ کو پتا کیسے چلا؟“ اب کی بار بھی سوال حجاب ہی کی طرف سے آیا اور اس کے اس سوال نے بسمہ کو

دوبارہ یہ پوچھنے پر مجبور کر دیا۔

”تم حجاب ہی ہونا؟“

”آپ کو کچھ شبہ ہے؟“

”نہیں، نہیں۔“ بسمہ خفیف ہو گئی۔ ”وہ تو میں تمہارے ہاتھوں پر مہندی دیکھ کر سمجھ گئی تھی۔“

”آپ غالباً حیران ہیں کہ میں کیوں بات کر رہی ہوں۔“

”میں غصے میں آئی تھی لیکن آپ لوگوں کا رویہ دیکھ کر مجھے اب شرم بھی آرہی ہے۔“

”آپ بے تکلف ہو کر بات کریں۔ یہ جتنا آپ کی زندگی کا معاملہ ہے اتنا ہی میرا بھی ہے۔ ہمیں معلوم

ہونا چاہیے کہ حقیقت کیا ہے۔ دھوکا دیا گیا ہے تو کس کو کتنا۔“ حجاب نے کہا۔

”ہمیں تو کچھ پتا ہی نہیں تھا۔ جب یہ بچہ پیدا ہوا تو ہم نے الطاف کو فون پر اطلاع دی۔ امید تھی کہ اتنی بڑی

خبر سن کر وہ دوڑ آئے گا مگر اس نے پلٹ کر نہیں پوچھا۔ دو دن پہلے کسی جاننے والے نے بتایا کہ الطاف تو کسی

لوہی سے نکاح کر کے گیا ہے۔ بڑی مشکل سے آپ لوگوں کے گھر کا پتا چلایا۔“

”کس سے۔ کس نے بتایا؟“ ای نے پوچھا۔

”آئی ڈھونڈنے پر آؤ تو خدا بھی مل جاتا ہے۔“ بسمہ نے امی کو لا جواب کر دیا۔

”نکاح تو ہوا ہے نا؟“ بسمہ کی والدہ نے تو یقین چاہی۔

ای نے اثبات میں سر ہلایا۔ بسمہ کی والدہ نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

”ماشاء اللہ آپ کی بیٹی بھی خوش شکل ہے، میں پوچھ سکتی ہوں الطاف کو آپ لوگوں کو اندھیرے میں رکھ کر دوسری شادی کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ میاں بیوی میں ان بن تو ہو ہی جاتی ہے۔“ امی نے متحمل لہجے میں کہا۔

”دیکھیں۔“ بسمہ نے مداخلت کی۔ ”ہم اس وقت ایک اہم معاملے پر بات کر رہے ہیں اس لیے بہتر ہوگا کہ مکمل کر بات کریں۔“

”بالکل۔“ امی نے تائید کی۔

بسمہ نے بچے کو اپنی والدہ کے حوالے کیا اور سٹ کر بیٹھتے ہوئے اپنا روئے سخن بیک وقت امی اور حجاب کی جانب کرتے ہوئے بولی۔ ”ہر شخص کا ایک ماضی ہوتا ہے لیکن کسی کے حال یا مستقبل کو آپ اس کے ماضی کی وجہ سے برباد کریں تو یہ زیادتی ہے یا تو آپ اس سے تعلق ہی نہیں جوڑیں اور اگر جوڑ لیتے ہیں تو پھر اس تعلق کو انسانوں کی طرح نبھائیں۔ اسے جانوروں کی طرح بھنبھوڑ کر سسکنے کے لیے نہ چھوڑیں یہ بے رحمی ہے..... کیا خیال ہے آپ کا؟“ اس نے اپنے آخری فقرے پر ابی اور حجاب سے اُن کی رائے چاہی۔

”بالکل ٹھیک۔“ حجاب نے بر ملا تائید کی۔

بسمہ نے سر جھکا لیا اور آہستگی سے بولی۔ ”مجھ میں اتنی اخلاقی جرأت ہے کہ اپنے گناہ کا اعتراف کر سکوں.....“ اس نے توقف کیا پھر کہا۔ ”الطاف سے میری شادی ہونے سے پہلے میری کسی اور سے انڈینڈ تھی مگر نہ اس کے گھر والے راضی تھے نہ میرے گھر والے۔ الطاف سے ہماری دور کی رشتے داری ہے۔ اس نے مجھے پسند کر لیا۔ رشتے داروں میں کسی نے اسے ہٹا دیا کہ میں کسی اور کو پسند کرتی ہوں اس کے باوجود الطاف نے مجھ سے شادی کر لی۔ شادی کے بعد میں پچھلا سب کچھ بھول گئی۔ میں نے الطاف کو عزت دی، مکریم کی، دل میں اس کی محبت کو جگہ دی۔ اس کے ساتھ غلطی نہ رہی۔ اس کے گھر کو اپنا گھر، اس کی ہر چیز کو اپنے پاس اس کی امانت سمجھ کر اس کی حفاظت کی کوشش کی لیکن الطاف نے مجھے ہمیشہ میرے ماضی کے آئینے میں دیکھا۔ مجھے کبھی وہ اعتبار نہیں دیا جو ایک عورت کا بیوی ہونے کے ناتے ہوتا ہے۔ پریشانی کے بعد وہ مجھے دہلی سے پاکستان لائے اور یہ کہہ کر مجھے میرے والدین کے گھر چھوڑ گئے کہ یہ میرے لائق نہیں۔“ دھیمے لہجے میں بات کرتے کرتے وہ ایک لحظہ بھڑک اٹھی۔

”یہ کہاں کی انسانیت ہے بھئی کہ تم نے ایک لڑکی سے شادی کی۔ اس سے جب تک تمہارا دل چاہا اپنا مطلب نکالا پھر چھوڑ گئے۔ صرف اس لیے کہ تمہیں اس کے ماضی کی ایک کنزروی کا علم تھا۔ کسی کو کیا پتا کہ تمہارا اپنا ماضی کیا رہا؟ کتنی لڑکیوں سے چکر چلایا.....! کس کس کو برباد کیا، کوئی شوقیت پیش کر سکتے ہو اپنی پارسائی کا..... یہ زیادتی ہے..... استحصال ہے، میں اسے کنڈم کرتی ہوں اور اپنے حق کے لیے لڑنے لگی ہوں۔ انجام کی مجھے اکل پر داؤ نہیں۔ میرا موقف یہ ہے کہ الطاف کو شادی سے پہلے ہی میرے ماضی کا علم ہو گیا تھا۔ اسے یا تو مجھ سے شادی کرنی نہیں چاہیے تھی اور اگر کی تو نبھانا تھی۔ یہ کیا کہ جب تک آپ کا جی چاہا رکھا اور جب جی بھر گیا تو نکال پھینکا۔ میں اسے چین سے تو نہیں رہنے دوں گی۔“

”میں نے اسے بہت سمجھایا کہ وہ مرد ہے، چار شادیوں کا حق ہے اسے مگر یہ سنتی ہی نہیں۔“ بسمہ کی می می نے

لی ہوں الطاف تو مجھے ایک سانس میں تین طلاقیں دے دے گا۔“

”وہ آپ کو طلاق دے یا نہ دے مجھ سے اپنا رشتہ بہر حال توڑا ہوگا اسے۔“

ای ہڑ کرآج کربا کو کیسے لگیں۔

”نہیں، نہیں، ہمارا یہ مقصد نہیں۔ اگر الطاف ہماری بیٹی کو اپنے گھر میں نہیں بساتا چاہتا تو ہم تمہارا ہستا گھر اٹاڑیں۔ اس نے تو کہیں نہ نہیں کر لی تھی شادی۔ بسہہ کبھی یہ مقصد نہیں، کیوں بسہہ؟“ بسہہ کی ماں نے بسہہ کی طرف دیکھا۔

”ہاں وہ تم سے نہ کر سکی اور سے کرتا، دوسری شادی تو اس نے کر لی تھی۔ میں یہاں نہ آتی اگر مجھے یہ پتا نہ چلتا کہ وہ خود کو خیر شادی شدہ ظاہر کر کے دوسرا نکاح کر گیا ہے۔ میں چاہتی ہوں جس طرح اس نے ماضی میں کی اور کے لیے میری پسندیدگی کے جذبات کو میرے لیے ایک طعنہ بنا کر رکھا اور مجھے ہمیشہ اپنی نظروں سے گرا کر رکھا اس طرح وہ خود بھی اپنے جھوٹ کی سزا میں ہمیشہ تمہاری نظروں سے گرا رہے۔“ بسہہ کے لہجے میں تیش تھی، کرب تھا۔

”مجھ سے تو اس کا رشتہ ختم ہو کر رہے گا۔“ عجب نے فیصلہ کر لیا۔

”عجب! اے کیسے لہجے میں عتابی تہی۔“

”یہ فیصلہ ہے اے۔“ اس نے انتہائی قطعیت سے کہا۔ زندگی میں یہ پہلا موقع تھا جب ای کے بجائے وہ خود اپنی زندگی کے لیے کوئی فیصلہ کرنے کا اعلان کر رہی تھی۔

☆☆☆

”ای نہیں ہوتا..... مفاہمت کے راستے کالے جاتے ہیں..... سمجھو تا کرنا پڑتا ہے۔ جب کہیں جا کر زندگی

گزرتی ہے۔“ ای نے دلوں خواتین کے جانے کے بعد اسے چھایا۔

”میں کوئی مفاہمت نہیں کروں گی ای۔“ اس نے دلوں کہا۔

”کیوں، کیوں نہیں کرو گی؟“ ای نے تیوری چڑھا کر دیکھا۔

”جھوٹے اور دھوکے باز آدمی کی میری زندگی میں کوئی جگہ نہیں۔“

”ہو سکتا ہے جھوٹی ہی عورتیں ہی ہوں۔“

”ہاں، لیکن کو آری کیا..... آپ براہ راست اس شخص سے یا اس کی بہنوں سے پوچھ لیں۔“

”یہ کیوں کہ تمہاری بیوی اور سراسر آئی تھیں۔“

”ان کا حوالہ دینے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ یہ بھی کہہ سکتی ہیں کہ کسی ذریعے سے پتا چلا ہے۔“

”پہلے تا یا ب اور بہت کو تو بتا دوں۔“

”خون پرست بتائے گا۔ گھر بلا کر پوری بات بتائیں۔“

”خانم خانم اور ارم کو بہک نہیں لیا چاہیے۔“

”کیوں؟“

”نہیں گے۔“

”آج نہیں تو کل پتا تو کسی کو چلے گا۔“

”اتنی آسانی سے نہیں می۔“ بسہہ نے ماں کو دیکھا اور چارچاند انداز میں بولی۔ ”میں ابھی اس کے نکاح میں ہوں اور قانون کے تحت وہ مجھ سے اجازت کے لیے بغیر دوسری شادی نہیں کر سکتا اور نہ سزا اور جرمانہ دینا پڑے اسے..... اس نے جو کرنا تھا کر لیا۔ میں ابھی جو کر سکتی ہوں وہ کر دوں گی۔“ اپنا کیا اس نے عجب کو براہ راست مخاطب کیا۔ ”عجب! ایمانداری کا قصہ تو یہ تھا کہ الطاف تم سے نکاح کرنے سے پہلے خود کو لوگوں کو یہ بتاتا کہ اس کی پہلی شادی دوسری شادی ہے لیکن جس رشتے دار نے ہمیں اس کی دوسری شادی کے بارے میں بتایا اس نے پتا چلا کہ وہ اور اس کی بہنیں باقی رشتے داروں سے چپ چپاتے لڑکی والوں پر یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ یہ الطاف کی پہلی شادی ہے۔“

”جس رشتے دار کو یہ پتا ہے وہ دوسروں کو بھی پتا کتا ہے۔“ ای بولیں۔

”پتا بتا چلی چکا ہے سب کو..... اور میں بھی یہ تہہ پہنچ چکی ہوں کہ الطاف کو اپنا اجازت دوسری شادی کرے۔ پر سزا ضرور دلوں کر کر دوں گی۔ اس کے بعد خود مجھے اس کی طرف سے جو بھی سزا ملے منظور..... بسہہ کی آنکھوں میں آنسو اُٹنے لگے۔ عجب اپنی جگہ سے اٹھی اور اس کے پاس جا بیٹھی۔ ای تیراتی سے اسے دیکھنے لگیں۔

”ایک بات پوچھوں؟“ عجب نے اس کے شانے پر ہاتھ دھرے ہوئے کہا۔

”پوچھو۔“ بسہہ اسے ابھی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

”اس سے کتنا پیار ہے آپ کو؟“ عجب نے بسہہ کی والدہ کی گود میں اس کے نو زائیدہ بیٹے کی طرف اشارہ کیا۔

”مت پوچھو.....“ بسہہ نے جھک کر بچے کا سر چوما۔

”اس اتنی پیاری اور قیمتی چیز کو آپ نے میرے قدموں میں ڈالنے کی غلطی کیوں کی؟“

”جب کچھ مجھ میں نہ آئے تو پھر ایسی ہی حرکتیں کیا کرتا ہے انسان۔“ بسہہ کی آنکھیں بھر آئیں۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”ماتا کو آپ کو الطاف سے تکلیف پہنچی ہے مگر الطاف کا بیٹا ہونے کی اتنی بڑی سزا اس نے بھی سی جان کے لیے کسی طور پر منہا نہیں۔“

بسہہ مزید شرمندہ دکھائی دینے لگی۔

”ایسا کیا بات بتائیں..... اگر میں اس کے باپ سے اپنے نکاح کے جرم میں اسے سنبالے تو آپاں ہواؤں تو چھوڑ دیں گی آپ اسے میرے پاس؟“ عجب نے کہا۔

”اور مائی ڈیڈی ڈیڈی اوہ تیرنی کی طرح بھگر بولی۔“ اس کا باپ بھی نہیں لے سکا اسے مجھ سے۔“ اس نے بچہ کو مائی کے ہاتھوں سے لے کر اپنے سینے سے لگا لیا اور اپنے ہونٹ اس کے سر سے کرتے ہوئے عجب کو بکھاس طرح دیکھنے لگی جیسے وہ واقعتاً اس کا بچہ اپنی تحویل میں ہی تو لینے جا رہی تھی۔ عجب دھیرے سے مسکرائی۔

”ایسی مشکوک نظروں سے مت دیکھیں مجھے.....“ اس نے توقف کیا پھر بولی۔ ”میں آپ کو یقین دلائی ہوں کہ میری طرف سے آپ کے حق پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔“

”حق! بسہہ نے کرب سے کہا۔“ پہلے کو سا کوئی حق تھا میرا..... یہ جانے کے بعد کہ میں آپ لوگوں سے

”اُسی لیے تو کہہ رہی ہوں اس بات کو زیادہ اچھا لے کے بجائے مفاہمت کرنی چاہیے۔ پہلی بیوی کو تو اس نے رکھنا نہیں، رکھنا ہوتا تو اس باپ کے ہاں کیوں چھوڑ جاتا۔ مرد کے دل میں عورت کی طرف سے ایک مرتبہ ہال آ جائے تو پھر شے میں دراڑ پڑتی ہی ہے۔“

”اور اگر عورت کے دل میں ہال آ جائے؟“

”اسے سمجھو تا کرنا پڑتا ہے۔“

”اچھا انصاف ہے، بھئی۔“

”عورت کمزور ہے۔“

”یہ آپ کہہ رہی ہیں۔ ساری زندگی اس پہاڑی پامردی سے گزارنے والی خاتون۔۔۔۔۔“

”میں اکیلی نہیں تھی۔ تمہارے بابا اور تم میری ہی قوت بنے رہے، اکیلی عورت کمزور ہوتی ہے۔“

”آپ اور میرے بھائی بہن ہیں نا، مجھے قوت دینے کے لیے۔“

”عورت کو بھائی۔ بہنوں سے نہیں شوہر اور اپنی اولاد سے قوت ملتی ہے۔“

دوسرے کمرے میں اس کا موبائل فون بجنے کی آواز سنائی دینے پر اُسی چوکی ہی نظر آنے لگیں۔ ”گلتا ہے تمہارا فون بچ رہا ہے۔“

وہ ابھی اوردو راسی درمیں دوبارہ پلٹ آئی۔

”کس کا فون تھا؟“ اُسی نے پوچھا۔

”اُسی کا۔“

”الطاف کا۔“

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

”کیا کہہ رہا تھا؟“

”میں نے موبائل آف کر دیا ہے۔“

”کیوں!“ اُسی چوکیں۔

وہ چپ رہی۔

”کیوں آف کر دیا؟ بات تو کی ہوتی۔“

”کیا بات کرنی اُسی کا اکرسمہ اس کی بیوی ہے۔۔۔۔۔ جو کہ وہ ہے۔۔۔۔۔ تو میرے پاس کیا جواز رہ جاتا ہے اس سے بات کرنے کا۔“

”تم بھی اس کی بیوی ہو۔ آخر میں بھی تو تمہارے باپ کی پہلی بیوی کی موجودگی میں اُن کی دوسری بیوی بن کر ساری زندگی اُن کے ساتھ رہی۔“

”میرا باپ دھوکے باز نہیں تھا مای۔۔۔۔۔ آپ سے شادی کرنے سے پہلے انہوں نے آپ کے گھر والوں کو سب کچھ بتا رکھا تھا کہ نہیں۔“

”بعض اوقات مجبور یاں ہوتی ہیں جو بتائے نہیں دیتیں۔“

”مجبوری و جبوری کچھ نہیں۔۔۔۔۔ وہ فراڑی ہے۔۔۔۔۔ آج اس نے پہلی بیوی کی موجودگی چھپائی ہے کل۔“

وہ خاموش ہو رہی۔ جی چاہ رہا تھا قسمت کی ستم ظریفی پر چیخیں مار مار کر روئے مگر اس نے اپنے دل اور انگوٹوں پر مضبوطی کے پھرے بٹھار رکھے تھے۔ ذہن جنگجو ہو رہا تھا۔ کیا یہ تھے وہ دشمن اور حاسد جن کے بارے میں لطاف نے اسے دہنی جانے سے قبل ہوشیار کیا تھا۔ کیا اسے اپنی سابقہ ساسی زربار یہ کے بارے میں یہ کہنے کی سزا مل چکی کہ وہ تو کسی قیمت پر کسی شادی شدہ مرد سے خواہ اس کی بیوی زندہ ہو یا مردہ شادی کرنے کی غلطی نہیں کرے۔ اوہ خدا یا۔۔۔۔۔ جو سب کچھ تھا حیات کا یہ سرخ پہاڑ تھا۔۔۔۔۔ اور اس کی غلطی نہیں تھی۔

☆☆☆

سرخ ہونے والے وہ کمرے میں اکیلی بیٹھی تھی۔ مدثر اسے رات کی تاریکی میں یہاں چھوڑ گیا تھا۔ گھر میں کسی نے خوش آمد نہیں کیا تھا۔ وہ خود ہی اس کمرے میں چلی گئی تھی جو اس گھر کو چھوڑ جانے سے پہلے اس کا کرا ہلا یا کرتا تھا مگر آج۔۔۔۔۔ کمر اس سے بچا گئی کا اظہار کر رہا تھا۔ اس نے چار اطراف نظر دوڑائی سب کچھ اسی طرح تھا جس پر وہ اپنی جگہ چھوڑ گئی تھی۔ اپنی جگہ چھوڑ جانے والوں کو واپسی پر جگہ کب ملتی ہے۔

گھر میں ہو گا عالم تھا۔ مدثر اسے دروازے پر ہی ابا کے حوالے کر کے چلا گیا تھا۔ اس نے لایا کو اہستہ سے سلام کیا تھا اور ابا نے بہت سرد بچے میں اسے سلام کا جواب دیا تھا۔ جس اس کے سوا کوئی بات نہیں ہوئی تھی ابا اور مدثر میں۔ جنسیت کو سلام کرنے کی ہمت بھی نہیں کر سکی۔ گھر کے اندر آئی تو لگا کسی انجان جگہ آ گئی ہے۔ ابا اسے فن میں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ وہ خود ہی اس کمرے کی طرف چلی گئی جو اس کا بوا کرنا تھا۔

کچھ دیر بعد اسے کھڑکی کی جانب سے کھڑکس کی آواز سنائی دی۔ اس نے نظر اٹھا کر کھڑکی کی طرف دیکھا تو قہر اور تقدیر کے چہرے دکھائی دیے۔ وہ کھڑکی سے کمرے میں جھانک رہی تھیں لیکن اسے اپنی طرف نہ دیکھتے یا کہ وہ کھڑکی کے پاس سے یک نخت یوں غائب ہو گئیں جیسے تنیم کی نظر دوبارہ اُن پر پڑتی تو وہ پتھر کی او جاسی کی۔ اس کا جی چاہا اٹھے کھڑکی تک جائے۔ باہر جھانک کر بہنوں کو پکارے اور کہے۔ ”آؤ۔۔۔۔۔ مجھ سے۔۔۔۔۔ مجھے بتاؤ میرے پیچھے گھر میں کیا ہوتا رہا؟“ مگر وہ ایسا کب کر سکتی تھی۔ وقت نے اس کے پاؤں میں ڈال ڈال دی تھی۔

گھر کے سنانے میں صرف دیوار گیر گڑبالی کی تک بلک زندگی سے تعلق قائم رہنے کا احساس دلانے کو باقی بچی کی خدا یا۔۔۔۔۔ کتابتیب اور جان کیو اتھارے سنا۔۔۔۔۔ اسے دواش ریم جانے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی مگر اس کے پاس بچے پتھر کے ہو چکے تھے۔ یہ وہی گھر تھا جہاں وہ رہا کرتی تھی یا کوئی قبرستان! نہ کوئی آہٹ، نہ زحمت، نہ دشمنی کے آثار، نہ کوئی پکار۔۔۔۔۔ اسے دشمنی کی بھوری تھی۔ اٹھ کر بھاگ جانے کو جی چاہ رہا تھا مگر کہاں پہنچی۔۔۔۔۔ اسے تو نادر کے گھر کا راستہ بھی ٹھیک طرح سے یاد نہیں تھا۔ علاقہ تو گلستان جو ہر گھر کا مگر اس کے گھر پہنچنے کے لیے کتنے بہت سے فتح و فتح آتے تھے۔

کمرے کا دروازہ اب کھلتی سے کھلا۔ اس نے چونک کر دروازے کی جانب دیکھا۔ اپنے ہی گھر میں خوف

”نہیں..... کسی نے بات ہی نہیں کی۔“ وہ دل گرفتگی سے بولی۔ ”بس تقدیرم آئی آپنی تمہیں کھانے کا پوچھنے۔“

”کیا کھایا؟“

”کچھ نہیں۔“

”کوئی؟“

”یہاں کسی نے بات تک نہیں کی تو میں کھانا کھانے کیسے بیٹھ جاتی۔“

”کیسے نہیں تعلق۔“ اس کے لہجے سے جھٹک لال گہرا ہو گیا۔ ”جس گھر میں کوئی آپ سے بات نہ کرے اور ہاں نوا اٹھوئے بیٹھ جائیں تو یہ بے شری ہوگی۔“

”اچھا یا رُٹھک ہے..... فکر مت کرو سب ٹھیک ہو جائے گا..... بات بھی کرنے لگیں گے سب لوگ۔“
 ”تم اپنی مٹی بھجودے اور نہ میں اس شخص میں مری جاؤں گی۔“ وہ روہاسی ہو کر بولی۔

”اوائے..... اوائے..... فی الحال تم سو جاؤ..... سونے کے لیے تو مجھ کی بی بی ہے نا..... یا.....؟“

”اس سے اچھی بات کیا ہو سکتی ہے کہ تمہیں اپنے کمرے میں ہی جگہ مل گئی۔ اب اچھے بچوں کی طرح سو جاؤ، کل صبح اٹ کر کھانا کھاؤ۔“

”تمہی کو کب بھیجوں گے؟“

”بھیج دوں گا مار۔“

”کب؟“ اس کے لہجے میں گونہ بیتانی تھی۔

”اب اس وقت تو نہیں بھیج سکتا۔“ وہ جھنجھلایا۔

66 2 37
.....

”نہ خود زیادہ پریشان ہونہ مجھے کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ وہ اب قدرے نرمی سے بولا۔

وہ چپ رہی۔

”تاراض ہو گئیں۔“

”نہیں..... نہیں تو.....“ اس نے ماندے جی سے کہا۔

”اوسکے اب سو جاؤ اور مجھے بھی سونے دو..... صبح یونیورسٹی بھی جانا ہے۔“

تقسیم کے دل پر دھوکا ساڑا۔ وہ یونیورسٹی جا رہا تھا جبکہ وہ یونیورسٹی جانے سے قاصر تھی۔ کیوں آخر...
 وہاں کچھ ایسے بڑوں سے چسپ کرکٹ میرج کر لیتا اگر جرم تھا تو اس جرم میں تو وہ بھی برابر کا شریک تھا بلکہ
 تو تھی ہی کچھ اس نے مجبور کیا تھا اسے کرکٹ میرج پرورد نہ شاید وہ اس کے ساتھ محبت کی شہینہ بھرتے
 یونیورسٹی بھی جاتی ہی رہتی۔ یونیورسٹی میں اس کی دویش بھی کس کر رہی ہو گی! اسے۔ شاید فون بھی
 نہ ہوں۔ اس نے تو اپنا مہول بھی آف کر رکھا تھا۔ دھڑ سے بات کرنا نہ ہوتی... تو آن کر لیتی۔ یونیورسٹی نہ
 کا قتل درو کا گولہ بن کر اس کے حلق کو دکھن سے دو جا کر کرنے لگا۔

میند سولی پر بھی آ جاتی ہے وہ تو اپنے کمرے میں اپنے بستر پر تھی۔ دیر سے سہی مگر نیند آگئی۔ رات کے پچھلے

محسوس ہو رہا تھا۔ اس کمرے کی تودہ بائیں طرف غیر سے تاجدار ہو کر قیامی تھی۔ یہ کیا وقت آ رہا تھا کہ اسے کمرے کے بام و در و در پار سے تھے۔ تقدیم کو دیکھتے ہی اس نے دیکھ لیا تھا جس میں اس نے تقدیم ہی تو تھی جس نے سو سے اس کی چوری چھری تھی کہ وہ تیری دیدہ دلیری سے اس کی آنکھوں میں کس کی خودی خود مرندہ ہونے کے سبب اس نے تقدیم ہی کو شرمسار کر ڈالا تھا نہ اس کے نتیجے میں اور اپنے جھوٹ کی شرم کی نہ اس کے بڑے سین کا پاس رکھا۔ جتنی چلائی تھی اس دن وہ تقدیم کو جھوٹی ٹھانڈا تھا نہ اس نے کیا جانتی تھی کہ ایک دن وقت اسے اسی کمرے کے جرم کی صورت لا بخانا گا۔ جلد یا بدیر جھوٹ کی قلبی کل رکھتی ہے۔ انسان کو اپنا کچھ جھکتا تو پڑتا ہے۔ سو وہ اس کی چال اس پر آ پڑی تھی۔

”کہا نا لاؤں؟“ تقدیم نے محتاط روی سے اس کے نزدیک آکر پوچھا۔

کوئی اور وقت ہوتا تو کہتی۔ ”پوچھ گیا ہی ہوں، جلدی لاؤ، بھوکے مری جا رہی ہوں میں۔“ بھوکے سے تو میں البتہ گھر کا کھانا کھانے کو ضرور مری جا رہی تھی وہ۔ تنہی کے ساتھ کہ خوش وقت کھانوں کی قدر کرنا ہے تاکہ کھانا کھانے کے بعد اسی تھی۔ تو کیا بد مزہ کھانا کھائی تھی وہ یا شاید جان پوچھ کر ہی کھا کر بد مزہ دیتی تھی اور وہ کسی کس قدر حقارت سے جیسے کسی انسان کو نہیں جانور کے آگے کھانا ڈال رہی ہو۔ اسے نعمت کی قدر ان نعمت کے بعد اسی تھی۔

”تو پھر سو جاؤ۔“ تقدیم نے حزم سے کہا۔

”کیوں سوچاؤ؟“ اس نے جی بی جی میں کہا۔ ڈکٹیشن لینے سے اسے ہمیشہ نفرت رہی تھی۔ کسی کو حق پہنچانا تھا کہ اسے کچھ کرنے اور کچھ نہ کرنے کی ہدایت کرے۔

اس کا خیال تھا شاید یہ تقدیم اس کے پاس کچھ کر اس سے کچھ ایچ کچھ کرے گی۔ اسے برا بھلا کہنے کی غلطی کا احساس دلانے کی کوشش کرے گی لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔ تقدیم نے اس سے سوچانے کو کہا اور مزے کہنے سے بنا کرے سے چلی گئی۔ ایسی لائق تسلیم کا دل کڑے لگا۔ تقدیم نے آئی کچھ تو کہیں، اسے قصور ظہر تھیں۔ انہوں نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔ سوائے اس کے کہ سوجاؤ دو کوئی سونے کے لیے آئی تھی یہاں.....

جہاں سونا ہوتا تھا۔ بستر ایسا صاف تھا اور بے شکن تھا جیسے کسی مہمان کے لیے بچھا گیا ہو۔ وہ بھی خواب اس میں مہمان نہ تھی۔ ایک دن، دو دن، چند دن۔ ویسے اگر مہمان نہ بھی ہوتی تو خبیث کو تو گرہیں ہرچیز کو صاف رکھنے کا جنون تھا۔ واضح مشین لگاتی تو اہل خانہ کے لیے کپڑے بھی نہیں اُن کے بستروں کی چادریں اور کونہ کے خلاف بھی تبدیل کر کے ذرا سی منگلی چادریں اور خلاف بھی واضح مشین میں ڈال دیتی، اسی کے فضل سے خانہ کا بستر اجلا رہتا۔ تاد کے ہاں کتنے میلے اور بدبو کے جینکے اڑاتے بستر پر سونا پڑا تھا۔ بستر پر لیٹنے سے پہلے نے نہ صرف کونہ کر لینا ضروری تھا۔

”کیا ہو رہا ہے؟“ مدثر نے پوچھا۔

”کچھ نہیں۔“

”شکر ہے۔“

”کما مطلب؟“

”کچھ ہو رہا ہوتا تو فکر والی بات تھی۔“ اس نے توقف کما پھر بوجھا۔ ”ڈانٹ بڑی؟“

”کیونکہ یہ میری زندگی کا معاملہ ہے۔“

”اس نے پانچ منٹ بعد تمہارا نمبر پروفن کرنے کو کہا تھا۔ وہ فون کر رہا ہوگا۔ اپنا فون آن کر دو۔“

”سوری۔“

”تمہارا نمبر بند ملا تو وہ پھر بھی کو کرے گا۔“

”آپ کہہ دیں اس سے کہ وہ تمہارا فون نہیں سننا چاہتی۔ صاف صاف بات کیوں نہیں کر لیتیں آپ اس

۔۔۔“

”کیا صاف صاف.....؟“

”یہی کہ ہمیں تمہاری پہلی شادی اور بچے کا پتا چل گیا ہے۔“

”ارے تو کون سا کوئی غصہ ہو گیا۔ دین اسلام میں تو مکر کو چار شاہیوں کی اجازت ہے۔“

”مگر دھوکا دے کر نہیں۔“

”کوئی مجبوری ہو کی ہے چارے کی۔“

”بے چارہ!“ وہ چیخا۔

”اور کیا ہر دے چاروں کی سو مجبوری ہوتی ہیں۔“

”میری بھی مجبوری ہے۔“

”تمہاری کیا مجبوری بچہ اُتی چو کیس۔“

”مجھے پتا نہ لگتا ہوتا ہے۔ لوگوں کو فیس کرنا ہوتا ہے، میرے ساتھ کام کرنے والے لوگ، اسٹوڈنٹس، ان

کے والدین سب یہ سمجھیں گے کہ میں نے نیک دولت مند آدمی سے اس کی پہلی بیوی اور بچے کے ہوتے ہوئے

بھی محض اس کی دولت کے لالچ میں شادی کر لی۔“

”تمہیں لوگوں کی فکر کرنے کی ضرورت کیا ہے۔ رخصتی کے بعد تو وہ تمہیں اپنے ساتھ دئی لے جائے گا۔ نئی

دیا ہوگا، نئے لوگ۔“

”مجبوری یہ بھی ہے کہ میں اس کی پہلی بیوی کو زبان دے چکی ہوں کہ میرا اس سے رشتہ ختم سمجھے۔“

”یوں کہہ دینے سے رشتہ ختم نہیں ہو جاتا۔“

”پا جانی ہوں۔“

”تو پھر ایسی بات زبان سے نکالے سے فائدہ۔“

”ای، کبھی رشتے کی اہمیت دل میں اس رشتے کے احساس سے ہوتی ہے۔ جس رشتے کو دل ہی قبول نہ

کرے تو پھر اس کی کیا اہمیت رہ جاتی ہے۔ بابا سے بی بی جان کا نکاح تو کرو یا گیا تھا لیکن کیا وہ ماری زندگی اس

رشتے کو کوئی اہمیت دے سکے۔“

”اُن کے ساتھ تو زیادتی ہوئی تھی۔“ ناچھی کی عمر میں انہیں ایک ایسی عورت کے ساتھ رشتے میں باندھ دیا

کیا جسے وہ ماں کی طرح سمجھتے تھے۔“

”میرا خیال ہے کہ شخص پر آپ کا اعتبار جاتے رہنا عمر کے تفاوت سے بھی بڑا ہے۔ ساتھ ہے۔“ حجاب کی

آواز یک لخت رعدہ لگتی۔

پھر آنکھ کھلی تو سخت پیاس کا احساس ہوا۔ اس نے موبائل آن کر کے وقت دیکھا دو بج کر پچاس منٹ ہوئے۔ سب سو رہے ہوں گے مگر میں جا کر لوکر سے پانی پیا جا سکتا تھا۔ اس خیال کے تحت وہ بستر سے اٹھی اور پاؤں دروازے تک پہنچی۔ مگر دروازہ کھولنا چاہا تو پتا چلا دروازہ باہر سے بند تھا۔ وہ سن رہی تھی۔ کیا اس حد تک ناقابل اعتبار ہو گئی تھی وہ مگر والوں کے لیے۔ چھوڑا ہوا روم میں جا کر اس نے واش سین کے سٹکے سے اپنے میں پانی بھر کر دو گھونٹ پانی پیا۔ تو تین ڈھات کا احساس پیاس بھر پائی کی طلب پر غالب آچکا تھا۔

☆☆☆

حجاب کا فون مسلسل بند ملنے پر الحاف نے امی کو فون کیا تھا۔ رمی علیک سلیک کے بعد اس نے کہا۔ ”آ

حجاب سے بات کرنی تھی لیکن اس کا فون بند مل رہا ہے۔“

”اچھا۔۔۔ ای نے تمہاری عارفانہ سے کیا۔“ میں بتاتی ہوں اسے۔“

”جھیک یو۔۔۔۔۔ اسے بتا دیں، میں پانچ منٹ بعد پھر کرتا ہوں اس کے نمبر پروفن۔“

”آپ نے بتا کیوں نہیں دیا اسے۔“ امی نے حجاب کو بتایا تو وہ بولی۔

”کیا۔۔۔ کیا بتائی؟“

”یہی کہ میں اس کا فون امیڈ نہیں کرنا چاہتی۔“

”وہ پوچھتا کہ کیوں؟“

”آپ اسے وجہ بتا دیتیں۔“

”بتا دیں گے سہولت سے بتا دیں مگر تم اس کا فون تو سن لو۔“

”کیوں سن لوں امی، جب میں اس سے رشتہ کوئی نہیں رکھنا چاہتی۔“

”نہیں بیٹا، یہ رشتہ کوئی تمہارا ہے کہہ دینے سے تو ختم نہیں ہو سکتا۔“

”کیوں نہیں ہو سکتا۔ مجھے حق ہے اس کا۔“

”دیکھو شام کو تمہیں نیا باب بھی کتنا اچھا لگتا تھا۔“

”میں بچی نہیں ہوں اپنا اچھا برا خوب سمجھتی ہوں۔“

”تمہارا بھائی بھی اسی حق میں ہے کہ اس معاملے کو ایسا بٹھا کر اچھا لگنے کے بجائے خاموشی سے سمجھو تاکہ

چاہے۔ اچھا لگنے سے لوگوں کو ہینے کا موقع ملے گا۔ جتنے منہ ہوں گے اتنی باتیں، حاسدوں کو نقلیں بجانے کا موقع

ملے گا۔ چلنے والے فراق اڑائیں گے اور وہ جنہیں ٹوہنی کر لیا یا اچھا اور کھاتا پیتا رشتہ انہیں کہاں سے لگ گیا وہ

پھبتیاں اڑائیں گے۔“

”لوگوں کی خاطر میں خود کو دوا لگا دوں۔“

”لوگوں کی خاطر کیوں تمہارے بھائی کی یہی صلاح ہے۔“

”سوری امی۔۔۔۔۔ بھائی کی خاطر بھی میں خود کو دوا لگا سکتی۔“

”داؤ پر لگانے کی کیا بات ہے بیٹا، اس سے تم سے نکاح کیا ہے۔“

”اپنی ازدواجی حیثیت کے بارے میں غلط فہمی کر کے۔“

”اور وہ! تم ایک ہی بات کو کیوں پکڑ کر بیٹھ گئیں۔“ امی زچ ہو گئیں۔

”تم آخر چاہتی کیا ہو؟“

”چھٹکارا۔“

”کیا مطلب؟“ اسی نے چونک کر اسے دیکھا۔

”مجھے نکلنے چاہیے۔“

”کیا؟“ اسی نے ہڑ بڑا کر اسے یوں دیکھا جیسے انہیں اس کی بات سننے میں کوئی غلطی ہوئی ہو۔

”جواب نے اپنی بات کو دہرانے کی ضرورت نہ سمجھا۔ وہ جانتی تھی اسی تک اس کا بیٹھام بھولی پہنچ چکا تھا۔

”بہت کافعہ تو کچھ رکھا ہے تاہم نہ؟“

”انہوں نے میرا استقلال نہیں دیکھا۔ ایک۔ یہ میرا فیصلہ ہے اسی کہ میں اس شخص سے اپنا رشتہ برقیّت

پر توڑ کر رہوں گی۔“ جواب نے اگلے لہجے میں کہا۔ اسی ہکا بکا کام نہ دیکھنے لگیں۔ ”اُن کا فون مسلسل سے بج رہا

تھا۔

اسی کی توقع کے مطابق الطاف ہی کا فون تھا۔ اسی کی کال ریسیڈ کرنے کی ہمت نہ ہوئی تھیں، کیا کہیں اس

سے کہ جواب بات نہیں کرنا چاہتی۔ فون بجنا رہا۔ بار بار جبکہ انہوں نے کال ریسیڈ کی۔ بہت بھائی اور

نایاب باجی سے صلاح لینا ضروری ٹھہرا۔

☆☆☆

”جواب کو اب اسی کے ساتھ گزارہ کرنا ہے۔“ بہت بھائی نے دو ٹوک اپنا فیصلہ سنایا۔ اس معاملے میں

اسی کے ساتھ یہ اُن کی دوسری نشست تھی۔

”میں نے بہت سمجھا یا اسے سمجھ۔“

”مگر وہ کچھ نہیں، اسے وہیں جانا ہوگا۔“

”ویسے الطاف یا اس کی بہنوں سے بات تو ضرور کرنی چاہیے۔“ نایاب باجی نے صلاح دی۔

”کیا بات؟“ بہت بھائی نے نایاب باجی کو دیکھا۔

”یہی کہ میں باوقوف ذریعے سے معلوم ہوا کہ الطاف کی پہلے بھی بیوی موجود ہے جس سے ایک بچہ

بھی ہے۔“

”وہ کہہ دیتے ہیں ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ تو پھر؟“

”اس صورت میں جواب کے مستقبل کے تھنک لینا کیا ضمانت ہے؟“

”وہ کہیں گے ہماری سہم، بچاس تولہ زیورات نکاح کے وقت، بچاس تولہ رخصتی کے موقع پر اور ایک سرخ

اراضی یہ ضمانت نہیں تو اور کیا ہے۔“

بہت بھائی کی بات پر نایاب باجی کا جواب ہو کر اُن کا منہ دیکھنے لگیں۔

”ان باتوں کا موقع نہیں ہے اب۔“ بہت بھائی بولے۔

”پھر ہمیں انہیں جتنا تو دینا چاہیے کہ ہمیں یہ بات چاہی ہے۔ اور کچھ نہیں تو کچھ اخلاقی دباؤ میں تو آئیں

گے وہ لوگ۔“ جواب کو بھی اطمینان ہو جانے کا کہہ والوں نے کچھ پوچھ تو کی۔

”اس منظر سے بات کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔“

”اسی میرا خیال ہے کہ آپ الطاف کے بجائے پہلے اس کی بہنوں سے بات کر لیں ایسا نہ ہو کہ آپ الطاف

سے بات کریں تو وہ بدک جائے۔“ نایاب باجی نے صلاح دی۔

”ٹھیک ہے، میں کر لوں گی۔“

☆☆☆

وہی گھر تھا جہاں وہ شیرینی بنی پھرتی تھی اور گھر کے باقی لوگ اس کی بد مزاجی اور بد مزاجی سے خائف رہا

کرتے تھے۔ ذرا سی بات خلاف مزاج ہو جانے پر وہ بری طرح اشتعال میں آ جاتی تھی۔ دروازے اس بری

طرح دے دے کر مارتی کہ سوئے مردوں کے جاگ پڑنے کا احتمال ہوتا۔ سب اپنی عزت کو کان دبا ئے

بیٹھے رہتے۔ اس کے کمرے میں تو ایسے وقت کی کے جانے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا کہ کمرے کے آس پاس سے بھی

گزرنے کی ضرورت پیش آتی تو وہ پے پاؤں گزرا جاتا۔

اور ایک یہ وقت تھا کہ پچھلے تین دن سے وہ چوری سی کمرے میں وہ کی ٹھہری تھی جو بھی اس کی رچھ رچھ ہانی ہوا

کرتا تھا حالات میں بند کر کے زبردست جبرم کی طرح اسے کھانا پینا ہی کرے میں پہنچا یا جارہا تھا۔ کبھی تنہید

خاموشی سے ٹانھے کی فرسے کرے میں رکھ جاتی، کبھی تقدیم کھانے کی فرسے پہنچا جاتی۔ کمرے کا دروازہ بند رہتا۔

کھڑکیوں پر پردے تھے۔ اسے باہر دیکھتا ہوتا تو پردے کی اوٹ سے باہر جھانکنے کی کوشش کرتی۔ تین

دنوں میں اسے چاروں بہنوں کی صورتیں تو دیکھنے کو ملی تھیں۔ ایک دو بار ابابا کی جھلک بھی دکھائی دی مگر اس کی

صورت تو کچا اُن کا سایہ بھی نہ دیکھنے کو ملا تھا ہے۔

”تین دنوں میں مدثر سے اس کی بار بار بات ہوئی تھی۔ اس کا ایک ہی سوال ہوتا۔ ”مئی کو کب بھیج رہے

ہو؟“

”آجائیں گی یا۔۔۔۔۔“ وہ بھی بڑے استقلال سے ایک ہی جواب دیتا۔

”کب؟“ وہ چپلی کا اظہار کرتی۔

”جلد۔“ وہ کہتا۔

”جلد کب؟“ وہ اضطراب سے پوچھتی۔

”آجائیں گی یا، جلدی کیا ہے۔“ اس نے تیسرے دن قدرے ہزارے سے کہا۔

”جلدی کیا ہے۔“ اس نے مدثر کے الفاظ تھرائی سے دُہرائے پھر کہا۔ ”مجھے ایک ایک لمحہ گزارنا مشکل

ہو رہا ہے اور تم کہہ رہے ہو جلدی کیا ہے۔“

”سمجھا کر وہی اکیلا تو آئیں گی نہیں۔ انہیں ڈیڑی کو بھی سنانا پڑے گا۔“

”تو کب وہاں سے مٹائیں۔“

”یارا ایسے کاموں میں تھکا پر سوں نہیں جھاتی جاتی، کچھ دقت لگتا ہے۔“

”میں اس کوئی بھی سمجھ سے بات نہیں کرتا۔ میں کہنے کی طرح کھانا ڈال جاتے ہیں میرے سامنے۔“ وہ

رو ہانسی ہوئی۔

”ٹھک ہو جائے گا رہے ٹھیک ہو جائے گا۔“

”کب ٹھیک ہو جائے گا تم نے اپنی مئی کو جلدی نہ بیجا تو میں خود آ جاؤں گی۔“

”نہ۔ ڈاکیس غلطی مت کرنا۔“
 ”تو پھر انہیں جلدی پیچو۔“
 ”اجھا بار۔“

تینم کو یونیورسٹی چھوٹ جانے کا بھی بہت دکھ تھا۔ وہ سوچتی کاش کوئی صورت ایسی ہوتی کہ وہ دوبارہ یونیورسٹی جاسکی۔ تاہم اس کے واپس گھر آنے کے بعد تقدیم نے ابا کی خوشامد کر کے تعلیم اور تقدیم کو دوبارہ کالج جانے کی اجازت دلا دی تھی۔ تعلیم کا کالج میں تیسرا سال تھا تقدیم نے اس سال اول میں داخلہ ہوئے چند ہفتے ہی گزر رہے تھے۔

”مگروں میں سے کسی کے ہاتھ میں موبائل نہیں دیکھنا چاہتا میں۔“ ابا نے تعلیم اور تقدیم کو دوبارہ کالج جانے کی اجازت دیتے ہوئے شرط عائد کی۔

”نکس ہے ابا۔“ تقدیم نے چھوٹی بہنوں کی جانب سے ابا کو یقین دہانی کرائی۔ تعلیم کے آنے کے بعد اماں گھر میں کسی سے بات کر تیں تو اتنی آواز میں کہیں مخاطب بنی سن پائے۔ شاید انہیں تعلیم کو اپنی آواز نہ سنا گوارا نہیں ہاتھا۔ تینم ان کی آواز نہ سنا اور ان کی صورت دیکھنا چاہتی تھی مگر اماں نے تو جیسے اس سے پردہ ہی کر لیا تھا۔ انہیں بس ایک بات کی فکر تھی کہ مدثر کے گھر والے جلد آئیں اور دنیا دکھاوے کو تینم کو اس گھر سے رخصت کر دیا جائے۔

اتوار کو زینون اماں مان بنا کر لے کر آ رہی تھی جو تقدیم کو دیکھنا چاہتے تھے۔ اماں دعا گو تھیں کہ لوگ ایتھے ہوں اور بات بھی نہ جائے۔ تب ہی وہ چھوٹی بہن کے لیے پیام آنے پر رونے لگی۔ تقدیم نے بھی دیکھا تھا۔ یوں جیسے اس نے تعلیم والے واقعے کے بعد گھبرا ہوا کہ بہنوں میں سے جس کے لیے پہلے معقول رشید لیا جائے اسی کی ہوجانے میں عافیت تھی۔ جن دنوں تینم کالج میں تھی ایک محلے دار خاتون نے اس کے لیے اپنے دیونا کا پیغام دیا تھا جو ڈرگہ ہو لڑا نکمہ شہر تھا اور ایہ کہیں میں بہت اچھی ملازمت کر رہا تھا مگر اماں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ پہلے دو بڑی بہنوں کی ہوجائے پھر اس کی کریں گے۔ تینم کی شادی وہاں ہو گئی تھی تو یہ نہ ہوتا جو ہوتا۔ بہر حال اب مناسبت کا باب دھوکا تھا۔ اماں اور اماں بھی سمجھ چکے تھے کہ پہلے بڑی کا رگال لانا دشمنی نہ تھی۔

☆☆☆

ای نے تو بہت حزم و احتیاط سے الطاف کی ایک بہن سے بات کی تھی۔ کراچی سے دینی تک پہنچ گئی۔ الطاف کی دونوں بہنیں اور بہنوں یا جماعت و کالت کو پہنچے۔ الطاف کے شادی شدہ اور ایک بچے کا باپ ہونے سے انہیں انکار نہ ہوا تاہم انہوں نے الطاف کے دفاع میں کہا کہ جس لڑکی سے اس کی پہلی شادی ہوئی اس کا کسی اور کے ساتھ جگر تھا وہ شادی کے بعد بھی وہ دینی سے اس لڑکے کو فون کرتی تھی۔ الطاف نے خود اس کی فون کا ٹر پکڑا۔ ایک مرتبہ وہ شخص اسے آزمانے کی خاطر دینی سے پاکستان لے کر آیا اور یہ کہہ کر اسے اس کے والدین کے پاس چھوڑ گیا کہ چار ہفتے بعد لینے آئے گا لیکن وہ ہفتے بھر بعد ہی واپس آ گیا اور اس نے چپ چپاٹے اپنی بیوی کی نسل و حرکت پر نظر رکھنا شروع کر دی۔ چپاٹا کہ اس شخص کا نہ صرف اس کے میکس میں آنا جانا تھا بلکہ دونوں اکٹھے گھومنے پھرنے بھی جاتے تھے۔ الطاف کی بہنوں اور بہنوں کی مشترکہ رائے یہ تھی کہ الطاف کی پہلی بیوی بد کردار تھی۔

(بہت کم)

خاصی دیر گفتگو چلی۔ سمجھت بھائی مصلحت اس نشست میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ ابا کا خیال تھا کہ بہت بھائی کی عدم موجودگی الطاف کے گھر والوں کو اخلاقی باؤ میں رکھے گی ورنہ تو وہ یہ سوچ کر مطمئن ہوجائیں گے کہ اب بھی کوچا چل گیا تو اب کس بات کا ڈر۔

”ابھی تو میرے بیٹے کو یہ بات پتا نہیں ہے۔ میں نے سوچا آپ لوگوں سے کس قسم کرلوں پھر بتاؤں گی اسے۔“ ابا نے کہا۔

”مفروضہ بتائیں۔ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ الطاف کی پہلی بیوی بھی ہے اور اس عورت سے ایک بیٹا بھی ہے۔“ الطاف کی بہن نے کہا

”آپ لوگ یہ بات پہلے بتا دیے تو اچھا تھا۔“ نایاب باجی جنہیں ابا نے اپنی دوسرا ہٹ کے لیے بلالیا تھا بولیں۔

”دیکھیں واکٹر صاحبہ ہماری نیت میں کوئی تو نہیں۔ برائی پر پردہ پڑا رہے دیا ہی بہتر ہوتا ہے۔ ہم کیا تاتے آپ کو کہ الطاف کی پہلی شادی ایک بد کردار لڑکی سے ہوئی تھی۔“ الطاف کے بڑے بہنوئی نے کہا۔

”دوسری لڑکی کی زندگی اور اس کے مستقبل کا معاملہ تھا جو بھی تھا بتا دیا بہتر تھا۔ اس طرح اعتماد کو نہیں بچھتی۔“ نایاب باجی نے کہا۔

”فکر نہ کریں جی اعتماد کو اب بھی نہیں بچھنے گی۔“ جواب ملا۔

”انشاء اللہ حجاب بھائی ہمارے بھائی کے ساتھ بہت خوش رہیں گی۔“ الطاف کی بہن نے کہا۔

ای اور نایاب باجی نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ حجاب نے تو صاف کہہ دیا تھا کہ وہ کسی قیمت پر الطاف سے اپنا رشتہ قائم نہیں رکھے گی۔

”آپ لوگ تو جی نہیں بتائیں کہ خصی کی تاریخ لینے کے لیے ہم کب آئیں با“ الطاف کے بہنوئی نے کہا۔

”سمجھت بھائی ہوئے تو ہم کہتے آج ہی تاریخ طے کر لیں تاکہ آپ لوگوں کو دوبارہ تکلیف نہیں دینی پڑے۔“ الطاف کی بہن بولی۔

ای اور نایاب باجی نے پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

”ہم لوگ ذرا گھر میں ڈکس کر لیں پھر بتا دیں گے آپ کو۔“ نایاب باجی نے کہا۔

الطاف کا بڑا بہنوئی گرگ باراں دیدہ تھا۔ ای اور نایاب باجی کے بار بار ایک دوسرے کو دیکھنے اور سردہ قاطع لہجے سے وہ تاریخ تھا کہ اب معاملات پہلے چھیڑیں مہے تھے۔ دراڑ پڑ چکی تھی۔ الطاف کو فوری طور پر مطلع کرنا لازماً تھا۔

☆☆☆

اکینڈی میں پانچ آؤٹ کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں۔ ویک اینڈ پر موسیقی کو بھی آؤٹ پاس لے کر امید

نہ رہی۔

”پانچرا آؤٹ دہائی نے بلا رکھا ہے کیسے جاؤ گے۔“ عقل نے اسے چھیڑا۔

”نہیں جاؤں گا۔“ وہ اطمینان سے بولا۔

”ناراض تو نہیں ہو جائیں گی وہ۔“

”تم آج سے اور کس سے۔“

”کبھی کبھی مجھے اس بات سے ڈر لگتا ہے کہ اگر تمہارے گھر والوں نے ہماری محبت کو ایک سیٹ نہ کیا تو؟“

”پانچ بہنوں کا اکٹوتا بھائی ہوں گھر میں کسی میری کوئی بات، کوئی خواہش رو نہیں گئی۔“

”میں نے سنا ہے پاس آؤٹ ہونے والا ہراسر پاسنگ آؤٹ میں لمیٹڈ ممبران ہی بلا سکتا ہے۔“ عازنہ نے اچانک ہی موضوع بدل دیا۔

”ہاں۔۔۔۔۔“

”پھر تو تم صرف اپنے گھر والوں کو ہی بلاؤ گے۔“

”وہ بھی آئیں گے اور تم سب لوگ بھی۔“

”اتنے لوگوں کی اجازت ہوگی؟“

”دکھ نہ کرو۔“

”اچھا سنو۔۔۔۔۔ میں تمہاری پاسنگ آؤٹ میں کیا ہوں؟“

”یہ تمہاری اپنی چوائس پر ہے، ویسے جو بھی پہنوں کی اچھا لگے گا۔“

”وہ تو مجھے معلوم ہے۔“ انتہائی معمولی تک سکی اس لڑکی کو یہ اعتقاد اس کے ماں باپ اور اس کی تعلیم نے دیا تھا۔

”انگل کو نوں کر کے کہوں کل آئیں تم سب لوگوں کو یہاں۔“

”تمہاری مرضی۔۔۔۔۔ انہیں تو اشارہ کرنے کی دیر ہو گئی بس۔۔۔۔۔ عقل کیا ہے؟“

”ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ خرے میں ہے۔“

”وہ ہمیشہ خرے میں ہی ہوتا ہے۔ اپری لو گئی۔“

اتوار کی دوپہر صبر احمد اپنی بیگم اور بیٹیوں بچوں کے ہمراہ کاکول آئے تو عقل اور منوں نے دو دو حائی کھنے اُن کے ساتھ کمرے۔ ان دونوں کے لیے وہ گھر کا لڈیکھا ناٹ پاس میں رکھ کر لائے تھے۔ چکن بریانی، دہلی کچے، کچے چنے کے کباب اور مرغی اور دوٹوں کے لیے دو علیحدہ علیحدہ پیکنگ بیگز میں چلے پھرتے ٹوٹکے جانے والی بہت سی چیزیں بھی تھیں۔

”اس تکلف کی کیا ضرورت تھی انکل۔“ منوں نے کہا۔

”جتنی تیار۔۔۔۔۔ عقل نے اسے ٹھیک کر دیتے ہوئے کہا۔

”بہت نڈیے ہو۔“ عازنہ نے اپنی آنکھیں پٹ پٹاتے ہوئے عقل کو دیکھا۔

”اچھا میں تو تمہارا نڈیہ۔۔۔۔۔ اس کے بارے میں کیا تو فی سادہ فرماتی ہیں آپ۔“ عقل نے شرارت سے دُن کو دیکھا۔

”شریف آدمی۔“ عازنہ نے کہا۔

”ارے واہ! عقل اچھا۔“ تو کیا! میں شرافت کا طبقہ لیٹا ہوا ہے گا کہیں سے۔“

”ہو سکے تو کہیں سے تھوڑی سی عقل ادھار لینے کی کوشش کرو۔“

”شرم کرو، کزن سسٹر ہے تمہاری۔۔۔۔۔ بہنوں کے لیے کوئی بات کرتا ہے۔“

”اویارا! وقت بدل گیا ہے۔ اب تو بھائیوں کو بہنوں کے لیے خود راستے بنانے پڑتے ہیں۔“ منوں نے اسے گھورا۔

”سچ کہہ رہا ہوں۔۔۔۔۔ ویسے مجھے بہت خوشی ہوگی اگر عازنہ باجی سے تیرا کچھ سلسلہ بن جائے۔“ وہ منہ کر بولا۔

منوں نے اسے آنکھیں دکھانے کی کوشش کی۔

”اؤٹلی۔۔۔۔۔ وہ پبلے سے زیادہ کھل کر ہنسا۔

”ہائی دی دے مجھے کیوں خوشی ہوگی؟“

”اس لیے میری جان۔“ عقل نے اس کے شانے پر ہاتھ دھرتے ہوئے کہا۔ ”فحش میں کوئی اچھا بندہ شامل ہو تو کسے خوشی نہیں ہوتی۔“

”زیادہ باتیں بنانے کی ضرورت نہیں۔“

”میری مرضی۔۔۔۔۔ نہیں کرنا چاہتا یقین تو نہ کر۔ صبر ماموں نے اگر کبھی پوچھا مجھ سے تو کہہ دوں گا وہ اسطر نہیں۔“

”یکواس نہ کر۔“

”عازنہ جی نہیں آسکوں گا۔“ منوں کو عازنہ سے معذرت کرنا پڑی۔

”دیکھو؟“

”دیک اپنڈ بند۔“

”پنٹمنٹ؟“

”نہیں نہیں۔۔۔۔۔ پاسنگ آؤٹ کی تیاریاں۔“

”آئی سی۔“

”تم لوگ آ جاؤ۔“

”پا پاؤ ٹو ٹو۔۔۔۔۔ لاگ ڈرائیو کو بہت انجوائے کرتے ہیں وہ لیکن تم تو مصروف ہو گے ہمارے آنے کا فائدہ۔“

”کچھ کر لیں گے یار۔“

”ہائی دی دے کیا؟“

”یہ تو وقت بنائے گا، تم نے ناٹھیں محبت اور جنگ میں سب جائز ہے۔“

”پوچھ سکتی ہوں یہ محبت ہے یا جنگ؟“

”محبت جنگ ہی تو ہوتی ہے۔ کسی کو اپنی جان سے بڑھ کر چاہنا۔“

”اوہو ہو! لیکن صاحب آپ تو شاعرانہ باتیں کرنے لگے۔“

”محبت بندے کو شاعر ہی بنا دیتی ہے۔“

”محبت! کس سے آفیسر؟“

ہاں تو بات نہ کر سکی لیکن گھر پہنچنے کے بعد جب عبادی موز سائیکل پارکنگ لاٹ میں کمزری کرے گا، اچھا لائٹ میں پہنچا تو اسی نے جو انتہائی سرور تھیں، کہا۔
”مجھے تو لڑکی بہت پسند آئی۔ بالکل تمہارے جوڑی ہے۔“

عباد خاموش رہا۔

”بھئی تو لگتا ہے منہ سے بھول چھڑ رہے ہیں، جہیں کیسی لگی؟“

”میں نے..... تو بس تو بچی..... سرسری نظر دیکھا تھا۔“ عباد نے کہا۔ اسی مسکرا دیں۔

”پہلی بار سرسری نظر ہی دیکھا جاتا ہے۔“ انہوں نے توقف کیا پھر بولیں۔ ”لوگ..... بھی ہماری ہی طرح کے ہیں۔ سیدھے اور سفید پوش..... اپنے ہی جیسے گھر میں گیاہ کر آئے تو اسے دوسرے گھر کے مسائل کا بھی احساس ہوتا ہے، عزت سے گزارہ کر جاتی ہے..... مجھے ہر گھر سے آئے کی توجہ ہوا جیسے گھر کے سامنے کھڑے کی، ہاں سمجھ کی بجائے، ارے میرے کون سے دو چار ہیں کافی کی ایک سی آنکھ۔ پھوٹے کی تو اس کافی کو دوسری آنکھ میں مل جائے گی۔ سر آنکھوں پر بھائی کی اسے۔ سال بھر پاؤں بستر سے نہیں اتارنے دوں گی۔ بھٹا کر کھلاؤں کی اسے۔ ارے اب آپ تو میں ایسی گھر کے سارے دھندے منٹاتی ہی ہوں۔ اس کے آگے پر بھی کرتی رہوں گی تو کیا ہاتھ پاؤں کس جائیں گے۔ اللہ جانے وہ کیسی سائیں ہوئی ہوں گی جو بھوکوں سے خدمت لینے کی جا رہی تھیں۔ میں تو اپنی بھوک خود خدمت کروں گی۔“ اسی جوش جذبات میں بھائی چلی گئیں۔ انہوں نے عباد کے چہرے کے تاثرات دیکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔

”بس اب جس دن تم کو ان لوگوں کو بلا لیتے ہیں تا کہ وہ بھی آکر ہمارا گھر بار دیکھ لیں۔ چلتے وقت زیتون نے آہستہ سے نیچے ہٹا دیا کہ لڑکا پسند آیا ہے ان لوگوں کو۔ زیتون تو چارہ ہی تھی ایک دو روز میں ان لوگوں کو بلا لیا جائے مگر میں نے آہستہ سے اس سے کہا عباد سے مشورہ کر کے بالوں کی۔“

”اچھا کیا۔“ عباد بولا۔

”ہاں نا بیٹا، جب کسی کو بلاؤ تو گھر کا تھوڑا بہت تو ہاتھ منہ پونچھتا ہی پڑتا ہے۔ بھئی تو کہہ دوں گی میرے گھر میں ایک میں اور ایک میرا بیٹا ہے، آپ کے گھر کی طرح لیتے منہ بیٹیاں تو ہیں نہیں جو اوپر پھول اُٹھر تصویریں سجا کر رکھیں۔ آنے والی اپنی مرضی سے آکر سجانے گی۔“

”ابھی تو آپ کہہ رہی تھیں بستر سے سال بھر پاؤں نہیں اتارنے دیں گی اسے۔“ عباد نے گویا یابی کی غلطی پکڑی۔ اسی خفت سے مسکرا دیں۔

”ارے بیٹا بالآخر تو گھر اسی کو سجانا مسنوار نا ہوگا، اپنی مرضی سے سجانے..... کیوں؟“ اسی نے عباد سے اپنی بات کی تائید حاصل کرنی چاہی۔

وہ چپ رہا۔

”بتاؤ کہ بالیں اُن لوگوں کو؟“

”بھئی بھی نہیں۔“

”کیا مطلب؟“ اسی کی ساری خوشی جیسے کا فور ہو گئی اور جوش کو بجھانے لگا۔

”گھر دیکھا آپ نے اُن کا؟“

”عائزہ! میری جان بس کرو۔“ مسز مبورا اچھ بولیں۔ ”اتنی خوب صورت بیک اور ایسا دلربا موزم موسم نہیں لڑانے کے لیے نہیں ہوتے۔ ذرا دیکھو تو کسی خوب صورت ڈھلان ہے۔ سرتا سرتا سڑے سے دھکی۔ ایسی جگہوں کو دیکھ کر تو جی چاہتا ہے بیٹھے رہیں۔“

”ہاں، ہاں پورا موزم عرصے تک کیوں گئیں۔“ مسز مبورا مسکرا کر بولے۔

”بھئی ریں مای تصور ماموں کیے ہوئے۔“ عقیل نے خوشی دکھائی۔

”واہ واہ واہ۔“ منصور نے پھڑک کر داد دی۔

”عائزہ!“ مسز مبورا اچھ نے عائزہ کو ممتی خیر نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”تم گراؤنڈ کا پکڑ لگاؤ آؤ بیٹا تمہیں تو ایسی جگہیں بہت پسند ہیں نا۔“

”میرے ساتھ کون چلتا ہے؟“ عائزہ نے کہا۔

”مگر ان کم ہم بیٹوں کو کوئی پروگرام نہیں ہے۔“ عقیل نے منصور اور بطور کے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے بے اشتناکی کا مظاہرہ کیا۔ منصور اور بطور نے تائید نہ کر سکیں۔

”میرے کھینے سے بھی صبح سے ہلکا ہلکا درد ہے، سوری بیٹا۔“ مسز مبورا نے عائزہ کی جانب دیکھتے ہوئے معذرت کی پھر اچانک بولے۔ ”موس! بیٹے آپ نہیں چلے جاتے عائزہ کے ساتھ؟“

”شیور.....“ موس بولا۔

زندہ داد کیا بھجوا کر اور بچوں کے لیے راستے ہموار کرنے والے والدین تھے۔ موس کو دیکھتے ہوئے عقیل آنکھوں سے آنکھوں میں مسکرایا۔ موس جھینے گیا۔

صبح و عریض کر اؤڈ پر کچھ دیر وہ دونوں خاموشی سے چلتے رہے پھر عائزہ نے کہا۔ ”نا ہے آرمی آفیسرز شادی کے بعد ملنے والی بہنوں کے چکر میں عمو ناچو میں عجیب سال کی عمر میں شادی کر لیتے ہیں۔“

”اس سے پہلے ہی کر لیتے پر کوئی پابندی تو نہیں۔“ موس بولا۔

”وہ ٹھیک ہی اور اسے دیکھنے کی۔“

”ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟“ وہ مسکرایا۔

”اگر تمہارے گھر والے نہ مانے تو؟“

”وہ میرا مسئلہ ہے تمہارا نہیں۔“

”آئی لو یوس۔“ عائزہ نے کہا۔

”آئی لو یو۔“

دونوں پھر ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ موس کی نگاہیں آسمان پر دھیرے دھیرے تیرتے بادلوں پر تھیں اور عائزہ کا دل زندگی بھر اس کے ساتھ یو پی چلتے رہنے کی خواہش میں لگا ہوا تھا۔ مسز مبورا اور ان کی تنگم دور لان چیزز پر بیٹھے ابھی کو دیکھ رہے تھے۔ عقیل، منصور اور بطور کو اپنے ساتھیوں سے ملوانے لگ گیا تھا۔

☆☆☆

ای بہت خوش تھیں، زیتون نے انہیں عباد کے لیے اسی لڑکی دکھائی تھی جو تھوڑا قامت، صورت، شکل، تعلیم، لحاظ سے عباد کا بہترین جوڑی تھی۔ عباد کے ساتھ اس کی موز سائیکل پر بیٹھی ہونے کے باعث وہ اس سے راستے

”ہاں، ہاں..... ذاتی ہے اُن کا۔“
 ”مجھ کو سنا..... پرانا۔“ عباد کے لہجے میں حقیر تھی۔
 ”ہاں، برسوں سے اسی گھر میں رہ رہے ہیں۔“
 ”صوفے اور سترنیشنل جیسے کپڑے سے لے لیے ہوں۔“
 ”ارے چٹا کیا برائی تھی صوفے اور سترنیشنل پر صاف سترے کور چڑے ہوئے تھے ماں بے چاری تو برسوں سے معذور ہے۔ گھر میں لڑکیوں کا سلیقہ ہی بول رہا تھا۔ سترنیشنل پر گھلداں میں جو پھل کے پھول سجے تھے تم نے سنا نہیں تھا زیتون بتا رہی تھی لڑکی کے ہاتھ کی کو توبہ ہوئے تھے۔ جگر بھر کر رہا تھا سارا گھر۔ میں تو ہاتھ دھونے کے بہانے ہاتھ روم بھی دیکھ آئی۔ یعنی جس کمر کا ہاتھ روم صاف ہو گیا تھا اس کمر کے رہنے والوں کو سلیقہ ہے۔“
 ”ای..... ای..... ای.....“ عباد نے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ ”بس کریں اب اس قصیدے کو۔ مجھے نلوگ پسند آتے ہیں نہ ان کا گھر۔“
 ”کیوں، کیا ہوا؟“ الفاظ سلیقہ سے مگر لہجہ تیز رہا۔
 ”بچپن تو میں نے عروسیوں میں کزن اری دیا، کیا اب شادی بھی ایسے گھر میں کر کے بیٹھ جاؤں جہاں بس گزراے والے حالات نظر آتے ہیں۔“ عباد نے کہا۔
 ”ہاں تو بیٹا ہم جیسے لوگوں کو کزن اری دہ تو کرنا ہوتا ہے۔“ ای نے بڑے اطمینان سے کہا۔
 ”نہیں ای۔“ عباد نے دو گونہ انداز میں کہا۔ ”میں کسی ایسے گھر میں شادی کروں گا جسے دیکھ کر آپ کے ابو اور بے گھر رہتے دار یہ سوچے پر بخیر ہو جائیں گے عباد اتنا دم وقت ہرگز نہیں جتنا عباد کی موت کے بعد ان سب نے ہمیں گردانے کی کوشش کی تھی۔ مجھے جو کچھ نہیں ملا وہ میں نے کر ہوں گا۔“
 ”ای جنہوں نے نیو کی کے بعد عباد کو انتہائی مشکل حالات میں پڑھا لکھا کر فینسٹر بنایا تھا اسے بڑی حسرت سے دیکھتے تھیں۔“
 ”ایسے کیا دیکھ رہی ہیں؟“ عباد مسکرایا۔
 ”سوچ رہی ہوں کہاں غلطی ہوئی مجھ سے۔“
 ”کیا مطلب.....؟“ عباد چونک کر بولا۔
 ”بیٹے! میں نے تو تمہیں اللہ کی رحمت سے اپنے زور بازو پر پالا پوسا، پڑھایا لکھایا۔ کبھی کسی اور کی طرف دیکھنے کی ترغیب نہیں دی، تمہارا سہ دل میں یہ لالچ کا سودا کہاں سے آ گیا۔“ ای نے بلی بھر کو توقف کیا پھر بولیں۔ ”اما شاء اللہ انجینئر ہو۔ جو تمہیں ایسا تنگ نہیں ملا اور جس کی تمہیں طلب ہے اپنے زور بازو سے حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ کزن اری سے یہ توقع کاؤ کڑا اس فطرت میں سب کچھ ملے گا۔“
 ”عباد ایک لمحے کو سر منہ ہو گیا اور دوسرے ہی لمحے بڑے چالباز بنے بولا۔ ”ارے ای بیٹا یا زار انا گے۔ لڑکے بھی کہتے ہیں۔ جو بچتا پڑھا لکھا اور جس کی اچھی ملازمت پڑے اس کی اتنی ہی قیمت ملتی ہے۔ آخر آپ نے بھی تو اتنی محنت کی میرے لیے۔ میری تعلیم پر پیسہ خرچ کیا۔ وہ دیکھیے مجھے سڑک پر..... کیسے چلتی دیتی گا زیاں گزر رہی ہیں۔ آخر ان کارنیشنوں میں بیٹیوں والے بھی ہوں گے اور انہیں اپنی بیٹیوں کی شادیاں بھی کرنی ہوں۔“

کی اگر کسی ایک سے میری ہو جائے جو اپنے ساتھ گاڑی بھی لے کر آئے تو کیا حرج ہے۔“
 ”بہت افسوس کی بات ہے۔“ ای کو عباد کی بات سے واقفیت نہ تھی۔
 ”وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ای کے نزدیک جا بیٹھا اور ان کے شانوں پر اپنا بازو دراز کرتے ہوئے بولا۔ ”مجھے افسوس ہے کہ آپ کو افسوس ہوا مگر میں آپ سے جھوٹ نہیں بول سکتا تھا۔“
 ”اس سے تو اچھا تھا کہ تم جھوٹ ہی بول دیتے۔“ ای دل گرفتگی سے بولیں۔
 ”کیوں اتنی جھوٹ ہی ہیں آپ؟“
 ”دیکھ ہوا ہے، پہلے اپنوں کو دھکا اور اب اپنے جیسوں کو خاطر میں نہیں لار ہے۔“
 ”جب ہمیں ضرورت تھی تو انہوں نے بھی تو ہم سے نظریں بدل لی تھیں۔“
 ”یہ ان کا اور میرا معاملہ ہے تمہارا نہیں۔“
 ”میرا بھی ہے، میں نے بھی تو تکلیف کا وہ وقت آپ کے ساتھ ہی گزارا۔“
 ”لیکن تمہیں میں نے بھی کوئی تکلیف ہونے دی۔“
 ”آپ کو کیا چاہا؟“
 ”ای نے چونک کر اسے دیکھا۔
 ”رہتے ہیں ای۔“ اس نے سنی سے کہا۔ ”باری سب کو ملتی ہے۔ پہلے دوسروں کی باری تھی اب میری باری ہے۔ میں مفت میں باری کیوں ہاؤں۔“
 ”ای تنگی باندھے اسے شاکی نظروں سے دیکھتے گئیں۔
 ”ساری دنیا مجھے اس سے بھی زیادہ بری طرح گھورے پراہیں پر آپ ایسی نظروں سے نہ دیکھا کریں۔ جب آپ مجھے فضا یا ملازمت سے دہشتی ہیں تو میرا دل کاٹنے لگتا ہے۔“ وہ مسکرایا اور ای کو اپنے بازوؤں کے دھار میں لیتے ہوئے کہا۔
 ”اکلٹی اولاد ہونے کا یہی فائدہ ہے۔ ماں، باپ کو برمانے میں دیر نہیں لگتی۔ ای بھی ہمیشہ کی طرح بے گنج گئیں۔ ”لڑکی اچھی ہے۔“ انہوں نے پیار سے کہا۔
 ”میں نے کب کہا بری ہے۔“
 ”بس تو اپنے دماغ سے یہ سارا فٹور کا لو اور بتاؤ کب ملاؤں انہیں۔“ ای نے اس کے سر پر پیار سے چپت لگا لی۔
 ”میرے اصرار کرنا آپ کو پھر مجھ پر غصہ کرنے پر مجبور کرے گا۔“
 ”ایک بار نے دو۔ ہم نے ان کے گھر کا نامک چکھا ہے تو کیا حرج ہے ایک روز وہ بھی آ جائیں۔ ہو سکتا ہے ہمیں انکار کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑے۔ وہ آئیں تو خود ہی منع کریں۔“
 ”کوئی جواز ہے اُن کے پاس انکار کرنے کا۔ مجھ جیسا پیٹرم، اکلوتا، پڑھا لکھا اور ہر روز گارٹو جوائن انہیں کہاں لے گا گارٹو باندھنے کو..... وہ انکار نہیں کریں گے۔ انکار بھی کو کرنا ہوگا۔“
 ”میری تو امت نہیں ہوگی، ایک مرتبہ وہ آ جائے تو زیتون کو بھی کہنے کا موقع نہیں رہتا کہ یہ خود تو وہاں جا کر ہپ ہپ کھا آئے انہیں ایک بیانی چاہئے نہ بھی نہ ملایا۔“

ای جن کی زبان سے نکلے الفاظ اس گھر میں فرمان شاہی کی طرح تقسیم پاتے تھے گھر کی تاریخ میں پہلی بار ان کے حکم سے روگردانی ہو رہی تھی۔ گھر کے تین بڑے امی، بہت بھائی اور نایاب باہنی حنفیہ طور پر اپنی حمایت اور ہمدردیاں الطاف کے حق میں کر چکے تھے۔

”جو حالات اس نے بتائے ہیں اُن میں کوئی بھی مرد دوسری شادی کرے تو لوگ اسی کو حق بجانب سمجھیں گے۔“ نایاب باہنی نے کہا۔

”کوئی اس عورت کی بھی تو سنے۔“

”ارے رہے دو۔ لوگ خواہوا کہنا یاں گھر لیتے ہیں دوسروں کی ہمدردیاں بھڑنے کو۔“

”کیا یہ نہیں گھر سکتا۔“

”شوہر ہے تمہارا۔ اس کے لیے تیز سے بات کرو۔“ نایاب باہنی نے اسے غلطی کا احساس دلایا۔

”بد قسمتی ہے میری گڑبگڑ کے دھوکے باز آدمی سے میرا عقد کر لیا۔“

”خواہوا ایک چھوٹی سی بات کو ایسا بھڑکایا ہے تم نے۔ اس بے چارے نے تو مسئلہ پہلی بیوی کا ذکر نہیں کیا۔ لوگ تو نہ جانے کیسے کیسے جھوٹ بول جاتے ہیں۔“

”میرے لیے یہ چھوٹی نہیں بہت بڑی بات ہے۔“ حجاب تملکا کر بولی۔

”تم آخر چاہتی کیا ہو؟“ امی نے غصے سے کہا۔

”میں آپ کے اس سوال کا جواب کئی مرتبہ دے چکی ہوں۔“

”بہت شوٹ کر دے گا تمہیں مگر ایسا نہیں ہونے دے گا۔“ امی بولیں۔

”بے شک کر دیں۔ مجھے پروا نہیں۔“

”حجاب! میری جان ہوش کرو، کیوں باندھنا دہرائی ہو ایک بیکاری بات کی خاطر۔“ نایاب باہنی بولیں۔

”بیکاری بات.....“ اس نے کھال نظر سے نایاب باہنی کو دیکھا۔ ”آپ یہ تصور کر سکتی ہیں کہ اپنے

چندوں کے بچے کو کسی کی دلہیز پرچوں میں لے جاؤ امیں۔ کوئی خورم انتہائی حالات میں ہی ایسا کرے گی۔“

”اس نے ڈراما کیا اور تم سچ نہیں..... کیا حماقت ہے مجھی!“

”گھٹنوں آکر سوا لیں کی طرح بیٹھا رہتا ہے وہ اس گھر میں اور یہ بیگم صاحبہ اس سے ملتی ہی نہیں۔“ امی نے

نایاب باہنی سے اس کی شکایت کی۔

”کس نے دعوت دی ہے اسے کہ آ کر بیٹھے۔“ وہ بولی۔

”تو پھر کس طرح حل ہوگا یہ مسئلہ؟“ نایاب باہنی نے اپنا سر ہاتھوں میں تھام لیا۔

”وہ اگر یہ سمجھتا ہے کہ اس کے آکر بیٹھا رہنے سے مسئلہ حل ہو سکتا ہے تو شوق سے بیٹھا رہے۔ میں بائٹل

میں اپنا بندوبست کیے لیتی ہوں۔“

”اچھا!“ امی.... یہ سناؤ چونکہ کراسے گھر نے لگیں۔ ”تو یہ ارادہ ہے ہیں بیگم صاحبہ کے۔“

”امی! ہلیرا ایسے الفاظ استعمال نہ کریں میرے لیے جن سے مجھے انجمن کا احساس ہو۔“

”تم نے تو مجھے بہت دم بھرا ہے میری محبت کا۔ کچھ اندازہ ہے تمہیں کہ کسی کی مشکلیں اٹھانی ہیں میں نے

تمہاری خاطر۔“

”بالکل ہے امی اور اس کی قدر بھی ہے دل میں۔ چان بھی دے سکتے ہوں آپ کی خاطر تو۔“

”مجھے چان نہیں چاہیے۔ اپنے گھر کو خیر ہوئے سے بچانا چاہتی ہوں۔ داماد بنے گا، بہو بنے گی، خاندان

والے جو اتنا چھار دیشل جانے پر رنگ سے مرے بارہ تھے تا لیاں بجا نہیں گے۔ بہت کہتا ہے وہ اس گھر

سے تعلق ختم کرے گا۔“

”آپ کو سب کی پروا ہے سوائے میرے..... کیسی عجیب بات ہے کہ ایک شخص نے خود کو غیر شادی شدہ ظاہر

کر کے آپ کی بیٹی سے شادی کی اور آپ اپنی اس بیٹی کو احتجاج کرنے کا حق دینے کے بجائے توقع کرتی ہیں کہ

وہ انھیں بند کر کے اس شخص کے ساتھ زندگی گزارنے لے چل دے۔“

”تمہارے اپنے دو حیل میں ایک ایک مرد نے تین تین چار چار عورتیں نہیں باندھ رکھی ہیں کیا اپنے گھر

کے کھوٹے سے۔ سب سر جھکا کر اپنا دقت گزارتی ہیں کہ نہیں۔“

”تو پھر میں بھی ویسی ہی مرد اور بے زبان عورت بنائیں تا آپ، کیوں تعلیم دلوائی۔ کیوں شعور دیا؟ کیوں یہ

بتایا کہ ہماری اپنی بھی کوئی شناخت ہے، اگر آپ بابا کو بی بی جان کے حقوق ادا کرنے پر مجبور کر سکتی ہیں تو میں الطاف

کی بیوی سے کیوں ہونے دے دے۔ مجھے پھر سکتی ہوں۔ میں نے اسے نہ دیا ہی ہے۔“ حجاب جذباتی ہو گئی۔

”تم کیا، حقیقی ہو الطاف اسے رکھے گا؟“

”رکھے باندھ کرے گی اس کا اور اس عورت کا مسئلہ ہے۔ میں کم از کم اس احساس جرم سے آزاد ہو جاؤں گی

کہ میں نے کسی کا گھر اجاڑ کر اس پر اپنا حمل قیصر کیا ہے۔“

ای اسے یوں دیکھنے لگیں جیسے اُن کے پاس کہنے کو کچھ نہ رہا ہو۔

☆☆☆

”فصل کا اس لوگ ہیں۔ بمیا۔ شریف اور سید سے سادے سے۔ لڑکی میں بھی کسی بات کی کی نہیں۔“ زیتون

نے کہا۔

”جی! آئی! آپ ٹھیک کہتی ہیں۔“ عبادت نے کن انھیں سے امی کو دیکھا جو زیتون کی آمد پر کچھ فکر مند دکھائی

دے رہی تھیں۔

”تو بس پھر کس بات کی دیر..... کرو اللہ..... چٹ مٹنی بٹ بٹا یہ.....“ زیتون نے خوشی کا اظہار کیا۔

ای نے آہستہ سے پہلو ہلایا۔

”گلتا ہے آج تمہاری طبیعت کچھ ڈانواں ڈول ہے۔“ زیتون نے امی کو چپ چپ دیکھ کر کہا۔

”آں..... ہاں..... بس ذرا بلڈ پریش..... بلڈ پریش کر لوگ لاکھ کو سیں بغیر پرے وقت بے وقت کام

آنے والی بیماری۔ امی نے بھی آڈے وقت امی کی پناہ سے کام چلانے کی کوشش کی۔

”اللہ کی دشمن کو بھی بلڈ پریش نہ کرے۔“ زیتون نے امی سے اظہار ہمدردی کیا پھر اپنے لیے میں غنچے

پیدا کر کے ہونے امی کا دھیان اُن کی بیماری سے ہٹانے کو بولی۔ ”بھوکھا جائے اللہ نے چاہا تو دیکھتے ہی دیکھتے

ایک پھل چلواری لگے گی کم اُن کی پیش میں میں اپنا بلڈ پریش دیر دیر سب بھول جاؤ گی۔“

ای چپ رہیں۔ زیتون نے کہا کہ نہیں۔

”ہاں تو پھر کب لے آؤں لڑکی دانوں کو تمہارے ہاں؟“ اگلے ہیے لڑکی کا بھائی بھی افسری پاس کر کے آ رہا

تھا تو پھر کب لے آؤں لڑکی دانوں کو تمہارے ہاں؟“ اگلے ہیے لڑکی کا بھائی بھی افسری پاس کر کے آ رہا

ہے کچھ دنوں کی چھٹی پر۔ میں تو کہتی ہوں اس کی چھٹی میں ہی دھوم دھڑکا ہو جائے تو اچھا ہے۔“
 ”آئی سب ہو جائے گا۔ پہلے تو آپ ذرا یہ لفافہ اُن لوگوں کو پہنچا دیں۔“ عباد نے ایک سر بند لفافہ جو اس نے پہلے ہی تیار کر کے رکھا ہوا تھا زیتون کو دیتے ہوئے کہا۔ امی نے چونک کر اسے دیکھا۔
 ”یہ کیا ہے بھیا؟“ زیتون نے لفافے کو الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے کہا پھر اپنے قیاس سے خود ہی اس سوال کا جواب دیتے ہوئے بولی۔ ”اچھا اس میں تمہارا شجرہ نسب ہوگا، ہاں، بھی جو طریقے کے لوگ ہیں وہ رشتے ناتے کرتے ہوئے ایک دوسرے کا شجرہ ضرور دیکھتے ہیں تو کیا اُن کا بھی لے آؤں۔“
 ”اگر ویں تو ضرور لے آئیے گا آئی۔“ عباد دھیرے سے مسکرایا۔

امی کے چہرے پر ایک تشبیہی سا اثر تھا۔ وہ سمجھتی تھیں عباد اس لفافے میں اپنا شجرہ نسب نہیں اس رشتے سے اپنا انکار لڑکی والوں کو بھجوا رہا تھا۔

”ارے زیتون دیکھنے دو۔“ امی نے زیتون کے ہاتھ سے لفافہ لینے کی کوشش کی۔ ”اب کون پڑتا ہے ان چوچلوں میں۔“ ساتھ ہی انہوں نے عباد کو آنکھیں دکھائیں۔

عباد نے امی اور زیتون دونوں کے ہاتھ کے بیچ سے لفافہ اچکا اور امی کو معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ ”جانے دیں امی ورنہ مجھے خود جانا پڑے گا۔“ امی نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔

اس سے پہلے کہ امی کچھ پوچھتیں وہ دھیرے سے ہنسا اور بولا۔ ”فکرت کریں، کوئی ہم نہیں بھجوا رہا ہوں میں اس لفافے میں۔“ اس نے لفافہ دوبارہ زیتون کو تھما دیا۔

”خدا جانے انکار میں کیا لکھا ہوگا اس نے۔“ امی نے دل ہی دل میں سوچا۔ ”آج کل کی اولاد تو ماں باپ کے کان کترتی ہے۔“ امی کو اپنے مرحوم شوہر کا خیال آیا۔ ”اس کے ابا تو ایسے نہیں تھے۔ ہمیشہ بڑوں کے سامنے سر جھکائے رکھا۔“ امی اپنا دل دکھتا ہوا محسوس کر رہی تھیں۔

☆☆☆

عباد کے بھجوائے ہوئے سر بند لفافے کا ملفوف ہم نہ سہی مگر اپنی ہلاکت خیزی میں ہم سان ضرور تھا۔ ضروری نہیں ہوتا کہ انسان کی سانس رک جائے اور دل تھم جائے کبھی کبھی کسی حادثے کی شدت سانس جلنے اور دل دھڑکنے کے باوجود انسان کو مارے رکھ دیتی ہے۔ عباد کی جانب سے بھجوائی گئی مادی مطالبات پر مبنی طویل فہرست جس میں زیرو میٹر کا مطالبہ بھی شامل تھا اس کی اپنی دانست میں تو رشتے سے انکار کا ایک محفوظ اور مہذبانہ طریقہ تھا جو اس نے اختیار کیا مگر ماں اور ابا کے اعصاب پر اس کی ہلاکت خیزی کسی ہم کے دھماکے سے کم نہیں تھی۔
 ”اپنا سارا جی بی فنڈ نکلوا لوں تو بھی تقدیم کو جھجھ میں یہ سب کچھ نہیں دیا جاسکتا۔“ ابا کو خود اپنی آواز کسی اندھے کو نہیں سے آئی تھی۔

”فرض کریں تھوڑا بہت قرض ادھار کر کے پورا پڑ بھی جائے تو اور دل کو بھی تو غمنا ہے۔۔۔۔۔ تمہید کی تو عمر نکلی ہی سمجھو۔۔۔۔۔ تھک گئی ہے میری بچی ہم سب کی خدمتیں کر کر کے۔۔۔۔۔ تسنیم کے واقعات نے ایسا خوف زدہ کر دیا ہے اس کو کہ اس مرتبہ تقدیم کا رشتہ آنے پر ذرا چون و چرا نہیں کی اس نے۔“ اماں نے دل گرفتگی سے کہا۔
 ”کیا کریں پھر؟“ ابا نے ایک غنڈی سانس بھری۔

”رشتہ اچھا تھا۔ ہو جاتا تو میں بھی سکون سے ہوتی کہ کوئی ایک تو عزت سے اپنے گھر کی ہوئی۔“

180 ماہنامہ پاکیزہ — جون 2012ء

ماہنامہ پاکیزہ۔ جون 2012ء 181

مکمل ناول

فیصلوں کا سفر

عالمی سرا



سعد بن وقاص جہاز کے دستِ وعریشِ عمرے
پر یلگ پردوں ہاتھ پھیلائے کڑے تھے۔ اُن کی
سیاہ سوچی آنکھوں کے سامنے دستِ وعریشِ بحرِ بے
کناں، جزا کا لکھا شمس مار تا سمندر تھا۔ تاحہ نگاہ



تک پھیلا سفید پانی اور اس کے اوپر جھکا نیلا
آسمان..... ہر سو نیلا ہٹ نمایاں تھی۔ سعد بن وقاص
کے ماتھے پر چھ سوچ ٹکٹوں کا جال تھا۔ جب تک
سمندر کے درمیان جہاز کے اوپر آن ڈیوٹی رہے

جس اب بہت ہو گیا۔ گھروٹ چلو اور دل کے ساتھ خوشیاں مناؤ۔" سینیٹینس سمجھا رہا تھا اور دل..... دل وہ ضدی بچہ ہے جو کھیلے کو چاند بھی ہانکتا ہے اور کن پند کھلنا ٹوٹ جاتے تو دوسروں انگھار پتا ہے۔ کھلوں کی کچیاں سفید کر رکھتا ہے اور دھڑکتا ہے۔

رات عرش پر ٹپکتے چاند کی گزروں میں ڈوبے سمندر کو دیکھتے وہ صبا کے بارے میں سوچتے رہے۔ پائیوں میں صبا کی سرکوب ڈوب کر ابھرتا رہا۔ "اے اس کا حق دینا۔" سینیٹینس کی آواز ابھری۔

"کیسے؟" ہاؤں میں اگلیاں بھنسا لیں۔ "چار سال سے وہ تمہارے بچوں سنبھال رہی ہے۔ تمہارے گھر کی دیکھ بھال کر رہی ہے اس

ناتے۔ تمہاری بیوی تم سے شلک تمہارے نام سے جڑی ہے اس واسطے..... اے سہاگن بھتا، اس کے دل کے ارمان ہیں۔ تم نے اگر عشق کیا ہے تو اس نے بھی محبت کی ہوگی کوئی یونی تو نہیں دیا ہے محبت میں کوتاہی۔" سینیٹینس بولتے پر آتا تو کس نہیں تھا آخر

شاہر بھتا تھا۔ حد چوک چوک جاتے۔ کیسے منافقت کرتے، کیسے ڈھل دل و جگر پر ہاتھ رکھتے۔ بواصان کے دود کو چھو کر گزری کسی اور دل و دھماکی تیار ہو رہا تھا۔ انزل سے کوئی انیت، کوئی گاؤ محسوس ہی نہیں ہوتا تھا تو محبت کیسے ہوتی..... صابر مگر مٹی کی انہوں نے اپنے دل میں اسے مرے ہی نہیں دیا تو

دوسری کی جگہ کیسے مٹی..... انزل ضرورت بن کر زندگی میں آئی تھی اور صابحت میں محبت رہے کی۔ اب دل کو کسی دوسری محبت کی ضرورت نہیں تھی۔ صبا ان کا عشق تھی تو انزل کی کاپاہت شازدہ کی کوکھ سے پسند نہ

ان کی شادی کا وقت آیا تو انی نے انزل کا نام لیا تھا اور انہوں نے صابحت کو فراموش کر کے شازدہ کی محبت میں جھکی ہوئی۔ فتح کے غمار میں انہوں نے اس کا دل کھلنے کی آواز دی تھی۔

کے دوست سینیٹینس نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ وہ گھرے پائیوں میں اس صبح رہے تھے چوک پر کھلے۔ "اے اس..... ہاں..... نہیں تو....." بیک ریٹنگ سے لگا کر کہنے پر ہاتھ باندھ لے۔

"یہ میرا وہ نہیں ہے یقیناً ہے، لگتا ہے اس بار گھر جانے کی، بچوں کے ساتھ بھائی کے ساتھ رہنے کی خوشی نہیں ہے نہیں۔" سعد نے گہری سانس لی۔ "نہیں ایسی بات تو نہیں ہے۔" لگ لگاؤ

نقل ان پر ڈالی۔ "یا پھر تم اس حصار محبت سے باہر نکلتا ہی نہیں

چاہتے۔" سعد نے لگ لگاؤ اس پر ڈالی۔

"بھائی کی یادیں انسان کا نازیدہ عرصے تک ساتھ نہیں دیتی۔ آخر میں حال میں لوٹنا پڑتا ہے۔ انہیں دل میں زندہ رکھنا اور باہر والوں کو خوش رکھنا۔ وہ تمہاری ذات سے شلک تمہاری توجہ کے عشق، تمہاری محبت کے طلب گار ہیں۔" دیر سے اس کا شانہ دبا کر سینیٹینس سمجھا رہا تھا۔ وہ ان کے حال دل سے باخبر تھا۔ جو محبت کا اٹھنا اور چاہت کا گواہ اور ان کے کناجے سے اس کے سامنے تھے اور جو ان کی پہلی شادی کی طرح دوسری شادی پر بھی خوش تھا۔ دوست دوستوں کی خوشیوں میں ہی خوش ہوتے ہیں۔ انکھ بھر کر اسے دیکھا اور انکھ بھرا آئی۔ دیر سے لگا چلائی۔

"میں جانتا ہوں تیرا دامن دیکھ رہے مگر یوں فرار کب تک، بچے تو پھر بیٹے ہیں نا، انہیں بھی تیرا انتظار ہے۔"

"اور..... وہ.....؟"

"اور وہ بھی انکھ بھرا کر والی۔ تمہارے بچوں کی ہاں۔ ان کا خیال رکھنا ہی تم پر فرض ہے۔ سعد۔ حال سے فرار ممکن نہیں..... اور خواہوں..... ساتھ سفر کرنا لا حاصل ہے، خواب کشی بن کر صابر بن جاتے ہیں۔"

صبا کے بغیر ان کی زندگی ادھر رہی تھی۔ صبا نے انہوں نے عشق کیا تھا۔ مینوں سے پایا تھا۔ عشق چھڑ جائے تو بہت اذیت ہوتی ہے یوں جیسے جسم سے جان نکل جائے اور ان کی روح صبا کی روح کے ساتھ ہی نکل گئی تھی، تو وہ کیسے زندہ رہے..... مگر زندہ رہنا تھا۔ ان کی زندگی تھی..... ان کے بچوں مور اور ایمان کو ان کی ضرورت تھی۔ ان کے بہتر مستقبل کے لیے۔

ہنسا، مکرنا قفس ویران ہو جائے، اس کا وجود سیم و تصور کی آماج گاہ بن جائے..... یہ کیسا درد ہوتا ہے۔ یہ کوئی انزل کے دل سے پوچھتا۔ سعد بن

وقاص نے صبا سے عشق کیا تھا تو انزل نے بھی سعد بن وقاص سے محبت کی تھی مگر اسے اپنا پنا کب ملتا ہے، اس کا کارڈ مل صرف اپنے رب کے حضور عید ریز رہتا تھا۔ سعد بن وقاص کی بات سے غافل نہیں تھے مگر یہ مجبور یوں کے سوسے تھے۔ بعض اوقات مجبور یوں کے سوسے دل جیت لیتے ہیں یا پھر کرب مسلسل دیتے ہیں۔

دل باریک جاتے ہیں، جذبے مر جاتے ہیں۔ اپنی شہیلی کا لقا تھا تھا یہ پائیوں کے ستر پر چلی جس گھڑی سالوں پر کوئی کسی ہمارا نہ ہو اجنبی دیکھیں کی گلی شام کے آسمانوں پر کوئی بھی ستارہ نہ ہو آخری دم تک بھی غم کو بادیاؤں کا کوئی ہمارا نہ ہو

بے حد درد دہی سے وہ سوچتے اپنے خیال اور صبا کے خواب میں گم تھے۔ گھر جانے پر وہ سختے خوب صورت اور پھر پورا انداز میں ان کا استقبال کرتی تھی۔ ان پر ٹاڑ ہوئی تھی۔ ہر بچہ عید اور ہر شہ فخر کے مانند ہوتی اور اب..... راکہ اب بھی جینے کی وسعتوں سے نکلی۔ "کیا بات ہے صبح کچھ چپ سے ہو؟" ان

مرسکون اور دنیا کے ہنگاموں سے دور رہتے۔ بس اب گھر جانے کو دل ہی نہیں چاہتا تھا۔ مور اور ایمان کی ہنسی مسکراتی تصویر انہوں نے اپنے لپٹ تاپ پر، موہاں فون پر بیٹھ کی ہوئی تھی جب دل چاہتا بات کر لیتے تھے۔ تصویروں سے دل بہلا لیتے۔ تصویریں جو زندگی کی ساقی بن کر رہی تھیں۔ ہر تصویر میں جان جاناں صبا ان کے ساتھ ہوتی تھی۔ ان کا کھیل، ان کا خیال، گمان، خواب اور دنیا صبا کی ان مسکراتی تصویروں سے آباد تھی۔ ایسے میں انزل کی اس زندگی میں عجیب لکھاں کی نظر تھی؟

انزل ان کے بچوں کی دوسری ہاں۔ بچوں کی زندگی میں انزل سا سگھی تھی اور ان کی زندگی میں تو بس صبا ہی ہوتی تھی۔ صبا جو باجھکی تھی..... صبا جو ان کے گرد نہیں نہیں تھی۔ ان کے جہاز کو کراچی کے ساحل سے لگتے میں کچھ ہی دے تھے۔ اور بہت سالوں کے بعد ان کی زندگی میں یہ موقع آ رہا تھا کہ عید اپنے وطن میں کرنے جا رہے تھے۔

سعد بن وقاص اپنی جھٹی کسی بھی ساقی و درک دوست کے ساتھ بانٹنے کے لیے تیار تھے۔ مگر اب کے ان کا جہاز ابو غازی خود بھی کراچی کے ساحل پر اپنی عید منانے جا رہا تھا۔ ان کا دل بے چینی سے دبے تابی کی تال پر دھت سے قفس کر رہا تھا۔ اپنے گھر میں آخری عید انہوں نے چار سال مور اور دو سال ایمان کے ساتھ منائی تھی، صبا کے ساتھ چار سال پہلے.....

خوب صورت شراوتوں، بھتی ساقوں، خوشبو دار کونوں اور صبا کے چمک، شوخ اور خوب صورت ہیکر کے ساتھ..... کیسے عید انزل کے ساتھ عید منائیں گے۔ ان کی خواہش ہوتی تھی عید پر مگر نہ جائیں۔ یادیں ان کا چھپا کر رہی تھیں۔

اس بار یہ تو خوش ہوں گے ہی انزل کی خوشی بھی دیدنی ہوگی مگر صبا.....! اتنے سالوں کے بعد بھی

کہاں سے لوٹ آنا ہے
 ذرا سا فیصلہ کرنا
 بڑا دشوار ہوتا ہے
 انزلہ نے دھیرے سے ڈائری پر قلم رکھ دیا۔
 نشست سے ہٹ کر سر ٹکا کر آنکھیں موندیں اور
 ہتھیلیں سے آنکھیں دباتے ہوئے گہری سانس لی۔
 ”ہاں“ بڑا دشوار ہوتا ہے..... امی..... مگر
 فیصلہ تو ہو چکا ہے۔ اب میری زندگی میں کسی اور فیصلے
 کی کوئی گنجائش نہیں ہے، یہ مگر اور حد کا ساتھ میری منزل
 ہے اور منزل میں بار بار تکیں بدلا کر تھیں۔ مجھے سعد سے
 عشق چوں ہے۔“ اور خودی مسکرا دی۔
 کوئی اسے ٹھیک دیکھے یہ جنوں نہیں تو کیا ہے۔
 کہ اسی کے ہو گئے ہم جو نہ ہو سکا ہمارا
 ”سعد نہیں تو کیا ہوا محبت کی صورت ان کے
 بچے تو ہیں نا ان کے گھر میں تو ہوں نا..... امی، آپ
 نہیں جان سکتیں کہ میری زندگی کا کون کون.....
 قرار کیا ہے۔“ دھیرے دھیرے اسے آنکھیں کھول
 دیں۔ سر کو ہر اس کو تھا، رات کا پچھلا بھر دھیرے
 دھیرے سوجھنے پہلے پہر کی جانب بڑھ رہا تھا۔ تازہ
 ہوا شب کے ہائی پھولوں کی جھبک اڑا لے جا رہی
 تھی۔ اس کی سائڈ ٹیبل میں گے مچھے کے پھولوں
 کی جھبک نے فضا کو مہلک کر رکھا تھا۔
 ”میں تو اس میں بھی بہت خوش ہوں۔ آپ کتنی
 ہیں کہ اب کے سعد آئے تو فیصلہ کروالو..... تم اس کے
 بچوں کی خادمہ نہیں ہو اس گھر کی نوکری نہیں ہو.....
 بیوی کے حقوق دے نہیں۔“
 ”امی مجھے بیوی کا نہیں تھا جائے یا کون تو ابھی
 مل جائے۔“ وہ دھیرے سے امی اور دیتے ہیں
 کھڑی ہو گئی۔
 ”مجھے رجب چاہیے۔ رجبے کا احترام چاہیے،
 خیرات نہیں۔ مجھے انتظار کرنا ہے۔ حق چھیننا نہیں
 معاہدہ باکیہ۔ جون 2012ء“

”آج نہیں تو کل ہو گا ہونا تو امر ہے نا۔ بچے
 نکھر جائیں گے۔ تمہارا روزگار سندر کی دستوں پر
 پھیلا ہے، سال بڑھ سال بعد تمہارا جہاز ساحل سے
 لٹکتا ہے۔ کون دیکھے گا بچوں کو۔“
 ”آپ..... صرف آپ؟“ انہوں نے ماں کا ہاتھ چوم
 لیا۔
 ”مجھے اب کسی رشتے کی ضرورت نہیں ہے۔“
 ”بچوں کو کون گھراں کی رک ماں کی ضرورت
 ہے یا۔“
 ”میں ان کے لیے بہت اچھی میڈر رکھ دیتا ہوں
 گھراں آپ ہوں گی۔“
 ”انزلہ کو میری خاطر میرے گھر میں
 آؤ..... ایک فیصلہ میں نے تمہارا مانا تھا۔ ماں کو
 آئی تھی۔ قدرت نے اسے جھین لیا ہے..... ایک
 فیصلہ تمہاں کے لیے ماں کو۔ انزلہ کو آؤ۔“
 ”امی!.....“ وہ گراہ اٹھی۔
 ”جہاں زندگی ختم ہوتی ہے وہاں سے ہی
 دوبارہ شروع ہوتی ہے سعد! یہ بشری تقاضے اور زندگی
 کے اصول ہیں۔ تمہا انسان بھی یہی زندگی نہیں گزار
 سکتا۔ مجھ پر بھروسہ رکھو۔“ اور انہیں ماں کا اصرار، ماں
 کا تذبذب اور ان کی حالت دیکھ کر دل کے نہ مانے
 کے باوجود ایک فیصلہ کرنا پڑا بچوں کے لیے..... ایک
 گھراں کی رک ماں کی ضرورت تھی۔ انہوں نے انزلہ
 سے نکاح کر لیا..... صرف نکاح۔ دل و دماغ کسی
 بشری تقاضے کے لیے آمادہ نہ ہوا۔ امی کا بانی پاس
 ہوا۔ ساتھ ہی ان کا نکاح ہو گیا۔ پھر وہ جہاز کے
 واپس آ گئے۔ پچھلے چار برسوں میں وہ دفعہ دو گھر
 گئے۔ ایک مرتبہ ای کی ڈیوٹر پر چاروں کے لیے۔
 دوسری دفعہ پندرہ دن کے لیے ان کا جہاز ساحل سے
 لگا تو انہیں خبر ہوئی کہ مون کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے
 اسکول دین سے تو اسے دیکھنے گئے تھے۔ انزلہ نے
 کہاں رستہ بدلاتا ہے

سبا سے شادی کے بعد انزلہ انہیں گھر میں نظر
 نہیں آئی اور نہ ہی امی نے کبھی کہا کہ مجھے جہاد کے گھر
 لے چلو انزلہ سے ملنا ہے۔ انہوں نے بیٹے کی جنوں
 خیر محبت کے آگے اپنے دل پر پردہ کر لیا تھا۔ سینی
 دونوں کے عشق و محبت کے بارے میں جانتا تھا۔ سینی
 کا بچپن اسی گھر میں گزرا تھا۔ بچپن کے ساتھی تھے
 دونوں۔ حال دل سے کیسے بے خبر رہتا وہ۔ پورا چاند
 سندر کی لہروں پر قعر قعر رہا تھا۔ ابو غازی سندر کا
 سید چتر سا تلہ مراد کی چاہے دوں اور سعد
 ریٹنگ پر بازو پھیلائے گا۔ دیر کا شکار تھے۔
 وہ نکاح کر کے چلے گئے تھے امی کے لیے حد
 اصرار پر۔ صبا کی موت کے محض چھ ماہ بعد امی کا بانی
 پاس ہوا تھا۔ وہ آخری بار ان سے ملنا چاہتی تھیں۔
 ماں کی محبت سے مجبور ہو کر گھر گئے تھے۔۔۔ وگرنہ دل
 انگیز رہتا تھا۔ یہ سوچنا بھی سو یاں روح لٹکتا تھا کہ اس
 گھر میں جائیں جہاں صبا لگتی تھی۔ آخر ہی سرسبز
 لان میں اس کا جنازہ رکھا تھا آخر ہی آخری بار دیدار
 یا کیا تھا۔ کیسے وہاں جائیں گے مگر امی کی تکلیف کا سن
 کر جانا پڑا۔ امی واقعی بہت کمزور ہو گئی تھیں تقاضے
 غالب تھی۔ اسپتال میں ہی انہوں نے ہاتھ باندھ کر
 اس سے الٹا ہی کئی اور وہ دم بخور ہو گئے تھے۔
 ”بچے ماں کے بغیر نہیں رہ سکتے سعد! نکاح کر
 لو..... انزلہ سے، میری پسند ہے وہ عزیز ہے مجھے،
 تمہارے بچوں کو وہی سفال کتنی ہے۔“
 ”امی!.....“
 ”انکرامت کرنا سعد..... مجھے اپنی زندگی کا کوئی
 بھروسہ نہیں ہے۔ کون ان بچوں کو دیکھے گا۔ بچوں کی
 نانی نہیں ہے جو سنبھال لے۔ خالد، چھو بیٹا اپنے
 اپنے گھروں کی ہیں۔ میرے بعد کون دیکھے گا۔“
 ”امی! انہوں نے ماں کا ہاتھ چوم لیا۔ ”خدا
 نہ کرے آپ کو کچھ ہو۔“

ڈرائیو کے ساتھ بچے اور سیرا تھی۔ وہ خدا حافظ کہہ کر پارے کی طرح بڑھا تھا ان کی جانب۔ بچے اس سے لپٹ گئے۔ سیرا گاڑی سے نکل آئی۔ بیٹی نے ہاتھ تھام لیا۔ سب کے چہروں پر اک انوی چمک تھی۔ بچی خوشی کی اور ان کا دل..... دل نگار پر ہاتھ رکھا۔ بیٹی چلا گیا۔ دل یادوں میں لپٹنے لگا۔

”صبا..... صبا..... صبا“ وہ بھی اسی طرح سے آتی تھی۔ پہلے مون اور پھر ایمان کو لے کر، بچی کی پھوار برساتی۔ سیاہ آنکھوں میں گہرا کاجل، چمکا ہوا چہرہ..... اور اب..... پول سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے۔ انہیں ہلکی سی بچی کی گھر جانے کے لیے اور کمر جانے کو دل نہیں چاہ رہا۔ بچی دانت سوک ان کے سامنے آکر رول اور مون و ایمان پاپا..... پاپا کے اترے۔ سجدے بے یقینی سے اٹھیں دیکھا۔ بچوں کو دیکھ کر ساری اداسی اچھو ہوئی۔ دوزخ تو جگے، بائیں پھیلاں اور ان بچے ان میں سا گئے۔ انزل بھی بچی اتر آئی۔ اسے عمر سے بعد بچہ کا پیار ہوا تھا۔ وہ جانتی تھی بے مبری آنکھیں اس کا ساتھ نہیں دیں گی سو گامز لگا کر آئی تھی۔ ٹیکل آنکھوں کا پردہ رکھ لیا تھا۔ سرکراتے ہوئے گاڑی سے ٹیک لگا کر باپ بچوں کا ملن دیکھ رہی تھی۔

”پاپا..... ٹریفک بہت تھا دیہ ہو گئی۔“ مون چکا۔

”پاپا..... چالان ہوتے ہوئے بچا۔“ ایمان دے بیٹا۔

”پولیس اٹکل چھوڑ بی نہیں رہے تھے، مانے بڑے ماموں کو کون کیا پھر جان چھٹی۔“

”ماما!“ سعد کو دل میں ہوک انھی۔ ”بچوں نے اتنی جلدی سہا کو کھلا دیا۔“

”کیسا ہانسی؟“ انزل کے بڑی۔

”ہوں..... ٹیک تھا۔“ وہ سنجیدہ تھے۔ انزل

”دستی بے فیض لوگوں سے بھا کر کچھ نہیں لگتی۔“ سعد کی گپیں ہول پر بھر گئیں۔

”دل..... سارے کام دل کے ہی تو مریوں

”ٹیک ہے پھر۔“ بیٹی نے پہلو میں کھڑے اور کشتا پر بازو پھیلا یا۔

”میں زبردستی نہیں کر سکتا۔“ دل میں یادیں

”میں زبردستی نہیں کر سکتا۔“ دل میں یادیں

”میں زبردستی نہیں کر سکتا۔“ دل میں یادیں

”میں زبردستی نہیں کر سکتا۔“ دل میں یادیں

”میں زبردستی نہیں کر سکتا۔“ دل میں یادیں

”بلوٹیل کی تیل کو دھیرے سے چھوا..... سر مایا خوبو ہر ہوش بلی تھی۔ بیکہ ہوا خندا موسم۔ شہنشاہی ہوا۔

”جب تک سعد انہیں کے سردیاں شروع ہو چکی ہوں گی۔ میں کافی بہت ابھی بتانے کی ہوں۔

”بلوٹیل کی تیل کو دھیرے سے چھوا..... سر مایا خوبو ہر ہوش بلی تھی۔ بیکہ ہوا خندا موسم۔ شہنشاہی ہوا۔

”جب تک سعد انہیں کے سردیاں شروع ہو چکی ہوں گی۔ میں کافی بہت ابھی بتانے کی ہوں۔

”بلوٹیل کی تیل کو دھیرے سے چھوا..... سر مایا خوبو ہر ہوش بلی تھی۔ بیکہ ہوا خندا موسم۔ شہنشاہی ہوا۔

”جب تک سعد انہیں کے سردیاں شروع ہو چکی ہوں گی۔ میں کافی بہت ابھی بتانے کی ہوں۔

”بلوٹیل کی تیل کو دھیرے سے چھوا..... سر مایا خوبو ہر ہوش بلی تھی۔ بیکہ ہوا خندا موسم۔ شہنشاہی ہوا۔

”جب تک سعد انہیں کے سردیاں شروع ہو چکی ہوں گی۔ میں کافی بہت ابھی بتانے کی ہوں۔

پرنٹ گیا۔
 ”بھئی یہ آپ باپ بیٹے کا معاملہ ہے۔“
 احتیاطی بھرے اعزاز میں سن درست کرتی، ذرا بیگنی
 انزلہ نے کہا۔ ”ایک بل کے لیے وہ انہیں باگنی۔“
 ”بابا۔“ گھن فرم گئی، لیکن اسے آگاہ کرنے میں
 آکاس بتیل نے سن سرائی۔ دوڑتا ہے آگاہ، جدائی
 کے احساس نے دل کے درد کو جگایا۔ انزلہ سگراتے
 ہوئے ایمان کو بہلا پھلا کر باہر لے گئی۔ مون ان
 کے نیچے پر سر رکھنے لگتا تھا۔ سا کا احساس رگ روپے
 میں سرایت کر گیا۔ ان کی انکھیں مون کے نرم بالوں
 سے کھینچ لگیں، نگاہیں، مسکراتی ہوئی جا کے خاموش
 وجود پر پڑ گئیں۔ مون جانے کون کون سی کہانیاں
 سنانے لگا۔ جاں کے شانے سے آگئی۔ مسجد کی
 انکھیں سبکیں اور بند ہو گئیں۔ جدائی کا درد لہو
 رنگ ہو کر وجود سے لپٹ گیا اور تھوڑی دیر بعد دودھ کا
 گلاس لاتی انزلہ دلہن پر ہی غمگین۔ بستر پر دراز سعد
 انکھیں موندے لیے تھے۔ ایک بازو سینے پر رکھا تھا
 دوسرا ڈریک ٹیبل سے اٹھائی تصویر پر۔ انزلہ کا
 دل دکھ سے بھر گیا۔ قریب آ کر گلاس ساڈ ٹیبل پر
 رکھا۔ اس شخص کے ہونٹوں پر ہنسی کے پھول کھلنے
 کے لیے جانے کتنے شخص سفر لے کر گئے ہیں۔ قبل
 کھول کر اوپر ڈال دیا۔ تصویر پر اس پر رکھا ہاتھ
 چپ کیا۔ آہٹ پر انکھیں کھول کر دیکھا۔
 ”بلی بلی خشک تجھی مانوں کے بل کی اکل دھاری
 تھی۔ آپ یہ دودھ پی لیں، ابھی نیم گرم ہے۔“
 ”ابھی طلب نہیں ہے۔“ انہوں نے نگاہ
 چرائی۔
 ”یہ طلب نہیں ضرورت ہے پلیز، انکھیں۔۔۔
 گرم دودھ اچھی نیند لاتا ہے۔“ نہایت بھرا ہوا۔
 ”سزئی کھنن جراتی ہے۔“ محبت بھرا انداز۔ کناج
 کر کے چلے گئے تھے۔ باقاعدہ روابط اب طے
 ملے۔

”ابھ کر سامنے بیٹھی گئی۔ جب گھر اس کا تھا تو گھر
 والے کو بھی تو اپنا بتانا تھا پھر شرم کئی۔۔۔ کسی
 گلب۔۔۔ حیا دریاں پیدا کر دیتی۔۔۔ اور پھر دل نے
 اس کو کھنن کو اپنا بنانے کی قسم کھائی تھی اور دل کی قسم
 اس پر فوراً پورا ہوتا چاہیے۔ بچوں نے باتوں کا سلسلہ
 اس کو لے کر شروع کر دیا اور بات کا اختتام مون
 پر کرنا۔
 ”مجھے کل سے آپ اسکول چھوڑنے جا نہیں
 گئے۔“
 ”اور مجھے ماما۔۔۔ ایمان نے فوراً انزلہ کے
 گلے میں بائیں ڈال دیں۔ بچوں سے محبت نظر آتی
 تھی۔
 ”میری ماما بہت اچھی ہیں۔“ ایمان جھونے
 لگی۔
 ”اور میرے پاپا۔“ مون کیوں پیچھے رہتا۔ سعد
 اس رہے ہیں بچوں کے لیے۔ انزلہ سے نظر چار ہے
 تھے۔ دو رنگ ٹیبل پر انزلہ کی پشت اور ان کی نشست
 کے سامنے سا کھانا تو فوراً بھی نمایاں تھا جو بار بار انہیں
 اپنی جانب متوجہ کر رہا تھا۔ ان کی نگاہ دھندلا رہی تھی۔
 بہت مرنی نہیں ہے، دور ہو کر اور بھی درد دیتی
 ہے۔ اور یہ میٹھا سادہ انہیں بہت عزیز تھا۔
 ”چلو بیٹا اب پاپا کو تھوڑا سا آرام کرنے
 دو۔“ بچوں کے ہنسی مذاق اور شرارتوں میں بہت سارا
 وقت گزرتا تو انزلہ کو خیال آتا۔
 ”ماما۔“ مون ٹھکا۔
 ”پلیز ماما۔“ ایمان نے ہنسی بھرا اختیار کیا۔
 ”چلو۔۔۔ چلو۔۔۔ شاباش۔“ دو پنا شانوں پر
 سنبھالے، بیڈ سے اترتے ہوئے متا بھرا ہوا تھا۔
 ”صبح چھٹی ہے۔“
 ”پاپا تھکے ہوئے ہیں۔“
 ”میں پاپا کے پاس سو جاتا ہوں۔“ مون بستر

گفت اور بو کے تھا۔۔۔ انہیں اپنی ساگرہ یادیں بچہ
 تھی۔ صبا تھی تو۔۔۔ سنہری سیٹ گلاب کی کلی کے ساتھ
 انزلہ نے ان کی جانب بڑھایا۔
 ”شکر ہے۔“
 ”پاپا۔۔۔ گفت کا جھٹک نہیں کہتے۔“ سعد مسکرا
 دیا۔ گفت بیک سائڈ پر رکھ دیا اور وہ کھلنے کا
 سائڈ میں بڑھ گیا۔ سعد بچوں کے ساتھ اٹھ کر اپنے
 روم میں چلے گئے۔ بیڈ روم ادویاتی تھا پیچھے چھوڑا
 ہر چیز اپنی جگہ کھانے پکڑی۔ صبا ہوئی تو کئی شکایتیں
 ہوتیں۔
 ”سعد پلیز چروں کو اپنی جگہ پر رکھا کریں۔“ پھر
 ٹال۔۔۔ یہ شو۔۔۔ آف کرتا۔۔۔ پلیز اپنی ہی ڈی
 تو سنبھال لیا کریں۔ اور۔۔۔ اب۔۔۔ بستر پر گر
 گئے۔
 ”کئی دنوں سے شکایت نہیں ڈھانے سے۔“
 ”پاپا۔۔۔ یہاں کیوں۔۔۔ اور چلیں نا ماما
 کے بیڈ روم میں۔“ ایمان نے پوچھنا ملائے ہوئے کہا۔
 ”یہ پاپا۔۔۔ کا بیڈ روم ہے پاپاں اور پاپا کو آرام
 کی ضرورت ہے۔ آرام کرنے کے بعد
 گئے۔“ مون نے سمجھا۔۔۔ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر
 سعد سگرا دیے۔ ان کا بیٹا کتنا کچھ دار تھا۔
 ”اوپر ماما کا بیڈ روم زیادہ اچھا ہے ہوا دار
 روشن، میسر والا۔“
 ”اچھا۔۔۔ ماما کو یہاں لے آؤ۔“ مون نے
 مشورہ دیا اور ایمان بھاگ بھی گئی۔ سعد روک نہ
 سکے۔ مون ان کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ سعد اس کے
 بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگے۔ ایمان انزلہ کو لے بھی
 آئی۔
 ”اب ہم مل کر باتیں کریں گے۔ آئیے ماما۔“
 مون نے اپنے غریب جگہ بیٹائی اور سعد گڑبڑائے۔
 بھر کو انزلہ تذبذب کا شکار ہوئی اور پھر سر جھٹک کر بیٹا

نے ڈکی کھول دی۔ سعد سامان رکھنے لگے۔ بیچے
 گاڑی میں بیٹھے تو سعد پیچھے ان کے ساتھ ہی بیٹھ
 گئے۔ انزلہ نے ذرا نیچے بیٹھ سنبھال لی جبکہ دل
 میں یہ ارمان تھا سعد ذرا نیچے بیٹھ کر پیچھے کے تھوہ
 فرسٹ سیٹ سنبھال لے کر۔۔۔ بیچے پیچھے۔۔۔ نیلی مکمل۔
 جانے کیوں گہری سانس لی۔
 ”ابھی شاید وہ وقت نہیں آیا بیچہ نیلی مکمل ہوتی
 ہے۔ ابھی مزید انتظار کرنا تھا۔ ابھی تو۔۔۔ ابھی
 تو۔۔۔“ گاڑی آگے بڑھا دی۔
 ”ماما آرڈر کیا ہے۔“
 ”ماما آفٹر کیم بھی۔“
 ”ماما صفائی بھی۔“
 ”ماما۔۔۔ میرا بوسے۔“ بچوں کی فرمائشیں۔
 انزلہ نے راستے میں سے سارے آرڈر لے لیے۔
 بیچے خوش ہو گئے۔ چلتی گاڑی میں سعد، جا کے ساتھ بچہ
 سفر تھے۔ ذہن دہل کے دروازے کسی اور کے لیے وا
 تھے۔ ان کے آنے کی خوشی میں ان کی پسند کے کھانے
 پکائی تھی وہ اور بازار کے کھانے جب آتے تھے جب
 ان کے جانے کا وقت آتا اور کچھ ساتھ گزرتا تھا
 اور یہاں ایسا کیا ہوگا؟ یہاں تو بس سمجھتا ہی ہے۔ سر
 جھٹکا۔ گاڑی رک گئی۔
 گھر آ گیا تھا۔ پیچھے کھینچ لینے صبار میں لے کر۔۔۔
 اندر بڑھے۔ انزلہ عبدل سے سامان نکھوڑی گئی۔
 اسے ضبط بھی کرنا تھا اور میر بھی۔ عرصے بعد پر دہی
 گھر آیا تھا، وقت بہت تھا ابھی انہیں اپنے مال میں
 آخری بار رہنے دو اور۔۔۔ ڈانگ نیلی پر چکن
 بریانی، دو اونس تورمر، کباب اور ٹرائل دیکھ کر شرمندہ
 سے ہو گئے سب ان کی پسند کا تھا اور اس وقت ان کی
 حیرت، خوشی میں بدل گئی کسانے کے بعد جھج مون
 بڑا سا لیک تھا ہے آگیا۔
 ”پکڑی بھجھ نہ لے پاپا!۔“ پیچھے پیچھے ایمان

ہوئے تھے کہ جیدہ بانو آگئیں، فیضان کے ساتھ۔
انزل نے اٹھ کر ماں کا استقبال کیا۔ بھائی سے ملی۔
سعد بھی اٹھ کر ملے۔ آپا نے آتشکریم کی ان کی
جانب بڑھائے۔ جیدہ بانو، سعد کا جائزہ لیتی زیرک
لگائی سے، اجول اور لوگوں کا بھی جائزہ لے رہی تھیں
اور پھر ان کی نظر میں انزل پر پڑ گئیں۔ اس کا چہرہ
چمک رہا تھا۔ سعد کے لیے وہ بے حد خوش کردہ تھی
ان تھک محنت۔ کام اور کام۔ اور یہ شخص ان کی
بہن کو بس اپنے بچوں کی خادمہ۔۔۔ گھر کی رکھوالا سے
زیادہ اہمیت نہیں دے گا۔ مگر کبھی مہمانے اس کا چہرہ
نہیں چھوڑا تھا۔ ان کی باہل گئی تھی۔ صرف نام، مگر
اور اس کے بچوں سے خوش ہوئی رہتی تھی بے وقف۔
انہیں غصہ چڑھا تھا انزل کو دیکھا کہ۔ ان کی پیاری
بہن محبت اور بان کی چاہ میں بھی خدمت گزار بنی ہوئی
تھی۔ بیچہ ماں، اما کہہ کر خدشہ الگ کر دیا ہے۔ تھے۔
”بچہ لیا ہے نا۔۔۔ میں نے کیا کیا ہے؟“ کہن
میں اسے روک لیا۔
”کیا۔۔۔ ای! اہم! عارفانہ کے انداز میں
بال کاٹوں کے پیچھے کرتے ہوئے ماں کو دیکھا۔
”پھر بتاؤں میں۔۔۔“ انہیں جانے کس بات کا
غصہ تھا، آواز بلند ہوئی۔
”پلیز ای۔۔۔ گزیرا کر اندر دیکھا۔
”نات کرنا۔۔۔ آر۔۔۔ پاپارے۔
”ای! پلیز۔۔۔ ابھی کل ہی تو آئے ہیں۔“ ولی
دہلی آواز میں کہا۔
”اور تو۔۔۔ تو کرائی بن جا۔“
”ای۔۔۔ میرا، مگر میرے بیچے۔۔۔ ہیں۔“
”تو سمجھ رہی ہے نا۔۔۔ شوہر مان نہ دے تو ماں
سوتلی بی بی کہلاتی ہے۔۔۔ خدمت گار میڈ۔“
دہماکت کھڑی رہ گئی۔
”تمہارے ابو نے بھی یہ رشتہ تو نہیں دینا

”اجھا۔۔۔ بابا۔۔۔ اجھا۔۔۔ بس۔۔۔ چپ۔۔۔“
اموش۔۔۔ پاپا سے بھی ان کی فرمائش پوچھنے دو۔۔۔“
”بابا۔۔۔ تو بس پرائیں گے۔“ مون پڑا۔
”جہاز پر تو پڑایا مٹا ہوگا۔“ ایمان کیوں پیچھے
پڑی۔ نیپکس نے اپنے ساتھ صاف کر کے چائے کاک آگے
پاؤں پکڑ کر بائیں طرف دے رہی تھیں۔
”جلدی بتائیے نا کہ لکھ بنا لوں۔“ کیسا
پاپائی ہوئی والا انداز تھا۔
”بچوں نے اچھا بیٹیر تیر تپ دیا ہے۔ اس میں
فرخانی کا اضافہ نہ کرلو۔“
”اور۔۔۔“
”رات میں کبیر۔“
”ماں۔۔۔ وائٹ فورم۔“
”اجھا۔۔۔ بابا۔“ ہاتھ بڑھا کر مون کے بال
کڑھے۔ ”اور۔۔۔ سنو۔۔۔ ایمان کے ساتھ کل رکھو
مگر بہت مت کرنا، ڈرائنگ روم میں مت جانا، کسی
انکوری پیش کو ہاتھ لگاؤ تو۔۔۔ بس۔۔۔“ وائرنگ
کی۔
”کوئی سر انہیں، پاپا بچائیں گے۔“ مون اٹھ
کر بابا کے شانے سے لگ گیا۔ سعد نے بھی اسے
انز کے پیچھے میں لے لیا۔
”جاؤ اپنے پاپا کے پاس۔۔۔ نو آتشکریم۔۔۔“
غور بانی ایڈوٹو۔۔۔ سب کچھ۔ ”انزل نے چڑایا۔
مون جھٹ سے اس کے کورٹ میں آگیا۔ انزل کھٹکا
کر بھی۔ سعد بھی سکرا دیا۔
پھر سارا دن انہوں نے انزل کی مصروفیت
رہی۔ مہمان آگئے۔ ان کی تواضع۔۔۔ انہیں ناٹم
دینا۔۔۔ باتیں۔۔۔ بھر پور کھانا۔۔۔ شام کی
ہائے۔ رات کا ڈسٹرب کی پسند کا۔ پھر آتشکریم
اور جب سب آتشکریم کا مزہ لے رہے تھے، بائیں
فرار میں کر رہے تھے، سعد بہن بھائیوں میں کھلے ملے

لیے۔ تم کھاس نے بیروں کو خنڈ کر دیا۔ خالی
لیے کتنے ہی لمحوں تک ادھر ادھر کھوکتی رہتی۔ گویا
لفظوں کی تقریر بنی ہوئی تھی۔ اس کھیا کے جیدہ
بیر کو خاموش رہو۔۔۔
”سعد!“ دھیرے سے پوچھنے کے تھے
تیک لگائی۔ نہ جانے آپ سے آپ تک کا فاصلہ
ملے ہوگا۔ کہیں میری ہر کوئی راکٹاں ہی نہ
جائے۔“ آنکھوں میں کی سا احساس ہوا۔
”آج تو پہلا دن ہے اور تم ابھی سے گھبرا
پاؤں ہو رہی ہو؟“
”ایس کا نہیں ہے یار۔“ ہنگی کی پور۔
آکھ کا کنارہ چھو۔ ”بس۔۔۔ ذرا۔۔۔ یونہی۔“
”محبت میں انسان حساس بھی تو بہت ہوجاتے
قدم اندر کی جانب بڑھا دیے دل کو کھاتے ہوئے۔
☆☆☆
صبح گھر میں غیر معمولی رونق تھی۔ مون
ایمان کو پاپا کے آنے کی بے حد خوش تھی، درد و
سے تازگی اور شہر ہی تھی۔ انزل کرم تازہ پوریا
کڑھائی سے نکال کر رہی تھی۔ گرم سوئیڈی سو
حلوے اور ترکاری کی خوشبو پھیلی تھی۔ سعد بہت شو
سے کھا رہے تھے۔ بیچے چھوٹی چھوٹی باتوں سے
رہے تھے۔ چائے لاکر وہ بھی ناشتے میں شامل ہو
سعد نے نگاہ اٹھا کر دیکھا کچھ سے نکلتی تھیں، گلے
پڑا دوپٹا، ایک ایمان، ایک مسکراہٹ بالکل کھیل
انداز۔۔۔ جیسے مسماں نے بھی ہو۔ سر جھٹکا۔ اب انزل
سارے دن کا میٹھا بان سے ڈسکر کرنے لگی۔
”نورمہ، برائی ضرور۔۔۔“
”کسٹروڈ۔۔۔ لازمی“
”فرائنکل تو بھولے گی کات۔۔۔“
”میرے کباب۔۔۔ مون اور ایمان راک
نہیں رہے تھے۔

ہور ہے تھے۔
”بھیلے اٹھیے نا۔“ اور انہیں اٹھانا پڑا۔۔۔ مون بے
خبر سو رہا تھا۔ سعد نے گلاس تھام لیا۔ انزل کنارے پر
تک گئی۔ بجلی، متذبذب اور پس دہش کو اس نے
جواں بھتی سے دردانے کے باہر ہی روک دیا تھا۔
تینوں لائن سے کڑھے اس کی آمد کے منتظر تھے۔
”کل ناشتہ آئی اور پچھونے آنے کے لیے کہا
ہے۔ کہ تو آج ہی رہی میں گھر پھر آپ کی تھکاوٹ
کے احساس سے خود ہی کل رات کا کھ دیا۔“
”ہوں۔“ انہوں نے کہا اور گلاس خالی کیا۔
انزل نے بڑھ کر تھام لیا۔
”میں مون کو لے جاؤں؟“ لکھ میر کو سوچا۔
”نہیں رہنے دو۔“
”آپ ڈسٹرب نہ ہوں۔“ مسکرا کر کچھ بتایا۔
سعد چونک گئے۔ انزل نے لائن آف کے بیدار
لائن آن کی، نیم خوابیدہ سا ماحول ہونے لگا۔ سا
روز کا اچھے سے روم میں کیا اور شب بخیر کہہ کر باہر نکل
گئی۔ وہ بیٹھ رہ گئے۔ لیٹے لیٹے دوسرے کچے
چونکے۔ ان کے پہلو میں رکھا فریم تھا ایمان۔
”مجھے کوئی ڈسٹرب نہیں کر سکتا۔“ فریم اٹھا کر
مسکرائے اور نیم دراز ہو گئے۔
صبا کا مسکرا ہوا بچہ جیکر مسماں تھے۔ فریم کی سطح پر
ہاتھ پھیرتے ہوئے سکرا دیے۔
☆☆☆
ان کے کمرے سے اپنے کمرے تک کا سفر ملے
کرتے ہوئے انزل چسپی ہو گئی۔
”آپ کی تمہاری دور کرتے کرتے خود تنہا ہو
جاؤں۔“ اوپر اپنے روم میں جانے کے بجائے لاؤنج
کا دروازہ کھول کر لان میں نکل آئی۔ ٹھنڈک
کا احساس رگ دپے میں سرایت کر گیا۔ سرا کی
راحمیاں اسے ہاتھ پسند نہیں۔ لکھ گہرائی کا سا احساس

تھا۔

”ای۔۔۔ یہ وقت ہے، ان باتوں کا۔“ اسے غصہ آئے لگا۔

”یہی وقت ہے اگر تم نے نہیں کی تو میں خود سہاگن ہوتے ہوئے بھی سہاگن نہیں ہے۔“

”اجما آئی۔۔۔ جارے ہیں، اکی ٹھیل نا۔“ فیضان یکن میں آگیا۔ وہ ہنسنے لگا۔ اسی اس پر قلعی نظر ڈال کر باہر نکلیں۔

”امی کے ارادے بالکل ٹھیک نہیں لگ رہے تھے۔ اس کی بہت اس کا حوصلہ۔۔۔ کافی کا پانی رکھا اور خضار گلاس بھر کر پھونڈوں سے لگایا۔“

”اکی۔۔۔ میں کیا کروں۔۔۔ بعض چیزوں پر ہمارا اختیار نہیں ہوتا۔ میں زبردستی نہیں کر سکتی بس کوشش ہے۔ وہ مرد ہیں پر فیصلے کا اختیار انہیں حاصل ہے۔ میں تو بچپن کی محنت کو نبھار ہی ہوں۔ اللہ نے شاید میری زندگی یوں ہی رکھی ہے۔“ آنکھوں کی سطح ہلکی ہلکی دل اور اس ہو گیا۔

”انزلہ۔۔۔ اس جگہ کے سرخس تمہارے ہاتھ کچھ نہ آیا تو۔۔۔ اپنی پھٹلی پھیلائی۔ آگ پھٹلی پر زور دیتی تھی۔

”تو کیا ہوا۔۔۔ محبت کے قصب میں تو ہے ہجر یہ تو ساری عمری اداس دے چکے کل رات ہی ہے۔ محبت مجھے ہے انہیں تو نہیں نا۔ ہجر حوصلہ اور برداشت اور بھونچتا بھی مجھے ہی کرتا ہے۔“ گہری سانس لے کر مٹی بند کی۔

”امی۔۔۔ ماں ہیں نا۔“ آنکھوں کی تم سطح کو چھوا۔ ”اور ماں میں مٹیوں کے سکھ چٹین کے لیے کوئی بھونچتا نہیں کر تیں۔“ اور کافی کی جانب متوجہ ہو کر کپ ٹکا لے لی اور کسی کام سے آئے سعد خاموشی سے دایاں پلٹ گئے۔

”ابھی تو یہی خوش تھی۔ قہقہہ لگا رہی تھی اور

”اب۔۔۔ اس کا اداس چہرہ انہیں بھی خاموش کر گیا۔“ ابھی سب اندر بھی انزلہ کی تعریفیں کر رہے تھے۔ بچوں کو سمیٹ کر رکھا ہے۔ بہت محبت کرتی ہے۔“

اس رات لگبھر سے انداز میں اپنی ڈائری کی پر ہاتھ بھیرتے ہوئے لکھا۔

میں تباہ فرق تاج جو ہے مجھ میں اور تجھ میں میری زندگی سلام، تری زندگی کنارہ کوئی اٹھائیں دیکھے یہ جنوں نہیں تو کیا ہے کہ اسی کے ہو گئے ہم جو نہ ہو سکا ہمارا

☆☆☆

رات کا پہر دیر سے دیر سے گزر رہا تھا۔ آ مومن اور ایمان اپنے روم میں سوئے تھے۔ سعد اب روم میں پہنچے تھے۔ انزلہ نے اپنے روم کے در پہ کھول دیے۔ باوہا کے جھونکوں نے اسے چھو لیا ”انزلہ۔۔۔ رو نہ نہیں۔۔۔“

”محبت تو ہے نا۔۔۔ محبوب تو ہے نا۔۔۔ صبر نہیں تو کیا ہوا؟ عشق والوں کے لیے ایک نگاہ ہی کافی ہے۔“ دیر سے بلبول کی تپوں کو چھوا۔ ”عشق محبت اپنا نہیں۔۔۔ دیر سے دیر سے اس کے دوجو میں محبت مٹے جتنے جتنے ہوئی انہیں محبت کے احساس کی شرت سے گلابی ہوئے لیکن۔۔۔ دکھ۔۔۔ دکھ بھی محبت کا۔“

کوئی سمجھ سکتا ہے۔۔۔ نہ جان سکتا ہے۔ رات گئے تک چاندنا سفر ختم کرتا رہا۔ محبت کی شمع جلتی رہی۔ دم و ہوا تازہ تھی۔

☆☆☆

صبح بچوں کو اسکول کے لیے تیار کیا تو مومن صر کرنے لگا۔

”پاپا پچیس اسکول چھوڑنے۔“ ساتھ ہی انہیں اٹھا بھی لایا۔ اور وہ بھی اٹھ آئے۔ فجر سے مسکرا

اسے دیکھا۔

”میں ماما کے ساتھ جاؤں گی۔“ ایمان نے ماں کا ہاتھ تھام لیا۔

”چلو۔۔۔“ پچاس ایک میں رکھا۔ سعد پر نگاہ ڈالی۔ رات والے کپڑوں میں تھے۔ بلیک ٹراؤز اور بلیو ٹی شرت۔ ہنسی بھری ہنسنے کے غماز سے جا کی آنکھیں۔ ہاتھوں سے بالوں میں برش کرتے سعد کو دیکھتے ہوئے انزلہ نے نگاہ چرائی۔ وہ تو ہر نگاہ میں محبوبانہ ڈانٹ تھی اور سعد ہمیشہ سے زیادہ ہی اچھے لگتے تھے۔

”چلو۔۔۔“ اندر کے شوگر کو دبا کر بیک اٹھا کر باہر نکلی۔ کاسی دوپٹا شانوں پر بکھر رہا تھا۔ گاڑی نکال کر کھٹ لاک کیا۔ ڈرائیونگ کے لیے جا پانی سعد کی جانب بڑھائی۔

”نہیں۔۔۔ تم چلا لو۔۔۔ میں ریلیکس نہیں ہوں۔“ وہ آگے بیٹھے۔ بچے پیچھے بیٹھے۔ بے حد خوش تھے۔ آج بابا کے ساتھ اسکول جاتے مومن کی باتیں اور قصے ہی ختم نہیں ہو رہے تھے۔ ایمان نے بابا کو اپنی سیلیوں سے ملوانا تھا۔ سعد مٹس رہے تھے اور اسے حمل ساتھ کھل کھل کر دیکھ کر انزلہ کو کتنی خوشی ہو رہی تھی کوئی اس کے دل میں تو جھانکا اور۔۔۔ ساکت رہ جاتا۔ ایک نگاہ غلط انداز سعد پر ڈالی۔ سعد بچوں میں گمن تھے۔ بچے آخر کار اسکول کے اندر جانے لگے۔ سعد ایمان سے وعدہ کر رہے تھے۔

”تو آپ کی سالگرہ پر آپ کی سیلیوں سے ملیں گے۔“

”مٹی پاپا۔۔۔ میں بھی اپنے دوستوں کو بلواؤں گا۔“

”میری سالگرہ میں تمہارے دوستوں کا کیا کام؟“ ایمان نے جرح کی۔

”پاپا۔۔۔ اسی دن میری بھی سالگرہ ہوگی۔“

اور وہ مٹس رہے تھے۔ بچے ہاتھ ہلا کر اندر چلے گئے۔ انزلہ نے گاڑی پر پوسٹی لی۔ سعد سیدھے ہو کر بیٹھے گئے۔ کیا بات کرے۔۔۔ سعد خاموشی سے باہر دیکھ رہے تھے۔ یہی صبح جگ جانے کہاں سے پھول والا بیجہ سٹکل کے پاس نظر آیا۔ گاڑی روک لی۔ بچہ دوڑا چلا آیا۔ گلاب کی کٹیاں چھوڑ کر اس نے سفید پھولوں کے دو ہار لیے اور سامنے ڈیش بورڈ پر رکھ دیے۔ گاڑی میں مومتیا کے پھولوں کی مہک پھیل گئی۔ سعد چونکے اور ہر بار ہر دیکھنے لگے۔ اور ہر بار روز کا معمول ہو گیا۔ ہلکا ہلکا ہنستا کر کے سعد دوبارہ سو جاتے اور وہ گھر پہلو عورتوں کی طرح گھر بکین کے پھولے پھولے کام

نشانیاں اور سعد کو سوپے جاتی۔ ان کے گانے کا انتظار کرتی۔ اگر کبھی کام کادل نہیں جاتا تو ان کی سیر جیوں پر بیٹھ جاتی سعد نے اپنے گرو بہت مضبوط فضیلیں کھڑی کر لی تھیں۔ دیر سے سے گول ستون سے نکل کر کوچہ جاتی۔

”فرار نکال جا نہ جائے۔ نہیں۔۔۔ اللہ نہ کرے۔“ اندر شور مچا تھا۔ اسکا زبان سے آکھیں تھیں اور اندر کے شور سے بچنے کے لیے وہ بچن میں خود کو مصروف رکھتی۔ نت بی ڈنسر۔۔۔ بڑائی کرتی اور ڈانٹنگ فیمل پر کھتی۔ بچے اور سعد کھانے پینے کے شوقین تھے۔ اس کی محنت و سول ہو جاتی۔

☆☆☆

ایک ہفتے بعد پھر ای کامون آگیا۔ ”کیا تیری کی ہے تم نے۔۔۔؟“

”ہی۔۔۔! وہ حیران ہی تو رہی تھی۔“

”اور کیا۔۔۔ سعد سے بات کی ہے یا خدمت گزار کی پر ہی اتنا کر رکھا ہے۔“ ان کا لہجہ قلعی تھا۔

”امی پاپا! انزلہ نے گڑ بڑا کر اندر دیکھا۔

”خود بات کروں گی اگر۔“

”پاپا! اکیا ہو گیا ہے آپ کو۔۔۔ ابھی تو وہ

ٹانگ اوپر سے نیچے تک چلی ہوئی تھی اودن کے ساتھ لک کر..... کلائی کے آبلے..... دل جلا رہے تھے۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی اپنی بے بسی اور اپنے دکھ سے لگن لکر۔

☆☆☆

نہ روا کی نہ مرم لگایا۔ صبح وہ اپنے ساتھ سنگ دلی کرتی روم سے نکل آئی۔ آپا ادھر ہی تھیں۔ خالہ صغریٰ اور زارا آئی جا چکی تھیں۔ مون اور ایمان کو ناشتا کرایا۔ سب کے لیے ناشتا بنایا اور کمر کے معطلات میں لگ گئی۔ زخم گراہ نہ کر اس کے ساتھ تھے سبھی ان کی نگاہیں۔

”تم نے بتایا ہی نہیں کہ مون کے چوٹ گی ہے۔ وہ تو صغریٰ کا خون آٹا تو پتا چلا۔“ حمیدہ زبیر لگائی سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھیں۔

”ای..... اتنے خوش خیال ہی نہ آیا۔“
”کدھر ہے بچہ؟“ مسدک جان ب دیکھا۔
”مون سو رہا ہے۔“ مسدک اخبار لے ادھر ہی آ گئے۔

”آپ ٹھیک ہیں نا۔“

”اس میں ٹھیک ہوئی۔ تم اپنی ناناؤں سے تمہاری خالہ کیا کہنی بھری رہی ہیں۔ کیا دکھایا ہے انزلہ نے سوتلا ہیں۔ تمہارے بغیر بچوں کو پال رہی ہے۔ محبت، خیال، دھیان، پڑھائی توجہ سے..... ان کے پیچھے اپنی جوانی اپنا حسن اپنے ارمان مار رہی ہے اور تمہاری بہنوں نے لمبی میں اسے سوتلی بنا دیا۔“

”ای..... چلیز۔“ انزلہ گھبرا کر ان کی جانب بڑھی۔ ”ایسا کچھ نہیں ہے۔“ مسدک دونوں کو دیکھنے لگے۔
”ہے،“ کیوں نہیں ہے۔“ آپا زور سے بولیں۔ ”پوچھیں اس نے نہیں ذرا یاد دھکیلا۔ بچہ مار کے ڈرے ہم کیا تھا۔“

”آپا ایسا نہیں ہے۔“ مڑ کر بتی سے انداز میں

نے ہاتھ جھٹک دیا۔
”چھوڑ دو بی بی، یہ سب تمہاری ہی وجہ سے تو ہوا ہے نہ تم بچے کو بھڑکتی دراشتیں نہ وہ میں چلاوا بناتا۔“ آپا نے اسے ہٹا دیا۔
”آپا میں نے کیا..... کیا ہے؟“ وہ جکا جکا ہوئی۔

”تم ہی تو کہہ رہی تھیں کہ میں باپ سے پتوٹی ہوں۔“
”ایسی بات نہیں ہے آپا، میں مون کے لیے سر پر انزیک بناری تھی وہاں سے ہٹ نہیں سکتی تھی اور یہ مجھے تک کر ہاتھ کا اوپر چلیں..... چنگ اڑانا سیکھیں۔“

”بس بی بی، ہم نے جو دیکھا ہے وہ کہیں گے، سوتلی ماں سوتلی ہی ہوتی ہے، اپنے بچے کی آس ہو گی تو ان بن ماں کے بچوں کو بھڑکا کرے گا۔“ آپا کا لہجہ ملول ہو گیا۔ انزلہ کا منہ کھلا رہ گیا۔ بات کو کیا رنگ دے رہی تھیں وہ مدح پتے تھے۔ مون ان کے ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا۔ شدید بے بسی کا احساس ہوا۔ اب وہ سوتلی ہوئی۔ جھگڑے سے مڑی اور باہر نکل آئی۔ زمین پچھلے دوروں سے کشا جانے۔ سعد نے کیا سوچا۔ کچھ نہیں بولے۔ یقین کر لیا اب وہوں نے بہن کی باتوں کا..... اس کا سخت، اس کا خیال اس کے آنسوئیں ختم رہے تھے۔ رات نہ چاہتے ہوئے بھی ساری فتنے داریاں بھا کر کمرے میں آئی۔ دروازہ بند کیا اور اس دروازے کے ساتھ پھٹتی چلی گئی۔ آنسو تھے کر ٹوٹ ٹوٹ کر برس رہے تھے۔ وہ تو بچی کا ماں ساں رتبہ چاہ رہی تھی اور..... اسے سوتلی ماں کا درجہ دے دیا گیا۔ اس کا قصور..... اس کا بھروسہ..... خیر خواہ کوئی نہیں..... سزا رکھاں..... کا احساس اس کا دل چیر رہا تھا۔ پاؤں کے دھڑ بگڑا پڑی، پٹری کی دھڑ میں ٹپٹپٹ تھی۔ شلوار کا پانچا اٹھایا اور ساکت رہ گئی۔ پوری

ہے ہوش ہاتھ اسٹنڈن کو دیش اٹھا کر اندر لے گئے۔ آپا اور زارا آئی نے اس کی جانب دیکھا ہی نہیں۔ وہ کمر دودھ لے کر اندر گئی۔
”اوجھ..... دھکولے۔“ آپا نے سر جھٹکا۔
مون منجھ منجھ سے دودھ پی کر لیٹ گیا۔ اسی لیے منع کر رہی تھی چنگی مت اڑاؤ۔“ اس کی زرد رنگت دیکھ کر آنسو بھرا آنسو لگیں۔

”چلو جاؤ..... سب خالی کرو کر..... بچے کو سکون کی ضرورت ہے۔“ آپا نے کہا شروع کر دیا۔ مسدک اور ایمان پہلے ہی ہاتھ پرے۔ وہ بھی باہر آ گئی۔
”مکتی چوٹ کی ہوئی نا؟“ آپا کا رویہ ناقابل فہم ہو رہا تھا۔ ”ایسا کیا کر دیا تھا بھلا.....“ بچن میں آ کر دوبارہ سے چوٹے کھولے۔ اپنی چلن اور تکلیف کا احساس ہی نہیں ہو رہا تھا۔ جی تو تھوڑی دیر بعد مون کو دیکھ آتی وہ صو رہا تھا۔ سب لاؤنج میں تھے۔ اس بار وہ لاؤنج میں چائے دینے آئی تو باہر ہی ٹھک گئی۔

”خردار..... جو کوئی دوسرا بچہ کیا..... دیکھو تو ابھی سے سوتلی بن گئی ہے، کہہ رہی تھی باپ سے پٹوؤں کی بہت تک کر رکھا ہے تم لوگوں نے، پتہ چھا سم گیا۔“ آپا کی آواز دھیمی تھی۔ انزلہ ساکت رہ گئی۔ سعد چپ تھے۔

”یہ دو بچے ملی جائیں، بہت ہیں، جانے تمہارے بعد کیا حال کرتی ہو گی۔“ آپا کا بس نہیں چل رہا تھا۔ وہ دیوار سے لگتی تھی۔ ”یہ میرے خلاف ہیں ہو رہا ہے۔“ اس نے تو بچی نہیں پیار بھی نہیں مارا۔ اور آپا..... اس کا گلہ رندہ لگا۔ بچن میں پلٹ آئی اور چائے زری کے ہاتھ اندر بھجوا دی۔ ناقابل یقین بات تھی۔ اس کے وجود میں خاموشی کے درخت کھٹے چلے گئے۔

”سعد نے یقین کر لیا، وہ کیا سوچتے ہوں گے؟“ اور جب رات کو مون کو کھانا کھلائے تھے تو پتا

ہوئی۔
”بھائی۔“ ایمان کا دل دہلا دینے والا لہجہ۔
”ایسا خیر۔“ اپنی تکلیف، اپنی چلن بھول کر وہ باہر ہٹا گیا۔ مون اوپر سے کرتا ہوا آ رہا تھا۔ جانے کیسے بیڑیوں پر پاؤں پھسل گیا تھا۔
”بھائی..... بھائی..... مون.....“ مسدک اور ایمان بھاگتے ہوئے آ رہے تھے۔

”مون..... مون..... میرے بچے۔“ انزلہ بھاگی۔
”ڈرامے باز۔“ آپا پیچھے تھیں۔ جھپٹ کر مون کو اٹھایا۔ وہ بے ہوش تھا۔ سر سے خون نکل رہا تھا۔ گھٹنا چھل گیا تھا۔
”کیسے گرایا؟“ وہ مسدک کو دیکھ کر چلائی۔

”چنگ اڑاتے ہوئے پاؤں پھسل گیا۔“
جھپٹ کر مون کو اس کی گود سے لیا۔ ایمان نے گاڑی کے دروازے کھولے۔ اتنی دیر میں انزلہ بھاگ کر اندر سے چابی لے آئی۔ سعد نے گاڑی اسٹارٹ کی۔ آپا آرام سے اسے ہٹا کر آگے بیٹھ گئیں۔ زارا آپا اور مون پیچھے۔ گاڑی باہر نکل گئی اور قیام و وق صحرائیں انزلہ حواس باختہ کھڑی رہ گئی۔ آپا کا انداز..... ان کا لہجہ..... ان کا رویہ.....

”کیوں..... اپنی تکلیف..... اپنا دکھ..... اپنی چلن بھول گئی۔
”مجھے کسی نے گاڑی میں نہیں بٹھایا۔ مون کیسے گر گیا۔“ اس کا دل بند ہونے کو تھا۔ اپنے جلتے ہوئے دھڑ باندھ رہے۔ سارے چہرے بند کر کے باہر آ گئی۔
”یا اللہ مون ٹھیک ہو۔“

مسدک سے مون باہر برگ کیا۔ بیل کی آواز قریب سے ابھری۔ بیل فون ساٹنے ساٹنے بیل پر پڑا تھا تو وہ آ گیا۔ بہت دیر بعد وہ لوگ آ گئے۔ مون کے سر پر پٹی بندھی تھی کٹنے پر بھی بیڑی نہ تھی۔ وہ صرف خوف سے

ہے جان ہی نظر ہی آیا پر انہیں جو سونے ہوئے سون کے بال ستوار رہی تھیں۔ ایک ہاتھ میں ایمان کا ہاتھ تھا۔ وہ ہار چانا ہوا رہی تھی۔ گل رہی تھی۔

”پاپا..... پاپا.....“ ماما کو دیکھنا تھا۔ اور پاپا دم سادے رنگوں کے پر دم میں اتر رہے تھے۔

”عشق..... عاشقی..... محبت.....“ مرنے والی راج کر رہی ہے..... تجھے خاک کے سوائے کیا ملے گا۔“ تل کی آواز دی اور پھر بگتی۔ لیکن میں کام والی زری پہلے گیت کی جانب بھاگی پھر اندر بھاگی آئی۔ ”صاحب..... کوئی سنی صاحب آئے ہیں۔“

”سنی؟“ آپا چوکی۔
”جی! صاحب۔“
”انہیں اندر لاؤ۔“ حواس واپس آنے لگے۔

”اک نظر آپا اور بچوں پر ڈالی۔ آپا کا دیتے ایک دم سے ایسا کیوں ہوا؟ اور آئی..... باہر کی جانب قدم بڑھا دیے۔

☆☆☆

شام گزر گئی۔ رات آگئی۔ وہ سناٹ کا رپٹ پر بیڑے سے ٹپک لگنے لگی تھی۔ سامنے کے زخموں پر ایسی مرنے لگا دیا تھا۔ اندر کے زخم رسنے لگے تھے۔

یہ اس کے ساتھ تھا کہ ہو گیا تھا۔ اس کا حضور..... آپا کو کیا ہوا تھا..... اور سحر نے بھی نہیں روکا..... مومن تو سو رہا تھا ایمان کے بے بھی راستہ نہیں روکا۔ ”اے..... اللہ؟“ آنسو سوچ سوچ کر کل رہے تھے۔ آنکھیں سوچ ہی تھیں..... کھانا جوں کا توں رکھا تھا ای سوئے چلی گئی تھیں۔

”ساری رات سوچ لے میں دیکھ کر کے طلاق دلاؤں گی تجھے۔ وہ بے روزگیت لوگ بے لوث جہڑوں کو کیا جائیں۔ انہیں سوتلی ماں ہی چاہیے۔ سب دروازے کھڑکیاں کھلے ہیں بھانگنا مت۔ رات کی تاریکی میں ان لوگوں کے لیے بھس گئی تو

اس مرد کی عاشقی میں دل رہی ہے بیگا رادار کر رہی ہے، کیا حاصل جو تیرا ہے ہی نہیں۔“ حیدرہ انزل کو گیت تک لے آئیں۔ پیچھے کوئی نہیں آیا۔ ایمان..... مومن..... سحر نہ آیا۔ سحر سناٹ کھڑے تھے۔

”ای..... نہیں.....“ جھٹکے سے مڑی۔ ”بچہ مر جائیں گے میرے بچہ۔“

”لے..... دیکھ لے۔“ حیدرہ بیگم نے جھٹکے سے ہاتھ چھڑوا دیا۔ وہ پیچھے جا کر بی۔ دو باہر میں دل لگھا۔ بال کل کر شالوں پر پھرنے۔ انزلہ پاگوں کی طرح پیچھے چلی۔

”بچہ بھی نہیں آئے تیرے پیچھے..... جن کے لیے اسنے دن رات کالے کر رہی ہے۔“ دو رنگ سناٹا تھا۔ امی ٹھیک کہہ رہی تھیں۔ ”بچہ کوئی نہیں آئے تھے۔“ جی وائسڈن ان آکر گیت پر رہی۔

”چل اٹھ اب.....“ گاڑی سے اترنے والے نے انزل کو کرا ہوا بھی دیکھا اور حیدرہ بیگم کو چلاتے ہوئے بھی..... اور حیران بھی ہوا..... اور وہ اٹھ گئی۔ دل چھٹ رہا تھا۔

”ای..... ایک دفعہ بچوں سے مل لوں۔“

”انزل.....“ حیدرہ بیگم رو دیں۔ ”مت کر

ایسا..... مت کر اپنے ساتھ ایسا..... محبت نہیں ہوئی، مت روں ان کی خاطر اپنی جوانی.....

”ای.....“ وہ چل رہی تھی..... لیفان گاڑی آگے لے آیا حیدرہ بیگم نے ہاتھ پکڑ کر اسے گاڑی میں دھکیلا اور خود بھی بیٹھ گئیں۔ گاڑی آگے بڑھ گئی۔

نفا میں غیر معمولی سناٹا چھایا گیا۔ گیسٹ پر چوکیدار جو موڈ نہیں تھا۔ آنے والے نے تیل پر ہاتھ رکھا اور اٹھنا بھول گیا۔ یہ منظر دیکھ کر وہ..... اپ سیٹ مائنڈ ہو رہا تھا۔ سناٹ کھڑے سحر نہ وہ قاص کو کھلی کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ”یہ کیا ہو گیا.....“ کیکر ہوا..... آنی کیا کہہ رہی تھیں..... اور آپا.....

لٹا دے اپنا من، اپنا حق اپنا آپ مار دے..... کر سوتلی ماں سوتلی ہی رہتی ہے، چل اٹھ..... مل گیا متعجباً۔“

”..... سی.....؟“ بے بسی سے گریہ زاری سے دیکھا۔

”کیا جوئے کھا کر لٹکے؟“ حیدرہ بیگم کا غصہ کم نہیں ہو رہا تھا۔ ”اب جیسی عورتوں کی جڑ سے سوتلی ماں کا لٹھ اٹھ نہیں رہا دینا سے۔“ جھٹکے لگا ہوں

نہ آپا کو دیکھا۔

”سچ..... تو کروا دھوتا ہے اور ہم بے ہیں۔“ آپا نے برابر کا جواب دیا۔

”پلیز..... پلیز!.....“ سحر اٹھی۔ ”سنی تو.....“

”تم تو میاں چپ رہو.....“ جا کر کمرے میں بیٹھوا دیے جان تصویر سے دل بھلا ڈاڈا اور اپنے بچوں کے لیے دوسری تو کرا رہی تھی خرید لیتا جو بے لوث، بے غرض اور ہمدرد ہو.....

”چل اٹھ۔“ انزل کا زخم خوردہ ہاتھ پکڑا۔ اس کی چیخ نکلی۔

”یہ ہاتھ کیسے جلا..... اور یہ پاؤں۔“ ماں کو ان دیکھے بناتائے زخم نظر آگئے۔

”میں ان کھاؤ کے لیے تو بیٹھی تھی۔“ تا سرف سے دیکھا۔

”ای نہیں..... پلیز ابی نہیں..... مومن میرے

بھیر نہیں رہ سکا۔ ایمان ڈر جائے گی رات کو..... امی پلیز..... امی پلیز۔“ بے درد ہو کر حیدرہ بیگم اسے کھینچے ہوئے باہر لے جانے لگیں۔ انزل چل چل کر روئی۔

”ان کے سنے ہیں ان کے پاس انہیں تیری ضرورت نہیں ہے، دیکھ لے عاشقی کا نتیجہ..... مرد کی

محبت عورت کو کہاں گنتا ہے، عورت کی عاشقی اسے خوار کر دیتی ہے۔“ دیکھا ایک مرد کی محبت مرکز بھی اس کے سینے میں اس کے کمرے میں راج کر رہی ہے اور

انہیں دیکھا۔ اس کی متورم ٹھیکس، آنکھوں کے آنسو کوئی نہیں دیکھ رہا تھا۔ ماں کو سنا ہوا چہرہ نظر آ رہا تھا۔

”اگر کچھ بھی دیا تھا تو کیا ہوا اب نئی ہے۔ دن رات ایک کر کھاتا اس نے ان بچوں کے پیچھے ماں کا

ماں رکھا نہ کی اور کلا۔“ صلے میں کیا مل رہا ہے اسے؟“ حیدرہ آج دو ٹوک سوڈ نہیں تھیں۔

”ای..... پلیز! اندر چلیں۔“ انزل نے ان کا ہاتھ پکھنچا۔

”اور میں تم اسے کیا دے رہے ہوں اعتبار نہ

محبت۔ ارے..... کوئی غیر بھی اس طرح سے بچوں کا خیال رکھ لیتا ہے تو اسے سراہا جاتا ہے، محبت دی جاتی ہے اور تم.....“ سحر گڑ بڑ گئے۔ انہیں احساس ہونے لگا

ان کی خاصٹی معاملے کو طول دے رہی ہے۔

”ارے لے جائیں اتنا ماں ہے تو ہمیں نہیں چاہیے۔“

”ہا..... ہا۔“ انزل آپا کے ان لفظوں پر ڈھے

گئی۔

”بہت مل جائیں گے خدمت گار۔“ نخوت

بھرے اعزاز سے سر جھکا۔ ماحول میں ایک لمحے کے لیے سناٹا چھایا گیا۔

”لے جاتی ہوں بھاری نہیں ہے میری بیٹی جھجھ

پر..... اور نہ ہی لاواراد ہے۔“ امی پر حقیق کا بھوت

چڑھا تھا، بچوں کی محبت میں مر رہی تھی۔ بائے بن

ماں کے سینے ہیں۔“ حیدرہ تو جلال میں آنکھیں دیوے

ہی وہ انزل کی خدمت گزاری اور سحر کی خاصٹی سے جلی بیٹھی تھیں۔ بچوں کے پیچھے ان کی بیٹی دل رہی

تھی حاصل نہ وصول۔ سحر نے چونک کر ساس کے لفظوں پر غور کیا۔ وہ اب انزل کو جھٹکے سے اٹھا رہی

تھیں۔

”جن بچوں کی ماںیں مرجاتی ہیں وہ بن ماں کے کی رہتے ہیں۔“ لاکھ کوئی دوسری گوت ان پر جان

آگے دروازے بند ملیں گے۔ لوٹ کر آؤ گی تو میں دروازہ نہیں کھولوں گی۔“ ای کی دو دو کو انداز تھا۔ اس کی زندگی کے فیصلے کی ڈور کا سہرا اب انہوں نے تمام لیا تھا۔ ایک ہی ان کی بیٹی اس سے بھی مندر کے دو بچوں کے باپ سے شادی کر لی۔ وہ شروع سے اس رشتے کے خلاف تھیں مگر از لہذا عقیق، ضد، محبت۔۔۔ وہ بھی ننھے ننھے معصوم بچوں کی وجہ سے مان گئیں۔ وادی دبی میں ہر گھر میں سیال نہیں تھیں بچوں کو۔ لیکن اس قدر نادری۔ چہرہ ہیکم کے دودھ میں بھانیز سے جل رہے تھے۔ طلاق۔۔۔ علیحدگی۔۔۔ احساس ہی مولان روح تھا۔ اس کا ذہن خالی ہو رہا تھا۔ صبح جیدہ ہیکم نماز پڑھ کر اس کے کمرے میں آئیں تو آنسو بہہ نکلے۔ بدیم ہی بغیر بغیر چادر کے کارپٹ پر سڑکی کٹی پڑی ہوئی تھی۔ ستا ہوا بیچکا چہرہ۔ دمیر سے اس پر چونک ماری اور کبل ڈال کر باہر نکل آئیں۔

”میں تیری ماں ہوں انزل تو میری ایک ہی پیاری بیٹی ہے، کہاں جی تک بیٹھی۔ خاندان والے پہلے ہی کہتے ہیں وہ بچوں کے باپ سے بیٹی کو بیاہ دیا۔ میری جان اس کی بیٹی کی زندگی نہ کریں نا۔۔۔ نہ سعد۔۔۔ بولا نہ بیچ بھاگے آئے۔“ میں انکھوں سے بچ سوہو کھولا لفظ دھلنے لگے۔ آنسو گر رہے۔

”اے اللہ میری بیٹی کو مبر دے، اس کے حق میں جو بہتر ہے وہ کرو۔“ انہوں نے بیچ سوہو پر چیشانی رکھ کر دعا کے لیے ہاتھ پھیلا دیے۔

☆☆☆

سیٹنی۔ دم بخود تھا۔ اس کے سامنے سعد سر جھکا کر بیٹھے تھے۔ وہ تو خوش خوش لے آیا تھا۔ اگلے بچے ہی لوگ قادم پاؤں جا رہے تھے۔ انہیں دعوت دینے آیا تھا سب کراہیک بغیر ڈاریں گے۔۔۔ اور یہاں۔۔۔ تاسف سے سعد روک گیا۔

”ایسا کیا سوچا پلن دکھا دیا تھا انہوں نے؟“ طرے سے سعد کو دیکھا۔ ”مون کو مارا تھا۔ کمرے میں بند کیا تھا۔“ جھوکا رکھا تھا خوف زدہ کیا ہوا تھا اور مون کو گرا بھی تیرے سامنے ہی تھا۔۔۔ اور تم نے انہیں روکا بھی نہیں۔ نکال دیا۔“

”میں نے نہیں نکالا۔ سیٹنی۔“ سعد نے سر اٹھایا۔

”تم نے ہی نکالا ہے۔ یہ تمہارا گھر ہے تمہارا حکم چلے گا۔ آپا تمہاری بہن ہیں۔ آپا کے فیصلے پر تمہاری خاموشی نے مہر لگ کر تمہارا فیصلہ بنا دیا۔“ سعد گڑبڑا گئے۔

”میں نے پہلی بار انزل پر بھائی کو دیکھا ہے۔ کتنی کم عمر، معصوم اور ذہنی دار تھیں۔ انہیں والدہ بھینچ کر لے جا رہی تھیں اور وہ بچوں کے واسطے دے کر رکنا چاہ رہی تھیں اپنی ذلت کے باوجود۔“ سیٹنی انہیں شرمندہ کر رہا تھا۔

”میں خود نہیں جانتا یہ سب کیسے ہوا بالکل اچانک ہوا۔“

”کوئی کلمے میں گم ہوئے مجھے نہیں تھے سعد، جہیں روک کر سارا مسئلہ سنا چاہے تھا۔ آپا کی غلطی دور کرنا چاہیے تھی۔ ایک معصوم عورت چار سال سے تمہارے بچوں کو سونپنا رہی ہے، پال رہی ہے زمانے کے سرد و گرم سے بچا کر رکھ رہی ہے، اپنا آپ لٹا رہی ہے اس کا یہ صلہ۔۔۔ اور تم نے اسے کیا دیا ہے گائی، بدلتائی۔ زندہ بیوی کی موجودگی میں مری ہوئی ہیکم کی محبت میں جھٹلا۔۔۔ وہ میرے دیکھ رہی ہے اور منہ سے کچھ نہیں کہہ رہی پھر بھی اسی گھر پر ان بچوں پر اپنی محبت لٹا رہی ہے۔ کس قدر خود غرض انسان ہو تم، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔“ سیٹنی انہیں آدھیر دکھا رہا تھا جو انہیں نظر ہی نہیں آئی۔ ”بچوں کو بھی تو نے ان کے پیچھے نہیں جانے دیا۔“

”سیٹنی! آخر کی رک ہی نہیں رہی تھیں۔“ بے بسی سے سراٹھایا۔

”انہوں نے ٹھیک کیا۔۔۔ وہ ماں تھیں اور بائیں بیٹیوں کی آسوی کے لیے فیصلے کیا کرتی ہیں۔ جس فیصلے میں عزت نہیں محبت نہیں کیا قادم ایسے فیصلوں کا جو زندگی پر بارین جا آ رہا ہے کیوں اتنا سخت قدم اٹھایا۔“ سیٹنی حقیقت میں دیکھ سفاکی بنا ہوا تھا۔

”ظاہر ہے اسی کی وجہ سے یہ سب ہوا ہے سیٹنی“ زندہ بچے کو بھڑکی زندہ ہم جاتا۔ آپا اندر آئیں۔ ”کیا ماؤں کا بچوں پر کوئی نہیں ہوتا آپا۔۔۔“ وہ اتنی کم عمر، معصوم ہیں خود بچی کی لپٹیں سمجھے۔

”کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے ان کی پچھلے او سال کی خدمت کو مت بھولے گا آپا۔“ میں توان کے جذبے سے بہت متاثر ہوا ہوں۔“ سعد سخت شرمندہ ہو رہے تھے۔ جیسی مون اندر آ گیا۔

”آپا!۔۔۔ ماں کا گھر ہیں؟“ مون سعد کے پہلو میں آ بیٹھا۔

”چل گئی ہے وہ۔۔۔ اڑھ آؤ۔۔۔ کیا چاہتے تھیں۔۔۔“ آپا نے اسے ساتھ لگا لیا۔

”کہاں گئی ہیں وہ؟ مجھے بھوک لگی ہے۔۔۔ مجھے ان کے ہاتھ کے ٹوڈ ڈر کھانے ہیں۔“ وہ ٹھکا۔

”ابھی آ جاتی ہیں۔“ سعد نے مون کے شانے پر ہاتھ پٹھایا۔

”انہیں بچ بتاؤ۔“ سیٹنی کا لہجہ سخت ہوا۔

”سیٹنی! سعد نے کھرا کھا۔ جیسی ایمان اندر آئی۔ رو یا ہوا چہرہ تھا۔

”کیا ہوا بیٹا! سعد نے ہاتھ پھیلا دیا۔

”آپا!۔۔۔ وہ رو دی۔“ مجھے بھوک لگ رہی ہے، میں نے ماؤں کو نہیں کیا۔۔۔ جلدی آئیے۔۔۔ مجھے سیڑ کو کھانا ہے۔“ اس کا بوجھ گرا گیا۔ ”مائی ای نے

ڈانٹ دیا۔۔۔“ آنسو رخسار پر بہہ نکلے۔ ”یہاں کوئی ماں نہیں رہتی سرگمی ہے تمہاری ماں اب مون مت کرنا۔“ آکھیں مکھی، روئی پاپا کے شانے سے لگ گئی۔ جب آپا نے آئے تھے ایک بار ان بچوں کی انکھوں میں آنسو نہیں دیکھتے تھے۔ پیار محبت، اپنا پن، انکھوں میں غماز، ہوم درک کرواتے ہوئے بھی نہیں ڈانٹا خود کہتے اور سننے تھے۔ بچوں کا رانگ اقی پیاری تھی۔ ”مانا نے کرواتے ہیں۔“ ایمان نے استغفار پر محبت سے بتایا تھا۔ آپا کو اس سے کیا شکایت ہے؟ ایمان کو چھٹکتے ہوئے آنسو دیکھا جو مون کو سن رہی تھیں۔

”میں ڈوڈر بنا کر لاتی ہوں۔“ آپا کہہ کر سے سے نکل گئیں۔

”مجھے نہیں کھانا۔“ مون باہر نکل گیا۔

”مجھے ماں چاہیے۔۔۔ پاپا۔“ ایمان بکلی۔

”سعد۔۔۔“ سیٹنی نے ان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھا۔

”آپا سے ان کا فیصلہ پوچھو وہ کیا چاہتی ہیں اور مکھی انکھوں سے جائزہ لو۔۔۔ کیا کہنا ہوا ہے۔“ حق کی کھنکھور اور سناؤ گئے تو خدا کی بکڑ میں آجباؤ گئے۔ کیوں وہ زندگی کا سکون خراب کر رہی ہیں۔“ سعد اسے دیکھنے کے لیے نکل بھرا آؤں گا۔“ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

”ایک بات یاد رکھ ضرور کروں کہ زندگی کا حق نہیں دیا کرے۔“ سعد اسے دیکھتے رہ گئے اور وہ باہر نکل گیا۔

آپا نے کھانا لگا دیا۔ بچوں نے نہیں کھانا کئے کے حلق سے بھی نوالے نہیں اترے۔۔۔ نیکل سے اٹھ گئے۔ رات نو بجے، مہر و ماں کو لینے آ گیا گھر میں مہمان آئے تھے سر گرد ہوا ہے۔

”میں حج آؤں گی، انا تھا کہ آپا چلی گئیں۔ گھر میں سنا تھا گیا۔ زری چوکیدار کی بیٹی تھی۔ اپنے

”تم سے کیا پوچھیں۔ ہمیں نظر نہیں آ رہا کہ وہ تمہیں پسند نہیں ہے، اس کے ساتھ تم کہیں آتے جاتے نہیں ہو، ساتھ نہیں بیٹھے، تم لوگوں کے بیڑوں میں آگے ہیں تو کیا فائدہ ایسے ساتھ کا۔“ سعد ایک تک دیکھتے رہ گئے۔ کتابک کھڑی نہیں ہو کر وہ.....
”اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ اسے یوں دھکا کر گھر سے نکال دیا جائے۔“ تیزی سے اندر آتا ہوا دروازے میں رگ گیا۔
”اے..... کو نکال دیا۔“

1 ”آپ کو معلوم ہے مون اور ایمان کتنے چھوٹے تھے جب صبا کا انتقال ہوا۔ جب انزلہ ان کی زندگی میں آئی بھی وہ چھوٹے تھے۔ انزلہ کی آغوش میں انہیں ماں کا احساس ہوا۔ میں آثار باہوں“ خبر گیری کرتا ہوں میں نے بھی شکایت محسوس نہیں کی۔ میرے بچے محفوظ اور خوش ہیں مجھے اطمینان ہے۔“ اور فرخ جس کے شوہر کے انتقال کو دو سال ہوئے ہیں جس کی وجہ سے آپ دوسروں کے پودوں کی جڑیں کاٹ رہی ہیں..... تقی شرم کی بات ہے آپ۔“ آپ آپ کر پڑے کیسے کہیں۔

”مون اور ایمان..... انزلہ کو اپنی ماں سمجھتے ہیں“ انہیں صبا کا احساس نہیں ہے۔ فرخ کو خالد کا درجہ دیتے ہیں۔ خالد کو ماں سمجھتے ہیں جبکہ ان کی ماں ان کے سامنے ہے۔“ سعد کا انداز باز پرس والا تھا۔
”سعد..... فرخ بچوں کے لیے روتی ہے۔“

آپ نے بیسی سے سراہا کیا۔
”بچے بے یار و مددگار نہیں ہیں آپ۔ آپ نے سوچے سمجھے بغیر انکا بڑا قدم اٹھالیا۔ صبا کی موت نے بچوں کو انزلہ کی شکل میں ماں دی ہے۔ انزلہ کا یہاں سے جانا ان بچوں کو مار دے گا۔ میں جیتے جی آپ کی اور فرخ کی خواہش کے لیے ان بچوں کو مار دوں۔“ بچے، فرخ کو ماں کی شکل میں بھی قبول نہیں کریں گے

”تمہارا گھر سے فیصلہ تمہیں کرنا ہے آپ کو نہیں۔“ دھیرے سے انہیں منوں میں۔
☆☆☆
صبح گھر میں غیر معمولی سناٹا تھا۔ نہ ان کے رہانے پھول تھے نہ بچوں کی ساؤنڈ بیل رگلا ہوا۔ اننگ بیل رگلا ہوا تھا۔ اننگ بیل رگلا ہوا تھا۔ بچوں نے ایک ایک سلاں لیا۔ بچے ان سے غنا ہو گئے تھے اور بچوں کی کانٹن سے برداشت نہیں ہو سکتی تھی۔ آپ انہیں.....

”آپ..... آپ نے ایسا کیوں کیا۔؟“
”ارے لڑکائی بہت ہیں دفع کر دو۔ میں تمہاری دوسری شادی کرواؤں گی۔“ بے پروائی سے کہتے ہوئے وہ بیٹھ گیا۔
”ہیں.....“ سعد تو بوجھ کر ہل گئے۔
”خالد کو بڑا ناز ہے۔ بی بی پر اب رکھیں اسے،“ طلاق ہی صحت و دینا اور فرخ سے نکاح کی تیاری کر لو۔“
”ہی.....“ سعد کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ دوسرا ڈروں حملہ.....

”مجھے سعد کی خواہش کتنی ہے روتی ہے بچوں کے لیے، کہہ رہی تھی آپ..... صبا کے بچوں پر میرا حق ہے میں پاؤں کی انہیں ماں بن کر۔“ سعد منہ دھوئے۔
”اب کے جانے سے پہلے نکاح کر لیتا، بچے بھی خوش رہیں گے۔“ آپ کا سارا پر دمگرا، ساری پانچ بجھ میں آ رہی تھی فرخ..... صبا کی چھوٹی بہن تھی۔ دوسرا پہلے اس کے شوہر کا انکرش میں انتقال ہو گیا تھا تو آپ اس سے ان کا نکاح کرنا چاہتی ہیں۔
”اس میں انزلہ کا کیا تصور..... اس کی شیاں دروازہ عزت اور محبت کا یہ انجام..... نہیں، یہ زیادتی ہے۔“ فلم ہے یہ..... جگر جھری۔
”آپ نے مجھ سے پوچھا بھی ضروری نہیں سمجھا؟“ پڑھو نگاہ ڈال کر دیکھا۔

کمرے میں بٹھا تھی۔
”دیکھو ایک مردہ عورت نے ابھی تک زندہ مرد کو اپنا دیوانہ بنا رکھا ہے کیا ملا ہے بچے جو روگ پال رہی ہے عبت کا..... آگ لگے ایسی عاشقی کو..... عشق..... محبت.....“
”انزلہ ان سے محبت کرتی ہے۔“ ایک نما انکشاف۔
”کوئی ایسی ہی بچوں کو نہیں پالتا۔“ سینی کھڑا تھا اس کی آنکھیں، اس کی سرکراہٹ، ان کی پسند کے کھانے اور دروازہ بچوں کو چھو کر داپھی پر سوتا کے پھول خریدنا، انہیں لکھ دیتا..... اور وہ تو ایک بار اس کے قریب نہیں بیٹھے بستر پر گر کر دونوں ہاتھ سر کے نیچے کر کے، اس کا ہاتھ نہیں پکڑا۔ اس کے وجود کو محسوس ہی نہیں کیا۔ کتنی دفعہ اسے آتش دان کے قریب تھ بیٹھے دیکھا۔ کتنی بار بچوں کو سلا کر لاؤنج میں بیٹھی نظر آئی اور وہ نظر چرا کر گزر گئے۔ ان نرم گرمی کر دیوں میں وہ بنا کر دم چادر کے نظر آتی۔

”مون تو بی بی مہنہ لوتی۔“
”ایمان سویرت آباد..... خبردار جو خضار پانی پیا..... تو ڈرگس مون..... کھائی آئے گی۔“ اور وہ خوف..... انہیں زیادتی کا احساس ہونے لگا۔
”بے کیا ہو گیا۔“ بے جین ہو کر کمرے سے نکلے۔
”آپانے یہ سب کیوں کیا بالکل اچانک.....“
بچوں کے کمرے میں آگئے۔ بھوکے بچے سو رہے تھے۔ انہوں نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ ان کے قریب ہی لیٹ گئے۔ ایمان نے ان کا ہاتھ تمام لیا۔
”پاپا..... ماں اب آئیں گی؟“ ایمان رو رہی تھی۔ انہوں نے اپنے ساتھ لگایا۔
”میں لمبے چلے گئے انہیں۔“ ان کی ماما..... ان کے بچوں کی خوشی میں اس پر اعتبار تھا۔ وہ یہ خوشی نہیں سمجھتیں گے دھیرے سے تھپکا۔

کوارٹر میں چلی گئی۔ بچے بھوکے سو گئے تھے۔ سعد لاؤنج میں بیٹھ رہ گئے۔ ٹیبل تک یہ لاؤنج آیا تھا۔ ٹیبل مذاق..... انزلہ کی بچوں کے ساتھ چپتر چھاڑ..... روٹی کا سا سال رہتا تھا اور اب..... ٹیبل وین چپ تھا اور دیوار سارے..... بے کیا ہو گیا۔
”سعد تمہارا گھر سے تم اسٹینڈ لو..... آپا سے پوچھو۔“ دھیرے دھیرے کمر میں ادھر ادھر کھونٹے لگے۔ ہر جگہ سلیقہ نظر آ رہا تھا ہر گوشہ ہیکر رہا تھا ہر کونہ خوب صورت لگ رہا تھا۔ اس گھر کو جانے میں محبت کا ہاتھ غالب نظر آ رہا تھا محبت..... دھیرے سے تمام جگہ پر ہاتھ رکھا۔ گوشہ ڈال رکھا ہوا محسوس ہوا۔
”محبت زندوں سے ہوتی ہے مردوں سے نہیں۔“ سینی بھجھا رہا تھا۔

”وہ مری ہی عبت کو لیے بیٹھا ہے تیری عبت تیرا عشق اسے ستا نہیں کر سکتا۔ چل اٹھ..... گھر چل۔“
قریب ہی کہیں عبتہ تک پہنچا آواز کی گونج ابھری۔
”نہیں امی..... نہیں..... وہ میرے بچے ہیں۔“

”دفع ہوں..... تیرے بچے..... تو تنگی ماں کا بدل نہیں ہے۔ بن ماں کے بچے ہمیں ہی بن ماں کے کہلاتے ہیں بھلے سے کوئی لاٹھت من و عن دار کر راتوں کو سیاہ کرے۔“ رات کے سنانے میں ہر گونج واضح ہو کر ان سے نگرار رہی تھی۔
”آپانے ایسا کیوں کیا؟“ سعد لان میں نکل گئے۔ ہلکی ہلکی خضار کا احساس رگ و پے میں سرایت کر گیا۔ اس لان میں اسے ٹپکتے دیکھا تھا رات کے صبح دم۔ پھولوں کی آبیاری کرتے دیکھا تھا۔ نت سنے کھانے اس کا شوق تھے اور سعد تم نے تو محبت کے نام پر اسے کچھ بھی نہیں دیا تھا پھر بھی وہ اپنی زندگی گزار رہی تھی۔ اس پر سزا..... وجود کی بے لکڑ ہو گئی۔ اپنے کمرے میں آگئے۔ صبا خاموش تھی۔ اک اداسی

اور جو رشتہ قبول نہ کیا جائے دل سے وہ سوٹنا ہوتا ہے۔ اس گھر میں قدم قدم پر محبت ٹھہری ہے۔ بچے اس کے جانے کے غم میں بیٹھو گے ہیں ایمان سوئی نہیں ہے۔ اس گھر کے درود پڑا رسو کو اور داداں ہیں۔ آپ نے محبتیں نہیں کیا؟“ سعد پوچھ رہے تھے۔

”دل پر ہاتھ رکھ کر فیصلہ کریں یہ ٹھیک تھا۔“

”سعد! میں تمہارے اور بچوں کے لیے۔“

”آپ!“ سعد نے ہاتھ اٹھا کر دروک دیا۔

”میرے لیے نہیں میرے بچوں کے نظر ہے سے سوچیں آپ کا فیصلہ ان کی زندگی کے قدم اکھاڑ دے گا اور میں بھی میرے فیصلہ بچوں کے لیے کروں گا۔ یہ فیصلہ کسی کے حق میں بہتر نہیں ہے۔“ وہ دھیرے سے کھڑے ہو گئے۔

”زندگی کو ہر لمحے تازہ چھوڑ کر ضرورت ہوتی ہے ہاں پھول ہلا کر گلدان سے نکال دیے جاتے ہیں۔“ انہوں نے دل میں کہا اور ہاتھ پکڑ گئے۔ آپ ہاتھ پلٹی بیٹھی رہ گئیں۔ ان کی اور فرخ کی کوئی بات نہ کی۔

”سبا بائیں نہ ہو سکا۔ سعد کاٹھ کے الونہ تھے۔“

”مومن..... مومن.....“ سعد بیٹے کو پکار رہے تھے۔

”پاپا! مومن باہر گیا ہے اس کا دوست آیا تھا۔“

ایمان بتا رہی تھی۔

”بیٹا! تیار ہو جائیں! اما کے پاس چلے ہیں۔“

سعد کھڑے رہے تھے۔ ”میں..... مومن کو دیکھتا ہوں۔“

شرط کی رباط پر ان کے سامنے ہرے گر پڑے تھے۔

☆☆☆

”دیکھ لے، دو دن ہو گئے کوئی نہیں آیا اور تو ان کے حجر میں رہ رہی ہے۔“ حمیدہ بیگم نے جانے کا خالی گم اس کے ہاتھ سے لیا۔ مگنا علیہ بھرے بال کچھ میں اٹھتے تھے۔ ستا ہوا چہرہ، متورم آنکھیں۔ انزلہ خاموشی سے سر جھکا کر کٹائی کا رخ دیکھنے لگی۔

”میں ہاں ہوں بیٹا میری بات سمجھ۔“

”امی! سمجھ لی ہے حقیقت مجھ پر بھی آشکار ہو گئی ہے۔ میں نے آپ کا فیصلہ بھی اسی لیے یہاں بیٹھ گئی ہوں میں اب آپ اور مجھ سے کہے گا۔“ بے بسی سے بھری ہوئی آنکھوں سے ان کو دیکھا۔

”میں تیرا نکاح کرنا چاہتی ہوں۔“

”امی! بے ساختہ ہاتھ چھوڑ دیے۔“ اننا ظلمت کریں! اس زندگی کو ایسی ہی رانگال جانے دیں۔“

”ظالم! آج بھی تیرا انتظار کر رہا ہے۔“ وہ کچھ نہیں سن رہی تھی اور وہ بے بسی سے رو رہی۔

”امی! میں جانتا ہوں۔ نہ مجھے میرے شوہر نے چھوڑا ہے اور نہ میں بیوہ ہوں۔ مجھ پر یہ ظلم نہ کریں۔“

”زندگی تو..... تو یہ کی طرح سے گزار رہی ہے۔ شوہر کی محبت عورت کو مکمل کر دیتی ہے اس کا ساتھ اعتماد دیتا ہے۔ بچوں..... اور پرانے بچوں کے سہارے زندگی نہیں گزر سکتی انزلہ۔“ حمیدہ بیگم دھیرے دھیرے سمجھ رہی تھیں۔

”میری زندگی تجھے سمجھا دیا ہے۔ میری زندگی کا کیا اعتبار۔ فیضان شادی کر کے باہر چلا جائے گا اور تو..... تیرے ساتھ اس طرح کا سلوک ہوتا رہے گا۔ اس عشق کو ذاتی کے چکر میں سر جھکا کر تو سمجھ رہے گی سارے ظلم۔“ وہ ادھاف الفاظ میں بھاری تھیں۔

”سعد کو تو اتنے سالوں میں پرکھ نہیں چکی۔ کیا دیا ہے اس نے تجھے..... بیوی کا رعبہ جس کی تو خواہش مند ہے۔ محبت جو تیری پہلی خواہش ہے۔ بیٹا۔ بچے وہ تجھے دے گا نہیں۔ میں اس کے بچوں میں فرق نہ آجائے۔“ حمیدہ بیگم کبھی بھی لگی بغیر کبھی جاری نہیں۔ گھٹنوں پر ٹھوڑی لکائے وہ سختی رہی۔ جلتے ہوئے رخ میں دے رہے تھے۔

ای کی باتیں غلط نہیں تھیں۔ بگردہ دل کا کیا کرتی جو کسی اور کو چلنے پر مشام نہ دیتیں تھا۔ اس محبت

اور..... سیکر فحبت نے اسے بے حد رنجور رکھا تھا۔

”اچھی طرح سوچ لو..... میں نے ظالم کو انکار نہیں کرنا، وہ تمہیں آسٹریلیا لے جائے گا..... کچھ دنوں کو کوئی یاد کرتا ہے۔“ ان اٹھ گئیں۔ وہ بھل جمل روٹنے لگی۔ اپنے جذبات کی بے قدری پر..... اپنی بے بسی پر..... اپنے دکھ پر..... باہر تیل..... زور سے رخ رہی تھی۔ کوئی دروازہ نہیں کھول رہا تھا۔ پھر دروازہ دھڑ دھڑ بکنے لگا۔ امی جانے کہاں ہیں بیٹے۔ انزلہ کچھ صاف کرتی گیٹ کھولنے کے لیے کمرے سے نکلی۔

”ماما.....“ اس کے قدم رگ گئے۔

”ماما.....“ وہ مومن کی آواز تھی۔ سرعت سے بھاگی۔ میز کا ٹاؤنڈی کے رخ سے ٹکرایا..... میں نے رگ دپے کو ہلا دیا۔

”ماما..... ماما.....“ وہ مومن تھا۔ دروازہ دھڑ دھڑ رہا تھا۔

”مومن.....“ بے ساختہ بھاگ کر دروازہ کھولا۔ سامنے مومن کھڑا تھا۔ ”تم!“

”ماما..... ماما.....“ مومن اس سے لپٹ گیا۔

”مومن.....“ وہ پیچھے پھٹکی۔ ”کیسے آئے ہو بیٹا؟“ اسے پتہ لپا۔ ”پاپا کے ساتھ آئے ہو جالو؟ ایمان کہاں ہے؟“

”میں اب کیوں چھوڑ کر آئیں۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ میں نے کچھ نہیں کھایا۔ ایمان کو بھی ڈر لگتا ہے، ماما نہیں۔“ میں آپ کو لینے آیا ہوں..... مجھے سختی چوٹ لگی ہے۔ میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتا۔“ ہاتھ تمام کر شانے پر سر جھکا لیا۔ انزلہ نے اسے سیٹ لیا۔

”میں کہاں تم لوگوں کے بغیر رہ سکتی ہوں۔“ آنسوؤں پر احتیاط فرم تھا۔ ”تم کس کے ساتھ آئے ہو؟“

”میں سستی اٹھ کے ساتھ آیا ہوں پیچھے سے۔“ انزلہ دیکھتی رہ گئی۔ ”بابا کوئی نہیں معلوم.....“

”مومن!“ وہ اس محبت پر رو رہی۔ ”پاپا کتنے پریشان ہوں گے۔“

”پاپا پریشان نہیں ہوں گے، جیسو ان سے لڑ رہی ہیں۔“ فرخ آگئی کو ہماری ماما بنانا چاہتی ہیں۔ ہمیں کسی کے بچے نہیں بننا، ہم صرف آپ کے بچے ہیں۔“ انزلہ چوک ٹکی۔ مومن ٹھک رہا تھا۔ دروازہ ہاتھ اتنی بڑی بڑی باتیں سیکل بکلوں کے ساتھ اسے دیکھا۔ درمیان کھنگٹو تھے جتنی محبت پر ایمان لے آیا۔ انزلہ کے کچھ، روئے با آواز عاز میں ٹھوٹ تھا نہ طاوٹ۔ وہ اپنی محبت کو محبت کے ساتھ بھاری تھی۔ انزلہ کھڑی ہو گئی۔ سستی سامنے آ گیا۔

”موصوف اس کی کل کھڑے ہوئے تھے آپ کی تلاش میں۔ وہ کوئیں اچا کبھی آ گیا۔ خود لے آیا۔“

”ان کے پاپا کو بتایا..... وہ پریشان ہوں گے۔ میں فون کر دوں۔“ بے ساختہ چلی۔

”نہیں..... اسے پریشان اور مومن کی تلاش میں خوار ہونے دیں! آج صبحے دن میں اسے اندازہ ہو جائے گا کہ اسے کیا فیصلہ کرنا ہے اور کون سا فیصلہ درست ہے۔“ انزلہ اپنی جگہ بند ہو گئی۔

”اندرا نے“

”میں دوبارہ آؤں گا..... اس خوار دی کو لے کر۔“ سستی بٹسا۔

”کوئی ضرورت نہیں ہے ایسے خوار دی کو یہاں لانے کی۔ اس نے میری بیٹی کی زندگی خوار کر دی، ڈوبا رہنے دو اسے رانی مری ہوئی محبت کے شش میں۔“

حمیدہ بیگم بال بھٹکی جا رہی تھیں۔ سستی گڑ بڑا گیا۔

”جو ساتھ رہ کر نہیں سمجھ سکتا اسے نفقوں سے نہیں سمجھا جاسکتا اور اسے بھی لے جاؤ۔ چلائی ایک دفعہ سب کو مارو تو چھاپا ہے روز روز کا میرا غم

بناتا ہے۔“

”ایسی..... پلیز۔“ انزلہ کا لہجہ جتنی ہو گیا۔

”میں نے ممبر کر لیا تھا، اپنی بیٹی کی ضد پر اس کے

شوکر پر اور مجھے اطمینان بھی تھا چلو کھرا چھاپے۔ بچوں

کو اس کی ضرورت ہے، سعد بھی لوٹ آئے گا مگر ان

کی پیچیدہ سلسلہ کے توجہ پر اور ہیں، سبھی سیکھ لیں وہ“

طرز سے مون کو دیکھا۔ جو جگر تار کو ڈکیر ہا تھا۔

”ای پلیز..... یہ ان کے دوست ہیں۔“ انزلہ

نے گڑبڑ کر ان کا ہاتھ ہٹا دیا۔ ”اور دیکھنا طے ہے کہ ای

طرح جا کر بتائیں گے؟“ سبھی سر جھکا کر مسکرا دی۔

”جتنی ایک موقع اور دیں۔ بس اس کے

بعد.....“

”موقع اسے دیا جاتا ہے جو لینا چاہے۔ وہ

تو.....“ اندر فون بجنے لگا۔

”ای دیکھیں جا کر.....“ اور وہ اسے کو بہت

سمجھ کر اندر پلٹ گئیں۔

”آئی ایم سوری۔“ انزلہ نے جھل بھرے انداز

میں دیکھا۔

”اٹس..... اوکے“ میں شام تک آؤں گا۔“

”میں نہیں جاؤں گا۔“ مون، انزلہ کے قریب

ہوا۔ ”مجھے ہو کر لگی ہے۔“ انزلہ کا دل بھر آتا۔

”ٹھیک ہے۔“ اسے ساتھ لگایا۔

”اور آپ کی ای۔“ سبھی نے اندر کی جانب

اشارہ کیا۔

”میں دیکھ لوں گی۔“ دھیرے سے کہا۔ وہ پلٹ

گیا۔ انزلہ نے دروازہ بند کر دیا۔

”کیا کھائے گا میرا بیٹا“ پیار سے سمیٹ کر

اندر لے آئی۔

”میری ماں کا سر.....“ حمیدہ بیگم نے سر پیٹ

لیا۔

”ای پلیز۔“ اب ایسا کچھ مت کہیے گا“

پلٹ کر انہیں دیکھا اور حمیدہ بیگم رانت بیٹے ہوئے

اسے اندر جا بوا دیکھتی رہ گئیں۔ فیضان آیا تو فیضان

کو کچھ کر دوں۔

”میں کیا کروں اس لڑکی کا یہ مجھے جیسے نہیں

دے گی۔ پھر ان کے پیچھے خوار ہونے کو تیار ہے۔“

”ایسی.....“ دھیرے سے ان کے شانوں پر ہاتھ

رکھ کر انہیں صوفے پر بٹھایا۔ ”بھئی..... اسے اس کے

خال پر چھوڑ دیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا جتنا اسے

اس کام سے منع کریں گی وہ نہیں کرے گی۔ انشاء اللہ

اس کے حق میں بہتر ہوگا جو جیسی ہوگا۔“ وہ دل کیر سے

انداز میں دیکھتی رہ گئیں۔

☆☆☆

اندر باہر..... اوپر نیچے گھر سے باہر چوکیدار

سے، باہر روڈ تک، اڑس پڑس میں..... سعد بن

دقاس پاٹھوں کی طرح مون کو ڈھونڈ رہے تھے۔ وہ

ادھر ادھر گھوم رہا تھا۔

”آپا.....“ وہ سر ہاتھوں میں تھام کر بیٹھ گئے۔

”میں کہاں ڈھونڈوں اسے، وہ بھوکا ہے اس کی

طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے.....“ آپا تھوڑا اور تھیں چپ

تھیں۔ ایمان رو رہی تھی۔ سعد باہر دیکھنے کے لیے پھر

نکل رہے تھے کہ پستی کی گاڑی آ کر کر۔

”سبھی.....“ وہ بے ساختہ اس کی جانب

بڑھے۔

”کیا ہوا.....؟“ سبھی بے قراری کی ایک ٹینگ

کرتا ہوا ہار لگلا۔

”مون..... مون نہیں مل رہا۔ صبح سے۔“ دور در

وے کو تھتے۔ رو ہانسی انداز تھا۔

”کہاں تھا وہ..... کیسے نکل گیا.....“ چوکیدار انہیں

تھا کیا؟“ وہ شاندار اکثر تھا۔

”جانتیں.....“ وہ ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔

”بھائی کو فون کیا؟“ اسے ترس آ گیا۔ سعد

چرکے

”اسے..... اسے کیا فون کروں، کیا سلوک کیا

ہے آپا نے اس کے ساتھ اور وہ جائے گا کیوں اکیلا

وہاں.....؟“

”ہوں.....“ وہ بغور اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

گھڑی پر نگاہ کی پانچ بج رہے تھے اور پچھلے چھ گھنٹے

سے خوار ہو رہا تھا برسر آئے لگا۔ پتا نہیں عقل بھی آئی

پائیں۔

”کہاں تلاش کریں..... وہاں بھی نہ ہوا تو کیا

کہے گی وہ.....“ حد بھر نظر پڑ رہا تھا۔

”یو ٹیو پر.....“ ملنی وین پر اعلان کر دیا

اور اگر کہیں نہ ملا تو..... اسے ڈانٹا ڈھونڈ تھا۔“ سبھی

اندر ہی اندر نش رہا تھا۔

”جانتیں میں تو آپا سے گفتگو کر رہا تھا۔“ اسے

لے کر سعد اندر آئے اور آپا سے کی ہوئی ساری گفتگو

دُہرائی۔

”ہوں.....“ سبھی اندر تک خوش ہو گیا۔

”میں ایمان اور مون کو لے کر جا رہا تھا اسے

لینے..... کومون کو کیا۔“

”چل آ.....“ پہلے انزلہ بھائی کی طرف چلے

ہیں۔“ سبھی رک گیا۔ ”ہوسکتا ہے وہاں نہ نکل گیا

ہو۔“ پُریقین لہجہ تھا۔

”چلو.....“ سعد تیار ہو گئے۔ سبھی نے ایمان کو

آواز دی۔

”سبھی..... اگر مون وہاں بھی نہ ہوا تو..... میں

انزلہ کو کیا جواب دوں گا؟“

”اگر وہاں ہوا تو؟“ سبھی دھیان سے گاڑی

چلا رہا تھا۔

”وہاں کیسے جا سکتا ہے۔ اتنی دور ہے راستے کا

کیا پتا ہوگا.....“ سعد، سبھی کے لیے پر دھیان نہیں دے

رہے تھے۔ گھر آ گیا۔ ایمان بھاگ کر بیڑھیاں

جان پہچان

میرے لب دعا کیا ہے وہ جانتا ہے

میرا آخر رہا کیا ہے وہ جانتا ہے

پکائی نہیں لیکن ایک ساعت میرے دل کی

اجبڑی ہوئی صدا کیا ہے وہ جانتا ہے

کہاں کون سی ہے وہ شاعر کہاں چول ہیں

کھر اور کتنا کیا کیا ہے وہ جانتا ہے

اسے کھوئے ہوئے کیا کھر ہوئی مگر آج بھی

میرے سر دل کی ایک لڑک ادا کیا ہے وہ جانتا ہے

میں بھگرنی..... میں اجڑ گئی میں کھر گئی

میرا اب اسے غزل رہا کیا ہے وہ جانتا ہے

شاعرہ: غزالہ طیل راؤ، اداکارہ

چڑھی۔ دروازہ حمیدہ بیگم نے کھولا۔

”اب..... تم.....“ انہیں غصہ آ گیا۔

”مجھ بد ماں ہے تمہارا باپ، پہلے مون اب

تمہیں بھیج دیا۔ اسے یہ بتا ہے کہ کتنے ہل ہوتے ہیں

یہ نہیں معلوم کر اس ہل کو مضبوط کیسے کرتا ہے۔“ باہر

سبھی کے ساتھ سعد ساکت کھڑے رہ گئے۔ مون

ادھر تھا۔ یہ انکشاف ہی روح میں تو شگوار است بہر کیا

آئی کی بات سننی ہی نہیں۔ مون ہل گیا تھا۔ یہ حقیقت

ہی تھی جس نے سبھی کے سبھی نے ان کا ہاتھ تھا لیا۔

”کیسے کی ہو تم؟“

”پاپا کے ساتھ.....“ اما کو لینے۔“

”اکی..... کون ہے؟“ انزلہ باہر نکل آئی۔

”تمہاری بیٹی ہے۔“ نظر پڑا تھا۔ انزلہ ان

کی سن نہیں رہی تھی۔ وہ بیٹی کی زندگی کیسے خراب

ہوئے دیکھیں۔

”ایمان.....“ انزلہ نے جمعیت کر اسے بانہوں

میں سمیٹ لیا۔

....."ایمان رودی۔

"کیوں آنکھیں آپ ادھر..... میں نے آپ کے پاس رہتا ہے۔" سنیکی اور سعد..... اندر آگئے۔ سعد شرمندہ تھے۔ سب کچھ سنانا کا حق تھا۔ سر جھکا لیا۔ مون باہر آ گیا۔ عیدہ بیگم اندر چلی گئیں۔ "تم..... ادھر کیسے؟" مون نے ساری نگردور کردی۔

"میں ماما کے پاس آ کر ہاتھ راستے میں بیٹھی، نکل مل گئے وہ چھوٹے تھے اور بار میں کہیں نہیں جاؤں گا..... ماما کے بغیر۔" مون نے انزلہ کا ہاتھ تھام لیا۔ "اور میں بھی..... ایمان نے اس کے گرد بازو حائل کر دیے۔ انزلہ نے دونوں کے سروں پر ہاتھ رکھا ہوا تھا۔ سعد صوفے پر بیٹھے اور سنیکی کی طرف دیکھا تو یہ ساری پلانک سنیکی کی بھی تھی وہ سیدھا اسے ادھر لے کر آیا۔ سارا دن خوار کروانے کے بعد۔

"یہ بہت ضروری تھا۔" سنیکی نے سعد کا ہاتھ تھام لیا۔

"ہاں۔" سعد نے گہری سانس لے کر انزلہ کو دیکھا۔ "یہ بہت ضروری تھا زندگی کو گزارنے کے لیے۔" گلگیا سائیل۔ بکھرے گیسو منور چہرہ مگلائی پر چٹائی بندھی گئی۔ پتھر پر بھی پیڑ بن چکی تھی۔ اس کی جانب دیکھنے سے گریزاں۔ آج سے پہلے تک ہمیشہ اسے تک مسکے تیار دیکھا تھا۔ عیدہ بیگم آ گئیں۔

"کیا سوچ کر ادھر آئے ہو میاں..... تمہاری بہن نے کیا سلوک کیا.....؟"

"میں شرمندہ ہوں آئی۔" سعد نے دو ٹوک لہجہ اختیار کیا۔

"تمہاری شرمندگی اس کی بے عزتی کا ازالہ کر دے گی۔" انزلہ کی جانب اشارہ کیا۔

"میں انہیں لیتے کیا ہوں۔" "کس کی مرضی سے..... بچے تمہارے۔ گھر

تھما اس کا کیا جب اسے بیوی کا درجہ ہی نہیں ملا۔ کھسکا کوڑیل پیسے دو خاندان مل جائے گی۔ سخت لہجہ تھا۔ "بھندہ آپ کو شکایت نہیں ہوگی۔"

"جائے گی تو شکایت ہوگی نا، اس نے اپنی زندگی کو کھوٹا بیچ لیا ہے مگر میں ماں ہوں۔ مجھے اس کی خوشیوں کی ضمانت چاہیے۔" وہ شرائط پر اتر آئیں۔ انزلہ سے تذبذب سے دیکھا۔

"میں ہر شرط پوری کرنے کے لیے تیار ہوں۔ ان کی خوشیوں کی ضمانت دیتا ہوں۔" سنیکی آگے ہوا۔ "تم..... پیچھے ہو اور سعد کو بولے دو۔" اسے خاموش کر دیا۔

"میں معذرت کر رہا ہوں آئی اور پوری کوشش کروں گا کہ انہیں مجھ سے شکایت نہ ہو۔" سعد کا سر جھکا ہوا تھا اور عیدہ بیگم کو لپٹیں کرتا تھا۔ ان کی بیٹی پاگل تھی اس کی کوئی کل سیدھی نہیں تھی ہمیشہ ہی اپنے لیے مشکل راہ کا انتخاب کرتی تھی اور دل گناہی تھی اور دل کی کل ساری عمر ہی پر لال رکھتی ہے پھر یہ شخص خود چل کر آئے ہے اسے موقع دے دو۔ پھر انہوں نے انزلہ سے کہہ دیا تھا کہ صرف ایک موقع..... اور زندگی میں ایک بار اور..... ایک موقع ضرور ملنا چاہیے انہیں۔ ایک بار پھر بچوں کی خاطر انزلہ پر ترس آ گیا تھا۔

"چلیں! سعد، انزلہ سے کہہ رہے تھے۔ انزلہ کھڑی ہو گئی۔ بچوں کے چہرے چمک رہے تھے۔ اسے ہر حال میں جانا تھا۔ اس شخص کے بغیر وہ نہیں رہ سکتی تھی۔ زندگی کی سانسیں سو ہاں روح تھیں۔ مرنا ہی تھا تو پھر اس نکل میں ہی تھی..... محبوب کا دروازہ کھڑا تو ہو گاتھائی کا بجلی نصب میں ہے تو پھر اس کے کمرے کے دروازے پر ایسی تھی..... اس کی خوشبو بچوں میں بھی تو ہے نا..... وہ کیسے..... جی سکتی ہے اس کے بغیر..... اپنے دل کی پیاس بجھائی تھی کوئی اس کے دل سے پوچھتا مگر

پکھڑا کون؟ یہ اس کے دل کی تھی اور کیل فز فز تھا۔ انزلہ زحمت ہمیشہ ہی جیکے ہوئے سمندر میں رہتی ہے۔ اس کا دل اس کو تا ہوا تھا۔ ہی طرح سے جیکے جھانکتی..... نکل آئی۔ اس شخص کے سامنے ہمیشہ تیار ہو کر آتی تھی۔ قریبے طریقے سے رہتی تھی۔ اس کی ہاں آگئی نگاہ شاید اسے سیراب کر دے۔ آج گلگیا سا

راپ تھا اور دل کو یقین تھا..... اس کے لیے محبت کے سب دروازے بند تھے۔ اللہ نے سارے در بند کر کے ہانے کے لیے اس کا دروازہ آباد کر دیا تھا۔ بچے بہت لوش تھے گاؤں میں اس کے شانوں پر سر رکے بیٹھے تھے۔ اپنے اپنے پرکاشی پر گرم بنا رہے تھے۔ سنیکی کے ہونٹوں پر پشیمانی دھن کی..... سعد اس کے ذرا سے سر کھرا رہے تھے جس نے ان کی جان نکال دی تھی۔ یہ لوگ گھر میں داخل ہوئے تو آپا اپنے بچے کے ساتھ مل گئیں۔ گھر کے دروازے پر رونق اتر آئی۔

"سعد..... میں نے پہلے بھی تمہیں سمجھا تھا پھر سمجھا رہا ہوں زندگی پر ہمارا پھیلاؤ..... پہلا اختیار ہوتا ہے اور زندگی وہ جس نے ہمارے پیاروں کو سمیٹ رکھا..... سعد نے سر جھکا لیا۔

"کسی کو بلا تو ضرور مارتا یا جرم ہے اور ناحق جرم سے اللہ ناراض ہوتا ہے۔"

"ماما..... یہ..... ماما..... وہ....." جگن سے بچوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔

"جا تو بھی کچھ مانگ لے..... میں ایک ہفتے بعد آؤں گا، ہم لوگ فامز پر جا رہے ہیں کوئی غدار کوئی بہانہ نہیں اسے گریز کا نہیں ہوا۔ نیکی تم لوگوں کا بیڑہ دم ایک نہیں ہوا تو اب کے تیرے مقابل میں ہوں گا اور خود انزلہ بھائی کو تیری زندگی سے نکال کر رکھ دوں گا۔" سنیکی بھار ہاتھا۔ دیکھنا دے رہا تھا۔

"تم لوگ بھی فامز پر چلو کے ہمارے

ساتھ..... اور..... سعد نے اثبات میں سر ہلایا۔ انہیں ایسا کرنا تھا۔ اب کے بچوں، گھر آئی اور سنیکی کے دروازہ شاد کے ساتھ انہیں بھی کمر کا احساس ہو رہا تھا۔ اس کے لیے لوٹ جاہت بے لوٹ جذبے..... اور پسے اس کے گرد وہ تھے۔ سنیکی نے انہیں گلے لگایا۔ انزلہ کو بڑے زبردست دیکل ملے تھے۔

☆☆☆

رات انزلہ بچوں کے کمرے میں ہی سوئی۔ دل میں سوچ لیا تھا اب اسے ادھر ہی رہنا تھا۔ اپنی ضرورت کی چیزیں یہاں شفٹ کر کے اوپر والے اس کمرے کو گیسٹ روم بنا دے گی۔ بائیں دیوار والا در بچہ جہاں سے جانا پڑا اور دروش نظر آتا تھا۔ اوپر کا ٹیسر جہاں پر رنگی کرسیوں پر بیٹھ کر رات گئے تک سعد کو سوتھتی تھی اور ان کے ساتھ ٹیسر پر ٹھلنا چاہتی تھی..... سب..... خواب..... سب خواب ہے۔ بچوں کے تیکے پر سر رکھے بار بار آنکھیں جھپک رہی تھیں۔ ایک شخص کی محبت میں جلا ہو کر ساری عمر کا جگر خرید لیا تھا سب کی ناراضی کا سولہ دے کر..... اور شخص بھی وہ جو دروس محبت میں جلا تھا۔

رات دھیرے دھیرے گزر رہی تھی۔ سعد اپنے بیڑہ میں ٹھل رہے تھے۔ بیڑہ دم بھی وہ جو ہر لہلہا کی یاد سے ٹھٹھکتا تھا اس کے بیڑہ کو مرنے ہی نہیں دیا تھا اس کی خوشبو..... الماری کھول دی۔ اس کے بیڈروں لگے ہوئے کپڑوں پر ہاتھ پھیرا..... دھانی ساڑی، سرخ سوٹ..... سفید پٹوآز..... آنکھیں جھپکنے لگیں..... بچے حلیف میں رکھے شوہر مڑ کر دیکھا۔ ڈریسنگ ٹیبل تک آباد تھی۔ اپ اسٹک، کٹ، چوڑیاں، پرچومز..... دھیرے سے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہوئے ان کا ہاتھ اس پر..... وہ یہاں بیٹھ کر تیار ہوتی تھی۔ وہ بیٹھ بیٹھ کر اسے تنگ کرتے تھے۔ اور جب وہ تیار ہو جاتی تھی تو اٹھ کر اس کے مقابل

آجاتے۔ آئینہ مکمل ہو جاتا اس کے بالوں میں چھول لگا دیتے آنگھیں بار بار ہیکر رہی تھیں۔ اب انہیں اس دور دل کو بند کر دیتا تھا کسی اور کو اس کا حق دینا تھا۔ بڑے ہو رہے تھے۔ بچہ سمجھ دار ہو جاتے تو..... کچھ فیصلے انسان کو وقت سے پہلے کرنے پڑ جاتے ہیں۔ صبا ان کے لیے رہ گئی تھی، بچوں کی آنکھ شعور انزل کی گود میں کھلا تھا ان کے درے پر فائز کر دیا تھا اسے صبا ان کے لیے زندہ تھی۔ بس آج تک وہ آج کے بعد اگر انہوں نے اس کمرے میں تنہا رات گزار دی تو بچہ پوچھ سکتے تھے کہ کیوں پاپا..... ہمیں زندوں پر اختیار ہوتا چاہیے۔ اور آپ..... اس کی تصویر الٹا دی۔ دراز بند کر کے الماری لاک کر دی۔ ڈریسنگ ٹیبل کی ساری چیزیں دروازوں میں ڈال دیں۔ اس کی تصویروں کو باکس میں بند کر دیا۔ کل سے اس کمرے کو بچوں کی اسٹڈی میں تبدیل کر دیا۔ دیں گے۔ انہوں نے دل سے فیصلہ کیا۔ اس بار آنگھیں نہیں بیکٹیں اور صبا کی تصویر بھی انہیں مسکرائی ہوئی لگی جو ان کے دلائل میں لگی تھی جسے ناکل رہے تھے۔ جب ایک معمولی کم عمر لڑکی کی محبت میں ان کے بچوں کو ان کے گھر کا بپا تھا کتنی تھی تو اس کے لیے وہ بھی خود کو دل سکتے ہیں، بچوں کا احترام واجب ہے ان پر..... دل بے چین ہوا۔ اسے بھی آہستہ آہستہ قرارا جاتا تھا۔ دروازہ بند کر کے باہر نکل آئے۔ ہر سو گھر اندر اترتا تھا۔ بچوں کے کمرے میں تھا کلا۔ دونوں بچوں کے درمیان انزل سو رہی تھی۔ اس کے بازو پھیلے ہوئے تھے اور پھیلے پانچوں میں مون اور ایمان سائے ہوئے تھے۔ دھیرے سے ایک ٹیکہ اٹھا کر مون کے پہلو میں لیٹ گئے۔

☆☆☆
صبح ان کے گھر کی رونق پر رقرار تھی۔ کچن کی خوشبو، بچوں کی فرمائشیں۔ انزل کی ٹیکل اور اس کا گھبرا

سا طلیہ۔ ان کی جانب دیکھنے سے گریز ان کے سامنے اخبار پھیلائے ساری سرگرمیوں کا جائزہ رہے تھے۔ دو پہر کا منیع تیار تھا۔ شام کی چائے ساتھ ایمان کی فرمائشیں۔
”رات کا ڈرمیری طرف سے۔“ مسکراتے ہوئے اخبار بند کر دیا۔
”ہرے۔ پاپا۔ میلا۔“
”پاپا۔ میکڈونلڈ۔“
”اور..... آپ..... اندر جاتی انزل روکا۔
”جہاں بچے کھیل گے۔“ بچوں کو دیکھ مسکراتے ہوئے پروگرام ملاحظہ تھی۔
”ہرے۔“ بچے بہت خوش تھے۔ زندگی رواں گئی تھی۔ سینی کا فون آگیا۔
”کچھ ہوا؟“
”یار..... ہو جائے گا اتنی جلدی کیا ہے؟ ابھی مجھے ڈر لگ رہا ہے۔“
”ہا..... ہا..... مرد ہو کر ڈر رہا ہے۔ سنی شبا۔“ سب فائلیں بند کر دیں.....“ وہ قہقہہ ہوا۔
”ہاں۔“
”مارے کیس تم دیکھو نے مل کر بند کر دیے۔“
”نہیں ختم کر دایے۔“ سنی ہنس رہا تھا۔
”پاپا.....“ مون بھاگا آیا۔
”پاپا.....“ ایمان اندر کھینے سے جی رہی تھی۔
”پاپا.....“ مون سامنے آیا۔ اس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔
”کیا..... ہوا؟“ فون رکھ دیا۔
”پاپا.....“ ماما کی ٹانگ دیکھیں اتنا بڑا زخم، نے دو بجی نہیں لگی انہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر چلیں..... آئیں.....“ ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور اپنے کمرے میں لے آیا اور سرھٹا چلے گئے۔

”یہ کیسیس پاپا.....“ ایمان انہیں دیکھ کر بے چین ہوئی۔ انزل ان کے بیڈ پر پاؤں لٹکا کر تھکی تھی۔ ایمان نے ایک دم سے اس کی خلوار کا پانچا اوچا کر دیا وہ نہ نہ کر رہی تھی۔ اس کے کھٹنے سے نیچے بیٹھی آبلے تھے، بگو پھوٹ گئے تھے کچھ کی اسکن سرخ ہو گئی تھی۔
”کیا ہوا..... یہ.....“ حد بھاگنا پڑا۔
”بھو..... ایمان کچھ نہیں ہوا..... دوا لگانی ہے۔“ انزل لڑ بڑا گئی۔
”کیسے ہوا؟“ سعد نے ایمان کے تر پینے کر ہاتھ دیا۔
”معمولی سا زخم ہے ٹھیک ہو جائے گا۔“ وہ اپنی نیچر نکلی۔
”یہ معمولی سا ہے؟“ پاؤں پکڑا۔ ”چلو ڈاکٹر کے پاس۔“
”نہیں..... چھوڑیں پاؤں..... ٹھیک ہو جائے گا۔“
”پاپا میں نے ڈاکٹر اٹکل کو فون کر دیا ہے آ رہے ہیں۔“ مون دوبارہ بھاگا آیا۔
”کیسے ہوا ہے؟“
”اس دن او دن میں ایک بیک کر رہی تھی، آپا کی باتیں سنتے ہوئے ٹانگ گرم او دن سے چپک گئی تھی۔“ اس نے سر جھکا لیا۔
”اور تم نے بتایا نہیں کسی کو..... مرہم تو لگا لیتیں۔“ انہوں نے اپنا ہت سے اسے دیکھا۔
”پاپا.....“ ماما کو کتنا درد ہو رہا ہوگا؟“
”پاپا.....“ ڈاکٹر اٹکل کا فون آیا ہے۔ ”ٹیل کی آواز پر مون ان کا فون سن آیا۔“ وہ نہیں آسکتے معروف تھے اگر خاص کام سے تو کیا ڈاکٹر کو بھیج دیں.....“ انہوں نے کیا ڈاکٹر کو بلوایا۔ اس نے زخم صاف کر کے بیڈ پر رکھ دی۔ اسے تکلیف تھی برداشت کر رہی تھی۔

”ای تکلیف میں سارے کام کر رہی تھیں؟“
”بچے ہیں نا۔“ محبت سے انہیں دیکھا اور انہیں خود پر تاسف ہونے لگا۔
”ہم اپنے دکھ میں مبتلا ہو کر دوسروں کی محبت دیکھنے دیے نہیں ہیں۔ کس اذیت سے گزر کر دوسرے ہیں خوشیاں دیتے ہیں مگر اپنے لیے سوچتے ہوئے ہم اپنی ذات میں کتنے خود غرض ہو جاتے ہیں۔“ انہوں نے خود کو ملات کیا۔
”اب نہیں..... جب دوسرے ہمارے لیے جیتے ہیں تو ہمیں بھی دوسروں کے لیے جینا چاہیے۔“ انہوں نے اس کا پاؤں اٹھا کر بیڈ پر رکھا اسے سیدھا کیا اس کے پیچھے بیٹھے لگائے اور بچوں کو ڈانٹا۔
”مکئی فرمائشیں نہیں، ماما نے بندے سے نیچے نہیں اترنا۔ سب کچھ ریڈی میڈ۔“
”ہرے۔“ بچے خوش تھے۔
”اٹکل کو بات نہیں، میں ٹھیک ہوں چل سکتی ہوں۔“ انزل لگتی ہوئی تھی۔
”بیٹھے جائیں..... ماما کے ہاتھ کا کوئی نہیں کھائے گا تین دن تک۔“ ایک اور فرمان جاری کر دیا۔ بچے ہاں میں ہاں ملاتے تھے۔
”پاپا یار کا ڈاکٹر! مون کو لگ رہا ہے۔“
”پاپا.....“ مون دعا۔
”سٹی اٹکل کے فادر ہاؤس بھی تو جانا ہے۔“
”ماما کے ٹھیک ہونے کے بعد۔“ وہ بیڈ پر بیٹھ گئے۔ انزل خیر سے سمٹ رہی تھی۔ جب ہم بدلے لگے ہیں تو سامنے کیوں بدلے لگتا ہے۔ دل کو کھینچنے لگتے ہیں تو صبر آنے لگتا ہے پھر سے ضبط میں دراز میں پڑنے لگتی ہیں۔
”ماما کو آرام کرنے دو۔“
”ماما جلدی سے ٹھیک ہو جائیں.....“ بچے باہر نکل گئے۔ انہوں نے اس کی انگلیوں پر پل بھل دیا۔

”آرام... آرام... صرف آرام... اس کے بعد اپنا ہلہ درست کرو۔ پھر حمل کر اپنے اپنے فرائض اور حقوق ادا کریں گے۔“ دھیرے سے اس کا ہاتھ دیا اور پلٹ گئے۔ انزل ٹپٹی رہ گئی۔ موسم بدل رہا تھا یا صرف روشنی کا حصہ ہے۔ آنکھیں اتنی ہی پذیرائی پر ہی سمیٹنے لگیں۔ شام میں بچے ٹرائی بیچتے کرے میں آگے۔ پیچھے چھپے سعد بنی تھے۔ چائے، سمو سے ہنکوا، لک۔

”اُف! انزل اٹھ گئی۔“
”پاپائے کہا ہے ہاکی خدمت کرنی ہے بس۔“
ایمان پلٹ بھرے گئی۔ سعد اس کے سامنے بیٹے پر بیٹھ گئے۔

”اب کیسی طبیعت ہے؟“
”میری طبیعت تو خراب نہیں ہے۔“ وہ خفت زدہ ہوئی۔

”ہاں! یہی پاؤں صاحب آپ کا کیا حال ہے درودور ٹھیک ہے نا۔“ دھیرے سے پاؤں چھوا۔ بچے کھٹکلا کر رہے۔ وہ بھی ہنس دی۔ مکمل ٹپٹی۔۔۔ انزل کا دل پھٹنے اور سکر نہ لگا۔ خواب ہے یا حقیقت۔ مون لاؤنچ کی ٹی وی ٹرائی کھینچ لگا۔ سعد بچوں کے ساتھ ل کر شوٹن ہو رہے تھے گاے ہگاے مسکرائی اٹھ اس پر ڈال لیتے اور انزل بے یقینی میں رہی۔ کیا یہ مکان، یہ لمبی یہ قوج میرے لیے۔۔۔ یا بچوں کی جب سے رات بچے اس کے دائیں بائیں سوتے تو خدا نہ انگلی اٹھا کر مون کے پہلوں میں آگئے۔

”بھئی میں اکیلے کرے میں نہیں سو سکتا۔“
ٹھٹک کر کہا۔ بچے شرارت سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ مون نے پاپا کے بازو پر سر رکھا۔ ”کہانی سنائیے۔“

”پاپا زور سے، میں بھی سنوں گی۔“ ایمان نے سر اٹھا کر کہا اور سعد انہیں جل پری اور سندرہ

شہزادے کی کہانی سنانے لگے۔ بچے سنتے سنتے گئے۔ انزل آنکھیں موندے لٹی رہی۔ سعد سر اٹھا کر اسے دیکھتے رہے۔ سونے کی اینٹنگ کر رہی تھی۔ ”طبیعت ٹھیک ہے۔“ مون کے سر کے نیچے سے ہاتھ نکال کر دھیرے سے اس کے بالوں کو چھوا۔ اس نے آنکھیں کھول لیں۔

”درو تو نہیں ہو رہا؟“
”نہیں۔۔۔ تو۔۔۔“
”نیز نہیں آ رہی۔“ رخسار چھو کر مسکرائے۔
”نہیں سو رہی تھی۔“
”دوسرے ہو رہی ہو میری دھیرے؟“ دھیرے سے کان کی بالی کوچھا۔

”نا۔۔۔ ہی۔۔۔ نہیں تو۔۔۔ بے ساختہ کہا۔“
”آپ کی دھیرے سے کبھی ڈسٹر نہیں ہوتی۔“
”میں جانتا ہوں۔“ اپنی گرم ٹھیلی میں اس کا ہاتھ قلم لیا۔ جیسی اس کی کراہ لگی۔ ایمان نے سوتے ہوئے کرکٹ ٹی جی۔ اس کا پاؤں اس کی ٹانگ پر پڑا تھا۔

”کیا ہوا؟“ سعد جو گئے۔
”کچھ نہیں۔“ دھیرے سے ایمان کا پاؤں ہٹا کر پہلو بدلا۔
”زور سے تو نہیں لگا۔“ ایمان کی جانب دیکھا۔
”نہیں۔“ وہ مسکرای۔

انہوں نے آنکھیں موند کر گہری سانس لی انزل کا ہاتھ نہیں چھوا۔ انزل دل ہی دل میں سنتی رہی۔ یہ حد تھی، یہ کراہ تھی، اسے بیجا سمندر بتا رہی تھی اور وہ ضبط کر رہی تھی۔
”انزل۔۔۔“ کرے کی خاموش فضا میں سرگوشی سی ابھری۔ ”تم بہت اچھی ہو۔۔۔ دھیرے سے بچوں کا خیال رکھا۔ اس کو کھانا کھاتا سمجھا۔ کوئی لاچ نہیں کوئی صلہ نہیں۔ آپا نے تمہارے ساتھ بہت بر

سلوک کیا ہے۔ میں معذرت خواہ ہوں۔“ دھیرے سے ہاتھ دیا۔ ”اس میں اتنی کٹائی کروں گا۔ میرے بچوں کو ان کی ماں ملی ہے اس کو گھر کو بہاری ضرورت ہے۔“ وہ دھیرے دھیرے کھڑے ہوئے۔
”میں نے آپ سے شکایت تو نہیں کی۔“
”اسی چیز ہے تو مجھے اور بھی شرمندہ کیا ہے۔“
مون کے اندر تم بہتی ہو ایمان سوتے میں نا۔۔۔۔۔

اب۔۔۔ پکا رہی۔“
”مجھے بھی، ان کا خیال سنا رہا۔ میں بھی ان کے بغیر نہیں رہ سکتی۔“ آنسو ٹھٹک پڑے۔ ایمان کے اوپر سے ہاتھ ہٹا کر مون کے بال سنوارے۔

”میں بھی بس اب ان کے لیے ہی رہتا جانتی ہوں آپ آپا کی خواہش پوری کریں۔“ آنسو تو اتار سے گر رہے تھے۔ پچھلے چہروں سے اس کے ساتھ جو کچھ ہو رہا تھا بہت روٹی تھی ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے کو دل چاہ رہا تھا۔

”میں بچوں کو بھی سمجھا لوں گی۔ بس آپ ہم لوگوں سے کوئی نا تانہ تو فریں، میں بچوں کو سیٹھ لوں گی۔“ سعد اسے دیکھنے لگے۔ اتنی ہی نہیں ٹپٹی وہ جتنا ضبط دکھا رہی تھی۔ دھیرے سے اس کا ہاتھ کھینچا اور اٹھ بیٹھے۔
”ہائیں، ہو گئی ہو مجھ سے؟“

”نہیں، ہائیں، ہوئی تو یہاں نہ آتی۔“ اس نے آنسو صاف کیے۔ ”میرے اور بچوں کے درمیان تعلق کو آپ سمجھا نہیں سکتے۔ یہ قدرتی اہمیت، قدرتی کشش، قدرتی میلان ہے۔ ہاں میں نے میرے وجود سے جنم نہیں لیا مگر میرے بدن کا حصہ ہیں۔“ وہ دھیرے سے اٹھ بیٹھی۔ اس کے پیچھے ایمان کی آگے مون اور مون کے پہلو میں سعد۔ وہ اس کی جانب توجہ کیے بیٹھے تھے۔
”میں جانتا ہوں۔۔۔ اور اس چیز نے مجھے متاثر

وہاں سے کسی کو گھٹنے نہیں اور لکھ کر دیکھو

گھر بیٹھے

رہا مل کچھ

جاسوسی ڈائجسٹ سپنس ڈائجسٹ

ایک سال کی گزرتا ہے گزرتا

ایک سال کے لیے 12 ماہ کا زر لالہ

(بشمول رجسٹرڈ اکسچرج)

ایک سال کے لیے 600 روپے

ایک سال کے لیے 7,000 روپے

ایک سال کے لیے 6,000 روپے

آپ ایک وقت میں کئی سال کے لیے ایک سے زائد رسائل کے خریداری کر سکتے ہیں۔ تمہاری حساب اور اس میں سے تم فوراً آپ کے دیے ہوئے بچے پر رجسٹرڈ ڈاک سے رسائل بھیجنا شروع کر دیں گے۔

ایک سال کے لیے 6,000 روپے

ایک سال کے لیے 6,000 روپے

ایک سال کے لیے 6,000 روپے

ایک سال کے لیے 6,000 روپے

ایک سال کے لیے 6,000 روپے

ایک سال کے لیے 6,000 روپے

ایک سال کے لیے 6,000 روپے

ایک سال کے لیے 6,000 روپے

کیا ہے۔ انسان بچوں کے لیے تو جیتا ہے، تم نہ ہوتیں تو میرے بچے کھڑ گئے ہوتے۔“

”نہیں، یہ کبھی نہیں بکھر سکتے۔“ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ مڑگاں بھیک بھیک کر برسات سمیٹ رہے تھے۔

”مجھے بچوں کے لیے رہنے دیں میں بچوں کے لیے آئی ہوں، ہم لوگوں کو بس یہ سمجھوتا کرنا پڑے گا۔“ وہ دیر سے دیر سے کہہ رہی تھی اور اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا تھا۔ یہ شخص اس سے کبھی محبت نہیں کر سکتا تو بچوں کے ساتھ ہی سہی۔

”میں نے بچوں کے تمام جملہ حقوق ساری زندگی کے لیے تمہارے نام منسوب کئے، تمہیں آئندہ مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔“ وہ دیر سے سے بستر سے اترنے لگے۔

”تم ان کے سیاہ و سفید کی مالک ہو۔“ سعد کھڑے ہو گئے۔ ”بچوں کی جانب سے کبھی ہرٹ نہیں ہوگی۔“ وہ دروازے کی جانب بڑھ گئے۔ انزلہ سر اٹھا کر یوں دیکھنے لگی گویا بے یقین ہو۔ سعد کمرے سے باہر چلے گئے بچوں کے حقوق اسے سوچ کر اور وہ بے یقینی سے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

”کیا تھا مجھے سمیٹ لیتے۔ کیا تھا مجھے میرے ہونے کا بھی احساس دلا دیتے..... جھوٹا ہی سہی۔“ وہ گھٹنوں پر سر جھکا کر روئے چلی گئی۔

”تو یہ طے ہے انزلہ کے تم نے حرام نصیب ہی رہتا ہے۔ اب تمہیں زندگی سے اور نصیب سے کوئی شکوہ نہیں کرنا۔“ خود کو سمجھایا مگر آج آنسو کی طور سمجھنے کے لیے تیار تھے اور نہ سننے کے لیے تم رہے تھے۔ ساری رات وہ اٹکھا رہی۔ رات گئے تک سعد لان میں ٹپکتے رہے اور پھر لالچ میں آ کر سو گئے۔ صبح دم بھر شور مچا رہا تھا۔ سعد ناشتا بنا رہے تھے۔ زری مدد کر رہی تھی۔ انزلہ باہر آ گئی۔

”لاؤ..... میں بنا دوں۔“ سعد کی جانب دیکھتے سے گریزاں اور رات بھر ساون بھا دوں سعد سے چمپا ہوا نہیں تھا۔

”فوفو..... آرام..... آرام..... ہمیں آپ کے ہاتھ کا کچھ نہیں کھانا۔“ بچے چیخے۔ وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ ناشتا اس کے آگے آ گیا۔ سعد کے چہرے پر کچھیلی رات کا کوئی عکس نہیں تھا۔ بگلی..... دیوانی..... پاگل ہو..... محبت تمہیں ہے انہیں تو نہیں..... درد بھی تمہیں ہوگا انہیں نہیں..... اس نے گہری سانس لی۔

شہر آباد، رونقیں آباد
دل کی دھڑکتوں کو کون سنتا ہے
آنکھیں احساس دل سے نمکین پانیوں سے
بھرنے لگیں۔ سردیوں کی ٹھنڈی دوپہریں ہوں یا سرد راتیں۔ اب ہر موسم ہر ساون اکیلے ہی گزارتا ہے۔

دوپہر میں بچے سعد کے ساتھ لان میں مصروف تھے۔ زری سے کہہ کر اپنے کمرے سے اپنے کپڑے منگوا لیے۔ آہستہ آہستہ سامان بچے شفٹ کرے گی گیٹ روم کی ضرورت تو رہتی ہے۔ بہت دنوں کے میلے کپڑے تبدیل کیے بالوں میں برش کیا۔ لان میں کینو اور مالٹے پہنچا دیے۔ بچے انجوائے کر رہے تھے۔ کھانا بازار سے آیا۔ اس نے منع بھی کیا مگر نہ بچے مانے نہ سعد۔ رات کو بچوں نے پڑا، برگر اور آئس کریم کی فرمائش کی۔ چوکیدار کے ساتھ انہیں بھیج دیا۔

☆☆☆

آہٹ پر سر اٹھایا۔ سعد اس کے سامنے کھڑے تھے۔ ”آپ.....“ انزلہ نے میگزین بند کیا۔ تک سب سے تیار، خوشبو اڑاتے بھرپور پر سنائی لیے۔

”کوئی کام تھا؟“ وہ سر اٹھا کر سنبھلی۔

”ہاں۔“ وہ اس کے سامنے بیٹھے۔

”کل بچوں کے جملہ حقوق تمہارے نام کیے تھے۔ آج اپنے جملہ حقوق تمہارے نام کروانے آیا

موسموں کے تغیر

شعبہ فضل و مناقب

پیش قدمی

وہ آج بھی ہمیشہ کی طرح کسی لمحے کے مانند ساکت کھڑا تھا۔ لگتا تھا جیسے وہ پتھر کا بے جان مجسمہ ہو جس کے اندر نہ تو دھڑکن ہو اور نہ جان جذبات ہوں اور نہ احساسات۔ سامنے ٹھٹھی فریدہ آتی مسلسل اسے کوں ہی تھیں۔
”تم یہ فیتے اٹھالائے ہو..... دیکھ لو ابھی طرح کس قدر ڈول کر رہیں اس کے..... جنہیں نمونے کے لیے جو فیتے دیے گئے تھے وہ کہاں ہیں.....“



تھی بے رحمی کے ساتھ رہتا ہے تاہم..... ہمیشہ کے لیے بچوں کے لیے بچوں کے باپ کو بھی قبول کر لو.....“ آپ کے وہ سر نہیں پیش قدمی جاری رہی۔
”ساری زندگی تمہارا ہو کر رہے گا تمام جملہ حقوق کے ساتھ۔“ انزلہ گڑبڑا گئی۔ ”میں نے جملہ حقوق میرے نام کرو۔“ آواز جھبی ہو گئی۔ فرار کی ساری راہیں بند تھیں۔ دوسرے سے اپنا سر سہ کے شانے سے لگا دیا۔ آنسو بہا اختیار ہونے لگے۔
”بس..... اب اور نہیں۔“ سعد نے سمیٹ لیا۔
”زندگی کے آخری دن کا جبر آخری مرتبہ ہم دونوں نے گزاریا۔ مرنے والوں کے ساتھ زندگی نہیں گزرتی۔ زندگی کو مار نہیں دیا جاتا۔“ سعد دوسرے دوسرے سے چلے کر کوئی کر رہے تھے۔
”چلو..... اوپر اپنے کمرے میں۔“ در پہچنے سے ایک ساتھ چاند دیکھیں گے۔ چاند کی روشنی میں بیگیں گے۔ میری پرواک کریں گے گرم کافی پیے ہوئے۔ ایک دوسرے کا ہاتھ تمام کر زندگی کی دھڑکنوں کو محسوس کریں گے۔ چلو۔“ سعد بے خود ہو رہے تھے۔ اتنے اظہار پر انزلہ گہرا گئی۔
”میں کیسے..... میں چل نہیں سکتی۔“ انزلہ نے اٹھایا۔
”میں اٹھا لیتا ہوں۔“ سعد ہنسنے لگا۔
”نہ..... نہیں۔“ وہ گھر آگئی۔ ”میں نے۔“
”صرف..... سعد کو دیکھو محسوس کرو اور۔“ وہ ایک بار پھر اسے ڈسٹرب کرنے لگے۔ ”اس سے محبت کرو۔“ گلابی آنکھیں خوار لیے، محبت سے سرخ آنکھوں پر جھک گئی۔
اس کا عشق اپنا نیت اور محبت کے ساتھ اس کا بن کر اس پر چھا گیا۔ کیسے نہ محبت کو قبول کرتی۔ اس محبت کے لیے تو اس کی دھڑکنیں زندہ تھیں۔

ہوں..... قبول کر لو۔“
”میں.....“ آنکھوں میں خیرا بھرا۔
”بچوں کے ساتھ مجھے بھی پانت لو..... مجھے آتش دان کے پاس اکیلے بیٹھی لڑکی کی تنہائی دور کرنی ہے۔ اس کے ساتھ بائیں کر رہی ہیں، اب اکیلے کمرے میں تنہا نہیں سو سکتا۔ میری تنہائی شیز کر لو۔“ انہوں نے دوسرے سے ہاتھ پھیلا دیا۔
”میں نے..... منع تو نہیں کیا..... آپ خود ہی.....“
”ہاں، میں خود تھا مجھے کیا ہوا ہوں، تم نے کبھی سمجھا تھا نہ مانگتا تھا..... نہ دینا تھا اور نہ کسی سحر سے ہوئے شخص کو سینا تھا۔“ چٹکھو دکھا ڈالی۔
”اتنا گلہ۔“ انزلہ بس دی۔ کل شب اتار دوئی تھی کیس..... اب اور نہیں۔
”ای کی تھی ہیں تم بھی ہو مجھے بچوں کو ہی سینا آتا ہے۔ اور کچھ زندگی میں سکھائی نہیں۔“
”میں جانتا ہوں.....“ اس کے قریب ہوئے، باڈی اسپرے کی خوشبو اسے ڈسٹرب کرنے لگی۔
”تم صرف قبول کر لو..... باقی میرا کام۔“ ہاتھ تمام لیا۔
”میں نے بتایا تھا..... میں بچوں۔“ وہ جھجکی۔
”بس!“ آگے کہنے سے روک دیا۔ ”بچوں کا منظر نامہ اب ختم ہو چکا ہے اب میں اور تم۔ مجھے اپنا بندہ روم چھیل کر نہ اس کرے کو میں کیسٹ روم بنا رہا ہوں یا اسٹریٹ روم۔“ انزلہ نے سنا اٹھایا۔ ”اپنے دل کی خواہش پر۔“ پلکوں کی سطح کو چھوا۔ متورم، روئی ہوئی پلکوں کو فرار سا آنے لگا۔
”اوپر والے کمرے میں شفٹ ہو جائیں، میں بچوں کے کمرے میں شفٹ ہو رہی ہوں۔“
”قطع کی نہیں۔“ وہ اور قریب ہوئے۔
”اوپر کمرے میں جو میری تصویر کے پہلو میں لڑکی



دوسرے لوگ اس کی مدد نہیں کر سکتے۔“ آپانے جلدی سے بات بدلنے ہوئے کہا۔
”لیکن حماد بے چارہ کیا کر سکتا ہے، کیسے آواز اٹھا سکتا ہے ان کے خلاف، مگر بے گھر نہیں کر دیں گے وہ اے! مہینہ انجمنی نظروں سے آپا کو دیکھتے ہوئے بولی۔
”ہی تو ساری بات ہے۔ وہ گھر سے بے گھر نہیں ہونا چاہتا۔ اسے ایک چھت کے نیچے ساری سہولتیں ملی ہوئی ہیں چاہے روٹی اسے ذلت سے ملے۔ لیکن فری میں اسے سب مل تو رہا ہے وہ یہ سب کھونا نہیں چاہتا۔“

”آہ تم جانتی ہو اس کا ساری دنیا میں بچا کے سوا کوئی اور نہیں۔ وہ جائے تو کہاں جائے۔“ مہینہ حیرت سے بولی۔
”ارے وہ کوئی لڑکی تو نہیں ہے جسے ایک گھر کی چھت چاہیے کہ وہ تو مرد ہے مکمل آسمان تلے رہ سکتا ہے۔ خالی پیٹ گزارہ کر سکتا ہے۔ وہ اس گھر سے چلا کیوں نہیں جاتا۔ جہاں اس کی عزت نہیں۔ ایسی روٹی تو کتنے بھی کھا پا پند نہیں کریں گے جیسے وہ کھاتا ہے یا شاید وہ گالیاں کھا کر بے حس ہو چکا ہے۔
اب نہ وہ چوتھا ہے نہ چوتھا چاہتا ہے۔“

اماں کے آواز دینے پر وہ اٹھ کر اماں کے کمرے کی طرف چلی گئی لیکن آپا کی باتیں سن کر وہ تنک اس کے وہن میں جھرتی رہیں۔ آپا ٹیک کہہ رہی تھیں۔ حماد کو اپنی عزت نفس کی کوئی پروا نہیں۔ فریہ آئی کوئی ایک بات بھی اس سے سیدھی طرح نہیں کر تیں، مہک اسے ایک ٹوکہ سے زیادہ اہمیت نہیں دیتی اور حماد کے چچا کو ہم صاحب اسے لڑکے، اور بچکرے کہہ کر صرف کام کے لیے بلاتے ہیں۔ مہینہ مسلسل سوچ رہی تھی۔
مہینہ نرم احساسات رکھنے والی ایک نرم دل

ہاں یوں کر تعلیم دلا کر اس پر احسان کیا ہے اور اب اسے شکروں میں رکھ کر اپنے احسان کی قیمت وصول کر رہے ہیں اس سے۔“ آپا بھید سے بولیں۔
”کیا تعلیم دی ہے اس بے چارے کو۔۔۔۔۔ اپنے بچوں کو اچھے سے اچھے اسکولوں اور کالجوں میں پڑھایا۔ اور انٹر کے بعد اسے کالج سے ہٹا دیا کہ گھر کے کام کاج دیکھنے والا کوئی نہیں۔ بے چارہ بی اے کی پرائیوٹ تیار کر رہا ہے لیکن دو سال ہو گئے اس کی تیاری نہیں ہوئی۔۔۔۔۔ وقت ہی نہیں ملتا اسے، کیسے امتحان دے گا۔“ مہینہ نرمی سے بولی آواز میں بولی۔
”لیکن تجھے کیا۔۔۔۔۔ وہ جائیں اور ان کا کام جانے، وہ اس کے اپنے ہیں ہم کیا کہہ سکتے ہیں اس بارے میں۔ فریہ آئی کو حماد سے تمہاری ہمدردی کے بارے میں بتا چلا تو انہیں بالکل بھی اچھا نہیں لگے گا۔“

آپانے دھمکے لہجے میں کہا۔
”تم جانتی ہو آپا، مجھے کبھی بھی نا انصافی پسند نہیں رہی ہے، مجھے تو جانوروں پر ظلم کرنا پسند نہیں ہے۔ حماد تو بھرا انسان ہے کیسے چپ رہ سکتی ہوں میں اچھے اور کچھ نہیں تو مہک سے بات کر تھی ہی ہوگی۔“ مہینہ بولی تو آپانے حیرت سے اسے دیکھا۔
”کی غیب نہ کرنا مہی۔۔۔۔۔ مہک تیری بہت نزدیکی دوست تھی لیکن اسے اپنے گھریلو معاملات میں تیری مداخلت پسند نہیں آئے اور ایسا نہ ہو کہ اس بات کو لے کر وہ کچھ اور سوچنے لگیں۔“ آپا قدرے توقف سے بولیں تو مہینہ حیرت سے آپا کو دیکھنے لگی۔
”کیا سوچیں گے وہ۔۔۔۔۔ کیا سوچ سکتے ہیں وہ؟“

مہینہ بولی۔
”تم رہے ہو۔۔۔۔۔ لیکن جب تک مظلوم خود پر دھماکے نہ دے جائے اسے مظالم پر آواز نہیں اٹھائے گا

رہی تھی۔
جب وہ گھر گئی تو آپا نے پند ڈھیر سارے برتنوں کے درمیان بیٹھی برتن دھو رہی تھیں۔ اماں اور آپا کی آواز اس کمرے سے آ رہی تھیں۔ وہ کمرے میں جانے لگی تو آپانے اسے آواز دے کر بلایا۔ وہ قریب آئی تو آپا تجسس سے پوچھنے لگیں۔
”کیا خریدنا تھا مہک نے۔ تو نے اس کی شاپنگ دیکھی؟“
”جی ہر جینے خریدی ہے۔ کپڑے، جوتے، میک اپ کی چیزیں وغیرہ۔“ مہینہ ہنسنے لگی۔
”کیا بات ہے مہی۔ وہاں کچھ ہو گیا تھا کیا۔ تو بہت بھی بھٹی لگ رہی ہے؟“ آپانے غوہ اس کی اتنی صورت دیکھ کر پوچھا۔
”وہی حماد والا قصہ تھا آپا۔ آج اس کی بھر سے بی بھر کر بے عزتی کی ہے فریہ آئی نے۔“ وہیں آپا کے قریب بیٹھ کر پوچھتے ہوئے وہ بولی۔
”یہ تو روز کی بات ہے، کوئی نئی بات تو نہیں ہے تو ہر بار اتنی اپ سیٹ کیوں ہو جاتی ہے۔“ آپانے پلیٹ دھو کر سنا پڑے رنگے ریک میں اٹکاتے ہوئے کہا۔
”اپ سیٹ ہونے والی بات تو ہے نا آپا۔۔۔۔۔ حماد مہک کا فرسٹ زون ہے۔ حماد کے والد اور مہک کے والد سے بھائی تھے پھر کیوں فریہ آئی اسے ٹوکروں کی طرح ٹریٹ کر رہی ہیں بلکہ ٹوکروں سے بھی بدتر جبکہ بابا امیر سے اس گھر میں اچھا سلوک ہو رہا ہے حماد کی نسبت۔ ایسا کیوں ہے آپا؟“

مہینہ دسی لہجے میں بولی۔
”در اصل حماد بے چارہ شروع سے بچا کے نکلوں پر پلا ہے۔ ماں، باپ، بچپن میں زور گئے تھے۔ نہ کوئی بہن نہ کوئی بھائی تھا۔ چچا، چچی نے اسے

بولو، جتا۔۔۔۔۔ اس حق کی اولاد کوئی کام جو کبھی ڈھنگ کا کیا ہو۔“ تینوں کا بنڈل اس کے منہ پر مارے ہوئے فریہ آئی بولیں تو مہینہ کا دل جیسے اس نے مٹی میں کچلا لیا۔ حماد کی طرح کھڑا رہا اپنے دفاع میں وہ ایک لفظ نہیں کہہ پا رہا تھا مہینہ کو غصہ آ گیا آخر وہ کچھ کہہ سکیں نہیں۔ اس دوران بابا امیر ڈسٹرنگھ سے پر ڈالے وہاں آگیا وہ اس گھر کا بہت پرانا ٹوکڑا اور ہر معاملے میں بولنا ان فرسٹ جنتا تھا اس وقت بھی جب فریہ آئی غیظ و غضب کے عالم میں اسے کہہ رہی تھیں۔

”جاء۔۔۔۔۔ وہاں دیکھ کر انداز کو دے آؤ اور صبح چیز لے کر آنا۔۔۔۔۔ ورنہ گھر میں نہ کھنا، تم بخت کا کام کا نہ کاج کا دشمن اناج کا۔“
”پر بی بی صاحب۔۔۔۔۔ بابا امیر پریشان سا ہو کر بولنا۔۔۔۔۔ وہاں تو بہت دور ہے، اب بھی بی بی صاحب گمبایا آ یا ہے، اب پھر پیدل جائے گا تو اس کی تو ٹائمن ٹوٹ جائیں گی۔“

”ہاں تو توٹ جانے دو اس کی ناگئیں۔ اب کیا میں اسے کسی کار کر دے کر بھیجوں۔ اچھا ہے اسے تکلیف ہوگی تو آئندہ دیکھ بھال کر سوا دلے گا۔“ وہ سر جھکا کر فیتوں کا بنڈل اٹھا کر چلا گیا جبکہ مہینہ اور امیر بابا کھڑے کے کمرے سے گئے اسی دوران مہک باہر آئی اور مہینہ کو دیکھ کر اس کی طرف آئی۔
”مہی۔۔۔۔۔ تم کب آئی ہو؟ اندر میرے کمرے میں کیوں نہیں آ رہی ہیں؟“

مہینہ نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا لیکن وہ جواب کا انتظار کیے بغیر اسے ہاتھ سے کھینچے ہوئے اپنے کمرے میں لے گئی اور اسے اپنی تازہ شاپنگ دکھانے لگی جو اس نے کل ہی ساری رات لگا کر کی تھی۔ مہینہ کا دل حماد کی وجہ سے پھول سا ہو رہا تھا مگر وہ زبردستی ہی اس کے جوش و خروش کا ساتھ دے

میں سو خراب رہ رہا تھا۔
”حماد، ذرا یہ مولیاں تو دیکھیں۔ خراب تو نہیں ہوں گی، تاہم راسل جیسے تجربہ بینس ہے اکثر مولیاں اوپر سے صاف نظر آتی ہیں لیکن اندر سے بالکل خراب جبکہ اسی نے آج خاص طور پر مولیاں لانے کے لیے کہا تھا۔۔۔۔۔ وہ بے تکلفی ظاہر کرنے کے لیے اس سے بات چیت کر رہی تھی۔

حماد پھر تے سے اچھی اچھی مولیاں نکال کر ایک طرف رکھ رہا تھا۔ سودے کے قتلے لیے وہ باہر آئے تو سامنے ہی ایک گھوکھا سا رہا ہوا تھا۔۔۔۔۔ گھوکھے کے سامنے چند میز کرسیاں رکھی تھیں اور وہاں لوگ بیٹھے چائے پیتے تھے۔

”حماد، مجھے چائے کی بہت طلب ہو رہی ہے۔ چلو جائے بیٹے لیتے ہیں۔“ مائین جلدی سے بولی۔ وہ چوک گیا۔

”نن۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔ مجھے دیر ہو جائے گی۔“ خانساں سودے کا انتظار کر رہا ہوگا۔ آپ چائے پی لیجیے۔ میں چلا ہوں۔“ وہ اٹکتے ہوئے بولا۔

”مجھے اکیلے بیٹھ کر پائے پینے میں مزہ نہیں آتا۔۔۔۔۔ اور پھر تاہم ہی کتنا لگتا ہے ایک کپ چائے پینے میں۔“ وہ اس کا ہاتھ دیکھتے ہوئے بولی۔ اس کے چہرے پر شہ پریشانی کے اثرات تھے اور وہ سہا سہا سارے جگائے مائین کے ساتھ کھینچ چلا جا رہا تھا۔ چائے کے مہاپ اڑاتے کپ دونوں کے درمیان چھوٹی ٹیبل پر رکھے تھے۔

”حماد۔۔۔۔۔ ایک بات پوچھوں؟“ مائین نے بات کی ابتداء کی۔ اس نے چوک کر سر اٹھایا اور ابھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔
”حماد۔۔۔۔۔ جب فریڈ آئی تھیں ذرا فانی تو تھیں پر انہیں لگا؟“ وہ نرم اور دھمے لہجے میں بولی۔

دیا لیکن منہ سے کچھ نہیں بولا۔

”مجھے بھی کمرے کے لیے کچھ چیزیں دیکھنی ہیں۔۔۔۔۔ چلو میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔“ اس نے ماحول کی اجنبیت کو اپنی بے تکلفانہ گفتگو سے توڑتے ہوئے کہا لیکن وہ گھبرا سا گیا۔

”نن۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔ وہ آپ آلو پیاز والی مارکیٹ میں جا کر کیا کریں گی۔“

”ارے۔۔۔۔۔ آلو پیاز ہی تو لائے ہیں مجھے۔“ وہ اس کے گھبرائے پر ہنس دی۔ وہ اب بھی گھبرا رہا تھا۔
”آپ مجھے بتا دیجیے۔ میں لے آؤں گا آپ کے لیے۔“ وہ مجھے گھٹے لہجے میں بولا۔ اس کی آفر مائین کو گھیبی نہ لگی۔

”فریڈ وہاں آئی میرے کام کے لیے پر آپ کو ڈانٹیں گی نہیں؟“ غور سے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ جیسے ہوئے لہجے میں بولی۔ وہ بولکھلا کر ابھر اُدھر دیکھنے لگا۔

”جیسی، آپ کے طفیل مجھے بھی اس مارکیٹ کو دیکھنے کا موقع ملے گا جہاں سے آپ چن چن کر سستی سبزی لائے ہیں۔“ وہ بولی۔

وہ کچھ نہ بولا، دھمے دھمے انداز میں قدم اٹھاتا ہوا اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا لیکن اس کے چہرے پر عجیب سی گھبراہٹ چھائی ہوئی تھی اور وہ چوک کر خوفزدہ انداز میں آگے پیچھے یوں دیکھتے ہوئے جا رہا تھا جیسے کسی کے دیکھ لینے کا ڈر ہو۔ مائین کو اس کا یہ براساں بالکل نہیں بھار رہا تھا۔ اس پر اسے غصہ بھی آ رہا تھا اور رحم بھی۔۔۔۔۔ کیسے ایک اچھے بھلے شخص کی شخصیت سبھ ہو کر رہ گئی تھی۔ صرف چند لوگوں کی احساس برتری کے باعث۔۔۔۔۔ لیکن وہ اس کے انداز کو نظر انداز کر کے نرم لہجے میں عام سے موضوعات پر بات چیت کر رہی تھی۔ مارکیٹ میں وہ اس کی موجودگی میں بہت لیے دیے انداز

حماد کی زندگی میں کچھ لٹکھاؤ آئے لیکن آج آپا۔۔۔۔۔ جو اب میں کیں تو اسے لگا جیسے اس سارے معاملے میں صرف گھر والوں کا قصور نہیں بلکہ اس میں حماد کا بھی قصور ہے کیونکہ ملنے کرنے والا اور ظلم سنبے والا یکساں قصور وار ہوتا ہے۔

اب مائین حماد سے بات کرنے کے لیے موقع ڈھونڈنے لگی۔ حماد اور اس میں کوئی بے تکلفی نہیں تھی جب تک کہ حماد کو برا بھلا کہا جاتا تو اس کے چہرے سے جھپٹ سی ہمدردی صاف دکھائی دیتی۔۔۔۔۔ جس کی حماد اس کے چہرے پر ایک نظر ڈال لیتا۔ بخیر فوراً اپنی نظریں سنا لیتا لیکن وہ اتنا بھی بے وقوف نہیں تھا کہ اس کو اس کے چہرے پر ہمدردی نظر آتی۔۔۔۔۔ شاید وہ دل ہی دل میں خفت بھی محسوس کرتا ہو کہ اس کے سامنے بھی اسے بری طرح لڑا جاتا لیکن مائین تو اتنی ڈسٹرب ہو جاتی کہ وہ حماد کے شرمندہ چہرے کی طرف دیکھنا بھی گناہ سمجھتی تھی۔

گھر میں تو بات کرنے کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا۔ مائین حیران تھی کہ وہ حماد سے کہاں اور کیسے کچھ کہہ پائے گی لیکن شاید خدا کو بھی یہ منظور تھا کہ وہ حماد سے بات کرے اس دن جب وہ سردیوں کے پکڑے خریدنے مارکیٹ جا رہی تھی تو سرگ کے بائیں طرف ڈھیلے ڈھالے انداز میں چلا ہوا حماد اسے نظر آ گیا۔ یقیناً اس سے بہتر موقع اسے وہ بارہا ہاتھ نہیں آ سکتا تھا۔ مائین نے اپنے قدم تیز کر لیے اور اس کے قریب پہنچ کر سلام کیا۔ اس نے بڑ بڑا کر مائین کی طرف دیکھا کیلئے تو حیران ہوا پھر دھمے انداز میں سلام کا جواب دے کر اس نے اپنے قدم تیز کر لیے کہ مزید بات چیت نہ ہو لیکن مائین اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتی تھی سو اس نے بھی اپنی رفتار بدھواتے ہوئے بات چیت میں مبتلا کی۔
”سودا لارے ہو؟“ اس نے اثبات میں سر ہلا

لائی تھی۔ وہ شروع سے بہت حساس تھی اس کی اور مہک کی نکالیں میں بہت فرق تھا۔ یہ علاقہ بڑے لوگوں کا علاقہ تھا۔ جانے کیسے سستے دور میں یہ مکان مائین کے ابو نے خرید لیا تھا۔ جس مرنے کا یہ مکان پرانی طرز کا بنا ہوا تھا اور آج کل کافی قیمت کا تھا لیکن چونکہ یہاں بڑے بڑے مالدار لوگوں کی کوششیاں بن گئی تھیں اور بڑے لوگوں کے بچے میں رہتا ایک الگ مزہ تھا اس لیے لوگوں کے اصرار کے باوجود مائین کے والد نظر میں نہ آتے تھے۔ مہک نہیں بچا اور اب شاید کوئی بھی بچہ نہ کھڑا ہے عام سادہ مکان ان کو ٹھیکوں کا نظریہ لگتا تھا۔

ظفر صاحب ایک سرکاری آفس میں گریڈ 16 کے ملازم تھے۔ ان کی تنہم کرینڈ ایک سیدھی سادی خاتون تھیں۔ ان کے دو بچے تھے۔ ذہیب بڑی تھی مائین چھوٹی۔ وہ لے اسے کرتی تھی۔ اس کا اور مہک کا بڑا گھراؤ دستانہ تھا حالانکہ مہک کے والد کا بہت بڑا کاروبار تھا۔ وہ ایک اچھے کالج میں پڑھ رہی تھی جبکہ مائین کو ایک سرکاری ادارے میں پڑھنے کے لیے جانا پڑتا تھا لیکن دونوں ہم عمر تھیں۔ مہک، مائین کے پڑوس میں تھی۔ دونوں کی ابھر اُدھر ملاقاتیں ہوئیں تو دونوں دوست بن گئیں اور وقت کے ساتھ ساتھ یہ دوستی اتنی گہری ہوئی کہ دونوں ایک جان دو قلب بن گئیں۔ مہک بھی مائین کے گھر آیا کرتی لیکن زیادہ تر وہ مائین کو ہی بلایا کرتی۔ مائین کو بھی وہاں جانا پڑتا تھا۔ آتے جاتے اس کی حماد سے بھی ملاقات ہو جاتی۔ پھر آہستہ آہستہ اسے گھر کے ایک فرد کی حیثیت حاصل ہوئی کئی کئی بات ہوئی۔۔۔۔۔ دھڑلے سے اس کے سامنے کی جانی۔ حماد کے ساتھ گھر والوں کا جو رویہ حمادہ بھی اس سے چھپا نہ رہا اور آہستہ آہستہ حماد کی عظمت پر اس کا حساس دل تڑپنے لگا اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس سلسلے میں ایسا کیا کرے کہ

ایک عجیب سا..... بسے اس سا تاثر حماد کے چہرے پر پھیل گیا اس نے جلدی سے نظریں جھکا لیں اور چائے کے کپ سے انہی بھاپ پر اپنی نظریں جمادیں، مہینے کے چہرے دیر اس کے بولنے کا انتظار کیا پھر تڑپے دھتے سے بولی۔

”حماد... تو یقیناً برا لگتا ہوگا کیونکہ جب مجھے برا لگتا ہے تو تمہیں کیسے برا نہیں لگتا ہوگا۔“ حماد کچھ نہیں بولا اس کے چہرے پر دیکھوں کا غبار سا چھا گیا تھا۔ ہوش لڑنے لگے تھے اور انہیں پانی سے بھر گئی تھیں۔

”حماد... تم اس گھر کو چھوڑ کیوں نہیں دیتے جہاں تمہاری اتنی بے عزتی ہوئی ہے۔“ مہین نے اپنی بات کو بڑھا دیا دیتے ہوئے بولی۔ وہ اب بھی کچھ نہیں بولا لیکن اس کے چہرے کے نقشِ تن سے لگے تھے وہ منہ سے تو کچھ نہیں بولا لیکن اس کے چہرے کے نقشِ تن سے کچھ بھی نہیں، میں کس کے پاس جاؤں، کیسے میں اس گھر کو چھوڑ سکتا ہوں۔ مہین نے اس کے چہرے پر لکھی یہ ساری تحریر پڑھ لی تھی۔

”حماد! تم لڑکی نہیں ہو، جو ایک جھپٹ کے لیے اتنی بے عزتی برداشت کر رہے ہو، اگر تم فٹ پاتھ پر بھی رہو گے تو بھی کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ اور کم سے کم تمہاری عزت تو محفوظ رہے گی کوئی اس طرح سرعام تمہاری عزت کی دھجیاں تو نہیں اڑائے گا نا۔“ وہ بولی۔ وہ کم کم کی غیر صریح نقطہ پر اپنی نظریں جمائے ساکت سا بیٹھا رہا مہین نے دیکھ کر اس کے بولنے کا انتظار کرتی رہی لیکن جب اس کی خاموشی طویل ہو گئی تو مہین نے یوں ہی بولی۔

”سوری حماد! مجھے تمہارے معاملے میں اس طرح دخل اندازی نہیں کرنی چاہیے مگر حال تمہیں سمجھنا میں اپنا فرض سمجھتی تھی اور ایک آخری بات کہ

اگر میری بات تمہارے ذہن میں آئی تو یہاں سے نکل کر اپنی پڑھائی کے بارے میں ضرور سوچنا کہ کبھی ایک راستہ ہے جس پر چل کر تم کا مایاب ہو سکتے ہو۔ وہ دھتے لہجے میں بولی۔

اس نے اب حماد کے جواب کا انتظار نہیں کیا..... میرے کو بلا کر چائے کے پیے اور حماد کی طرف دیکھے بغیر وہاں سے نکل آئی لیکن اسے حماد سے بات کر کے خاصی مایوسی ہوئی تھی۔ اسے لگتا تھا جیسے حماد وہ اپنی حالت بدلانا نہیں چاہتا۔ اس نے دکھ سے سوچا تھا کہ جو بندہ اپنی بے عزتی خود محسوس نہ کر سکا ہاں دوسرے اس کی کیا درد کر سکتے ہیں۔ ایک دو دن اسے وہ کہہ کے حساس رہی اور جب کہ لاکھ لاکھ لانے پہنچی وہ اس کے گھر نہیں گئی۔ کچھ پڑھائی کی مصروفیات تھی۔ ایک دو بار جب وہ اس سے ملنے کے لیے آئی۔ لیکن اس دن اس نے کڑھی بنائی تھی۔ مہیک کو اس کے ہاتھ کی کڑھی بہت پسند تھی۔ وہ جب بھی کڑھی بنا تھا مہیک کو بھیجنا نہیں بھولتیں۔

”ماہی! یہ کڑھی مہیک کو دے آ کر تم گرم ہے، ٹھنڈی ہو گئی تو مزہ نہیں دے گی۔“ مہین نے ڈونڈ بھر کر مہیک کے لیے کڑھی نکالی اور مہین کو آواز دے دیتے ہوئے کہا۔

مہین کا خود بھی دل چاہ رہا تھا مہیک کے گھر جانے کے لیے سو اس نے کوئی آواز نہ کی لیکن اس کی ڈونڈ اٹھایا اور مہیک کے گھر پہنچی۔

مہیک حسبِ عادت مہین کو اپنی تازہ شاپنگ دکھانے لگی ساتھ ساتھ وہ لالہ لالی پن سے بچے سے کڑھی بھی دکھاتی تھی۔

”آئی! اپنے کمرے میں ہیں نا..... میں جا کر ان سے مل لوں۔“ وہاں جانے سے پہلے مہین، مہیک سے کہنے لگی۔

”یہ غضب نہ کر نا ماہی..... مجی آج کل بہت

لمبے میں ہیں۔ حماد گھر سے کیا چلا گیا..... می کے بیروں کا سارا رخ اسی طرف ہے..... بھلا کی طرف کیوں..... سب اسی کی زد میں آتے ہیں۔“ مہیک اُس کر بولی۔ اس کے دل کی ایک بیٹھمس ہو گئی۔

”تو کیا..... حماد..... حماد چلا گیا؟“ حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے وہ دھک دھک کر رہی تھی۔

”ہاں.....“ مہین بھی نا پس..... وہ ادھر تھا تو جب بھی انہیں پسند نہیں تھا..... اور اب چلا گیا تو بھی سارا دن اسے یاد آ رہا وہ دیتی رہتی ہیں۔“ مہیک نے برا سا منہ بنایا لیکن وہ شرمس کر بولی۔ ”اب وہ سننے کے لیے موجود نہیں لیکن می اب بھی اپنا غبار اس پر نکالتی رہتی ہیں۔“

مہین اب بھی وہاں کڑھی تکی نہیں چھپے وہاں موجود ہی نہیں تھی اسے عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔ حماد اس کے کہنے پر یہاں سے چلا گیا تھا خدا کرے اسے اس کی کشیدہ عزت مل جائے مگر آتے وقت ایک ہی دعا اس کے لبوں پر تھی۔

”خدا یا..... اسے اپنے فیصلے پر کبھی پچھتانے نہ دینا..... اس کے راستوں کے کاٹنے جن کر اس کی راہ میں پھول بچھا دینا۔“ اور پھر یہ دعا اس کے لبوں سے چپک لی تھی۔

وقت گزرتا رہا..... آپا کی شادی ہو گئی تھی۔ اماں اور ابا کچھ زیادہ ہی بوڑھے ہو گئے تھے۔ مہین ایک کالج میں پھنچ گئی۔ مہیک کی بہت بڑے صنعت کار کے بیٹے سے شادی ہو گئی تھی اور وہ آسٹریلیا چل چکی تھی۔ اماں و ابا کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ مہین کا کالج میں جس جگہ لیکن خدا کی طرف سے دیر کی کڑھی بھی شش آتا اس میں کوئی ایسا ضرر و ہوتا کہ اماں، ابا کے دل کو نہ بھاتا۔ مہین نے اپنی زندگی کے تمام اختیارات اماں، ابا کو دے رکھے تھے۔ وہ اپنی زندگی کے شب و روز سے مطمئن تھی۔ یہ جواب اس

کے مزاج کے مطابق تھی۔ وہ کوشش کرتی کہ لوہے کیوں کوسر کتا میں نہ رہتا ہے بلکہ ان کو اخلاقی تعلیم بھی دے، اس کی رہنمائی کرے اور ان کی تربیت میں اہم رول ادا کرے وہ اپنی اپنی عادات کو بنا کر سارے کالج میں مقبول بنی گئی کالج بھر میں اسے پسند کیا جاتا تھا۔

ان دنوں ایک سرٹریڈی ہو گئی۔ مہیک کی اپنے شوہر سے نہیں بچھڑی اور وہ طلاق لے کر آسٹریلیا سے واپس آ گئی۔ شادی کے دو سال بعد یہ رشتہ ختم ہو گیا۔ مہیک کا کوئی بچہ نہیں تھا۔ حساس مہین کو مہیک کی طلاق سے بہت دکھ ہوا لیکن مہیک کو کوئی خاص پروا نہیں تھی۔ وہ اپنے شوہر کی مسلسل برائیاں کرتی رہی اور اسے گلوغلاشی کو اپنی خوش قسمتی سمجھ کر ہی فریہ آتی اگرچہ پریشان تو لگ رہی تھی لیکن ظاہر نہیں کر رہی تھیں جبکہ مہین تو مہیک کے گلے لگ کر بے اختیار رونے لگی تھی۔

”ارے پاگل..... مہیک فحش کر بولی۔“ اس میں رونے کی کیا بات ہے۔ قہر سے بندھ چھوٹا ہے تو اسے اور اس کے نشتے داروں کو خوشی ہوئی ہے اور تم میری آزادی پر خوش ہونے کے بجائے رورہی ہو۔“ مہین نے شرمندہ ہو کر اپنے آنسو پونچھے۔

”چلو..... میرے کمرے میں..... میں تمہیں اپنی آسٹریلیا کی شاپنگ دکھاتی ہوں۔“ مہیک اس کے کمرے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ حیران پریشان ہی مہین کو وہ سمجھتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف لے گئی۔ ایک سال عریض بیت گیا..... اس دن مہین کو فریہ آئی نے بلایا تھا مہین حیران ہی کہ فریہ آئی اسے کیا کہنا چاہتی تھی۔ اگرچہ وہ مہیک سے اکثر اوقات ملنے چلی جا یا کرتی تھی۔ اب وہ کالج سے اتنی تھکی ماری گھر آئی کہ چاہتے ہوئے بھی جلدی جلدی مہیک سے ملنے نہیں جا سکتی تھی لیکن اس دن جب فریہ

اس کا گھر دو بار بس چائے۔ کھانا کھا کر وہ فریہ آہنی کے گھر پہنچی آہنی نے اسے گلے لگا کر بوسا دیا اور اپنے پاس بٹھالیا۔

”آہنی! مہک کہاں ہے؟“ اسے مہک سے ملنے کی بات تھی۔

”مل لینا بھئی مل لینا..... وہ اپنے کمرے میں ہے لیکن پہلے میرے پاس تو بیٹھو“ فریہ آہنی ہنس کر بولیں۔

”آہنی! مہک کو آپ نے اس رشتے کے بارے میں بتایا، اسے اعتراض تو نہیں ہے؟“ وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

”ہمیں..... اب اس کے کس بل نکل چکے ہیں۔ میں نے اسے سمجھا دیا ہے کہ میرے اور اس کے ڈیڑے کے بعد وہ ایک بغیر کسی مرد کے اپنی زندگی کیسے گزارے گی۔ ویسے تو وہ بالکل راضی ہے لیکن کچھ باتیں بھی تم ہی اسے سمجھانا۔“ فریہ آہنی نے اسے خوش خبری سنائی۔ کچھ دیر بعد مہک کے سامنے بیٹھی تھی۔

”ابھی اماں کی باتوں سے میں متفق تو ہوں لیکن ایک گورنمنٹ سرورٹ کی کتنی ملری ہوگی..... تم تو میرے شوق جاتی ہو۔ کیسے گزارہ ہوگا میرا۔“ مہک اسے کہہ رہی تھی۔

”مہک! وہ یقیناً تمہارے شوق افروز نہیں کر سکے گا..... تم کو ہی اپنا آپ بدلانا ہوگا۔ میرا خیال ہے تم اپنی شاپنگ کبھی ہو کر آ کر میں ہوتی تو شاپنگ کے نام سے ہی دور ہو جاتی۔ بس اب تم کو کھر بیٹھنا ہے۔ گھر کتنی سنبھالنا ہے اور بچے پیدا کرتے ہیں۔“

”دہات!“ مہک چیخ کر بولی۔

”ابھی مہک! تم کو کتنے ایک اچھی بھوی ہوئے کی یقین دہانی نہیں کر اؤ گی تو میں اس بات کو نہیں ختم کر دوں گی اس لیے کہ اگر میں تمہارے ساتھ اچھا کرنا چاہتی ہوں تو مجھے اس معصوم لڑکے سعد کے ساتھ بھی

دل میں دعا مانگتے گی کہ خدا کرے اسے مہک کی پہلی شادی اور طلاق پر اعتراض نہ ہو۔

بات چیت شروع ہوئی۔ اس کی زیادہ تر باتوں کا جواب فراز دیتا رہا۔ سعد مہک کے خاموش بیٹھا تھا۔ مہک کی ڈھیر ساری تقریروں کے بعد اس نے دے گفتوں میں مہک کی پہلی شادی اور طلاق کے بارے میں بتا دیا جسے نہ کر وہ دونوں چونک گئے۔

کچھ دیر ماحول پر براغیر فطری سائنس طاری رہا۔ پھر فراز نے تھمھ کر اس سے مہک کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ مہک نے بڑی سچائی سے مہک کا نام اس کا ٹیکہ گراؤنڈ اور وہ سب کچھ بتا دیا جو کوئی نثار شہتہ بتانے کے لیے ضروری ہوتا ہے حتیٰ کہ ان کی امارات کے بارے میں بھی تفصیلی بات کی۔

فراز نے ہی سوچنے کا ٹائم لیا جبکہ سعد بالکل خاموش تھا۔ جاتے جاتے سعد نے بڑی گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ ماہین بری طرح الجھنے کی آخر یہ بعدہ اتنا ششاس کیوں لگ رہا ہے لیکن دماغ میں کوئی ٹھنکن نہیں بیج رہی تھی۔ تھک کر اس نے اپنا ذہن اس کی طرف سے ہٹالیا اور مہک کے بارے میں سوچنے لگی۔

آہنی نے یقیناً مہک سے بات کی ہوگی۔ چائے اسے کاؤٹر ٹیکل کیا ہوگا۔ ان ہی سوچوں میں گہری جھ وہ گھر گئی تو اس نے اس سے پہلی بات یہی کی۔

”مہک تم سے ملنا چاہتی ہے۔ دو بار مہک نے فون کیا ہے اور ایک بار بھجری آہنی نے..... وہ مہک سے ملنا چاہتی ہیں۔ میرا خیال ہے وہ تمہارے لائے ہوئے رشتے کے بارے میں کچھ کہنا چاہیں گی۔“

اماں سے وہ کبھی کوئی بات چھپایا نہیں کرتی تھی سو یہ بات بھی اس نے تفصیل سے اماں سے کہی تھی اور اماں نے اسے کسی ایسی کوشش سے منع نہیں کیا تھا کہ ان کو بھی مہک سے ہمدردی تھی اور وہ چاہہ رہی تھیں کہ

مہک کی رضامندی سے پہلے ماہین اس لڑکے سعد سے ملنا چاہتی تھی۔ اس کے دل میں یہ ضد شہ بھی تھا کہ کیا چٹا لڑکا کسی مطلقہ لڑکی سے شادی نہ کرنا چاہتا ہوں۔ اس کی آئینہ دل کوئی کنواری لڑکی ہو۔ بہر حال اب تو اس کام میں ہاتھ ڈال لیا تھا۔ اسے اب پورا کرنا ہی تھا۔ ویسے بھی اس کی بھجری ابھی کسی گھر کی مدد کے لیے پیش پیش ہوئی اور یہاں تو معاملہ اس کی دوست مہک کا تھا۔ فراز نے اپنا تسلی نبر پھینک دے اور قاسم ماہین نے اسے فون لگالیا۔

”فراز صاحب..... کیا آپ اور سعد صاحب مجھ سے ملاقات کر سکتے ہیں۔ میرا مطلب ہے اسی سلسلے میں جس کی آپ نے بات کی تھی۔“

”جی..... کیوں نہیں۔“ وہ بڑے ہٹاش لہجے میں بولا۔ غالباً اسے امید نہیں تھی کہ ماہین خود اس سے رابطہ کرے گی۔

”کیا ہم کالج آجائیں؟“ وہ پوچھنے لگا۔

”ہاں.....“ وہ سوچتے ہوئے بولی۔ ”کالج تو ایسی باتوں کے لیے مناسب جگہ نہیں ہے لیکن..... کیا کیا جاسکتا ہے۔“ اسے گھر میں آپ کو نہیں بلا سکتی آپ ایسا کریں..... چٹائی کے بعد آجائیں۔ میں انتظار گاہ میں آپ کا وین کر دوں گی۔“

مقررہ وقت پر فراز اور سعد آگے سعد کو کچھ کر وہ چونک گئی لگتا تھا کہ سعد سے پہلے بھی کہیں مل چکی ہے۔ اسے اس کی صورت ششاس لگ رہی تھی لیکن ذہن پر تڑو دینے کے باوجود اسے یاد آیا تو اس نے سمجھ لیا کہ شاید وہ کسی کے ڈھٹلے کے سلسلے میں آیا ہو اور اس کی صورت اس کے ذہن میں محفوظ نہ ہو۔

کالے رنگ کی قمیض شلوار پہنے اس نے سلیٹے سے بال بھانے تھے۔ چہرے پر بڑا سکون اور دھیمی سی مگر ماہٹ کھیل رہی تھی۔ روانہ وہ جاہت کا وہ دو جوان اسے مہک کے لیے ایک بہترین تحفہ لگا اور وہ دی

مہک کے لیے یہ رشتہ مناسب تو لگا تھا لیکن کیا خبر آہنی کو پسند نہ آئے یا مہک خود ہی ایسا رد قبول نہ کرے کیونکہ وہ تو ایسی لڑکی تھی کہ سپر ان کے ہاتھ کا مکمل تھا جبکہ ایک گورنمنٹ سرورٹ کی تنخواہ کتنی ہو سکتی ہے اور مہک اس پر کتنا پیش کر سکتی ہے۔ وہ سوچ میں پڑ گئی پھر اس نے سوچا کہ پہلے آہنی سے بات کر لے۔ جب اس نے فریہ آہنی سے بات کی تو اس کی توقع کے برعکس وہ بے طرح خوش ہو گئیں۔

”ارے ماہی..... تو تم ہی معاملے میں دیر کیوں کر رہی ہو! آج کل کتنے رشتے کہاں ملتے ہیں۔ کہیں کوئی اسے لکڑ پتی ہی نہ کر دے“ میرا مطلب ہے آج کل لڑکیوں کی مائیں تو اچھے لڑکوں کے لیے سنبھری جال پھیلائے رکھتی ہیں۔ کہیں وہ کی جال میں نہ پھنس جائے۔“

وہ آہنی کے جوش و خروش کو جرات سے دیکھ رہی تھی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ آہنی اس رشتے کا سن کر اتنی خوش ہوں گی میری بات صرف فریہ آہنی کی نہیں تھی اصل فیصلہ تو مہک نے کرنا تھا۔

”آہنی..... مہک کو تو کوئی اعتراض نہیں ہوگا نا.....؟“ وہ جھجک کر بولی۔

”کاہے کو ہوگا اسے اعتراض..... ایک سرابیہ کار سے شادی تو ناہ نہیں سگی، اب یاد دوسری بار پچھنا دکھائے گی..... اور سنو۔“ وہ اس کی طرف جھجک کر راز دواوی سے بولیں۔ ”اب اس کے ہوش ٹھکانے آئے ہیں پہلے جیہاد غم نہیں رہی تھی اس میں۔ سارا دن اپنے کمرے میں بند ہو کر سینگاٹے تھی رات ہی ہے۔“

”چھ!“ اسے جرات ہوئی۔ ”ابھی صرف وقت کے باعث وہ کافی دنوں سے نہیں کی تھی۔“

اس وقت بھی اس کا مہک کے ملنے کا موڈ نہیں تھا کہ اچھا ہے آہنی یہ بات اس سے کریں۔ اس نے سوچا اور آخری سے اجازت لے کر گھر آگئی۔

لڑکے سعد نے نہیں اس کے دوست فراز نے کی تھی۔
سعد جب قسم سے بات کرنے آیا تو اسے تم پسند آئیں
اور اس نے اپنے دوست کو قسم سے بات کرنے بھیجا اور
تمہارے گھر اپنا رشتہ بنوا دیا۔ ”اماں سوچ بھرے سچے
میں بولیں۔

”ک۔ کیا۔۔۔؟“ وہ بری طرح اچھل پڑی
اور بے چینی سے اماں کی طرف دیکھنے لگی۔

”ہاں! بھئی! آج ایک سو بری چیز عری
خاتون کی تھیں۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ سعد ان کا بڑی
ہے، وہ پولیس میں انسر ہے اور بہت اچھا لڑکا ہے، وہ
اس کا رشتہ اس کی خواہش پر لے کر آئی ہیں تمہارے
لیے۔“ اماں بولیں۔

ماہین کا سر گھومنے لگا تھا۔ آج کل اس کے لیے
بھانت بھانت کے رشتے آ رہے تھے لیکن اس نے کسی
رشتے کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ ابھی بات یہ تھی کہ
اماں، ابا کو بھی ابھی تک کوئی رشتہ نہیں بنایا تھا اور اس
کی انکار کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اور اب یہ رشتہ۔

”اماں! اگر پہلے یہ رشتہ آجاتا تو کچھ سوچا
جاسکتا تھا لیکن اب۔۔۔ اب فریہ آئی اور ہم کو پتا
چلے گا تو یہ سیدہ سہیا بوجھ پرانوں کا گمراہی کی کسا چھا
رشتہ دیکھ کر میں بے ایمان ہوئی ہوں۔ نہیں اماں،
آپ فوراً سے یہ خیر نشان خاتون کو انکار کریں۔“ وہ
رسان سے اماں کو کھانے لگی۔

”ویسے مجھے یہ رشتہ اس لیے پسند آیا کہ وہ
خاتون سعد کی بہت زیادہ تعریفیں کر رہی تھیں۔
میں اور تمہارے بابا تمہارے لیے ایسے ہی شریف
لڑکے کی خواہش رکھتے ہیں لیکن تمہاری بات میں بھی
وزن ہے۔“ اماں سوچتے ہوئے بولیں۔

”اگر یہ رشتہ کسی پریذینٹ کا بھی ہوتا تو میں اسے
قبول نہیں کرتی میں فریہ آئی اور ہم کی نظر میں
معاذ اللہ! بیکہ۔۔۔ جون 2012ء

گر تمہیں جانتی تھی۔۔۔ آپ ان کو انکار کریں۔“ وہ
اماں کو چوتھا چھوڑ کر اپنے کمرے میں پہنچ کر اپنے چلی
گئی لیکن اس بری طرح آپ سیٹھی کے بھوکے
باوجود اس نے کھانا تائیں کھایا اور سوچتے سوچتے جانے
کہ وہ نیند کی دایوں میں اتر گئی۔

اماں کی آواز نے اسے جگا دیا۔ مندی مندی
آنکھوں سے اماں کو دیکھتے ہوئے وہ نیند بھری آواز
میں بولی۔ ”کیا ہے اماں۔۔۔؟“

”مہمان آئے ہیں بھئی۔۔۔ تمہیں پوچھ رہے
ہیں۔“ وہ اٹھ کر دوش روم میں چلی گئی۔ اکثر لڑکیوں
سے والدین کوئی ناگوئی مسئلہ لے کر آتے تھے، جسے گھر
بجی کالج۔ اس نے سوچا، ایسے ہی کوئی مہمان ہوں
کے بھی تو اسے پوچھ رہے ہیں۔ لیکن ڈراما گھر روم
میں گھسے ہی اسے پوچھ رہے تھے، اس نے ان کے سامنے
صوفے پر سعد اور فراز بیٹھے تھے۔ اسے دیکھ کر وہ صدمی
اس کی تعظیم کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ دم صدمی
ہوئی، یہ دونے دل حرکت کرنے سے انکار کر دیا، سر

گھومنے لگا اور وہ تھوڑی سی ہم بھی گئی کہ یہ لوگ گھر
تک پہنچ گئے تھے۔ پہلے تو اس کا دل چاہا کہ انہیں
کھری کھری سنا کر سیدھا سمجھاؤ باہر کا دروازہ
دکھادے لیکن اسے اخلاقیات کی جو تعلیم دی گئی تھی وہ
اسے کی انتہائی احترام سے روک رہی تھی اور ہر گراماں
کی نصیحت تھی کہ گھر آئے دشمنوں کا بھی لحاظ کرو سوا یک
ٹھنڈی سانس بھر کر ان کے سلام کا جواب دے کر وہ
اُن کے سامنے والے صوفے پر ٹپک گئی۔ نوش کے
باوجود وہ چہرے پر کوئی نرم تاثر لانے میں ناکام رہی
تھی۔ سعد سمجھا کہ بیٹھا تھا جبکہ فراز کے چہرے پر
شرمندگی تھی اور وہ بات کرنے کے لیے الفاظ کا
انتخاب کر رہا تھا۔

”آپ کچھ کہنے آئے ہیں؟“ جب وہ کافی دیر
تک کچھ نہ بولے تو دو گئے سچے سچے وہ خود ہی بول

پڑی۔

”سچ۔۔۔ جی۔۔۔ جی ہاں۔“ فراز بولا جبکہ سعد
کی نگاہیں کچھ اور ذہین پر چمک نکلیں۔

”دراصل ماہین جی۔۔۔ تم آپ کو کچھ بتانے
آئے ہیں۔ ایک حقیقت بتانا چاہتے ہیں ہم آپ
کو۔۔۔ کہ اگر آپ کو کوئی فیصلہ کریں تو اس حقیقت کو
سامنے رکھ کر کریں۔“ وہ عقیدہ لہجے میں رک رک کر
کہنے لگا۔

”کیا فیصلہ کروں میں۔۔۔ آپ کیا حقیقت بتانا
چاہتے ہیں۔۔۔ آپ نے کسی فیصلے کرنے بڑا چھوڑا
مجھے۔۔۔ آپ نے تو فریہ آئی آئی اور ہمک کے
سامنے میری حیثیت دو کوڑی کی کر کے دکھادی ہے۔“
ماہین بھڑک اٹھی۔ اس بار سعد نے نظریں اٹھا کر اسے
دیکھا اور پہلی بار کنگھو میں صدمہ لیتے ہوئے دھیمی آواز
میں بولا۔

”آپ کیا سمجھتی ہیں کہ وہ لوگ میرا رشتہ قبول
کر لیتے۔“

”یہ میرا دوسرا تھا۔ وہ لوگ اس رشتے کو قبول
کر چکے تھے۔ اور اب آپ لوگوں کے شہر سے تھے کہ
آپ باقاعدہ رشتہ لے کر آئیں گے لیکن آپ
لوگ۔۔۔ کچھ حیرت سے ماہین نے اسے دیکھا اور
اپنی ناراضی بھرے لہجے میں بولی۔ وہ بات ادھوری
چھوڑ کر چپ ہو گئی لیکن اس کی ادھوری بات میں جو
مطلب پوشیدہ تھا وہ لوگ اس مطلب کو سمجھ گئے تھے۔
حق تو خاموش رہا لیکن فراز اپنا گلا صاف کرتے
ہوئے بولا۔

”ماہین جی۔۔۔ ہمیں معاف کریں کہ کا تجربے
کا دل کی بنا پر ہم سے سارے کا غلط ہو گئے۔
دراصل میری کوئی بہن نہیں تھی جس میں داخلہ دلانا
پڑتا تھا۔ صرف اور صرف آپ سے ملنا اور وہ درم
پڑا تھا۔“

”مم۔۔۔ مجھ سے؟“ اُسے حیرت کے ماہین کی
آنکھیں پھل گئیں۔ ”آپ لوگ مجھ سے کیوں راہ و
رسم پوچھنا چاہتے ہیں؟“

اس سے تو بات کرنی مشکل ہو رہی تھی۔ اس
نے اپنی ساری زندگی بڑی صاف ستھری گزاری تھی۔
ہر قسم کی آلودگیوں سے اپنا دامن صاف رکھا تھا۔ اس
کے کردار کی چٹائی کی مثالیں دی جاتی تھیں اور اب
یہ۔۔۔ مارے رنج کے اس کی روح فنا ہونے لگی تھی۔
وہ پہلی بھئی نظروں سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

”اگر ہر ڈائریکٹ آپ کے متعلق بات کرتے تو
یہ کینیڈن نہیں ہوتی اور پھر ہم نے دوسری غلطی یہ
کر لی آپ کو آپ کے کھر کھج وراثت کے لیے۔۔۔
یہ بھی غلط تھا جبکہ آپ کی طرف سے کین سکل نہ
ملے تھیں یہ قدم نہیں اٹھانا چاہیے تھا۔ بس اس لیے ہم
خود حاضر ہو گئے کہ ساری کینیڈن دور کر لیں اور تو
ماہین کے شے کا ٹھکانا نہیں رہا۔ وہ اماں کی مہمانوں
کے متعلق ساری ہدایات بھول گئی۔

”ہوش میں تو ہیں آپ۔۔۔ آپ کو احساس ہے
کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔“ اس کی آنکھیں شعلے
برس رہی تھیں اور اس کی زبان آگ برسا رہی تھی۔
اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ان دونوں لڑکوں کو اپنے
گھر سے نکال باہر کرے۔ سعد تو اس کے شے کے
آگے کچھ کہیں بولا لیکن فراز دھیمی آواز میں بولا۔

”ہم نے آپ نے معافی مانگ لی ہے مس
ماہین اور اپنی غلطیوں کا اعتراف بھی کر لیا ہے لیکن ہم
نے آپ کا رشتہ مانگا ہے۔ کوئی غلط کام نہیں کیا۔“
”رشتے ایسے لگتے جاتے ہیں۔ اس طرح غلط
طریقے سے کسی کو گمراہ کیا جاتا ہے۔“ وہ بھڑک کر
بولی۔

”دراصل ہمارا کوئی بزرگ نہ تھا جو اس سلسلے
میں ہماری رہنمائی کرتا۔۔۔ بس ہم سے غلطیاں ہوتی

”آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں اور..... آپ کی اسلیت کیا ہے؟ کیا وہ آپ کو جانتے ہیں؟“ اس کے ڈر پر حیرت غالب آگئی..... وہ سوال پر سوال کیے جا رہی تھی۔

”جی ہاں! اچھی طرح جانتے ہیں وہ مجھے کیونکہ میرا بچپن اور جوانی کا کچھ حصہ بھی ان کی ٹھوکروں میں گزرا ہے۔۔۔۔۔ اور یہ آپ بھی اچھی طرح جانتی ہیں۔“

”کیا؟؟؟“ وہ ہنسا کا اس کامندہ کیسے لگی۔ اس کی دھڑکنیں معدوم ہونے لگیں اور سر بری طرح سوچنے پھرانے لگا۔ کتنی دیر تو اس سے کچھ بولا نہیں گیا۔ سوچنے کی بجائے اور بولنے کی بھی صلاحیت ختم ہو کر رہ گئی تھی لیکن اچانک جیسے اس کے ذہن میں کلک سا ہوا۔ وہ ہلکا کر بولی۔

”ج۔ حادو، تم حادو ہو۔“ اسے اب حساس ہو رہا تھا کہ سرحد کی صورت اسے جانی پہچانی سی کیوں لگ رہی تھی۔ حالانکہ حادو اور سرحد میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ وہ دیکھ نہ سکا حاد جس کے چہرے پر ہمہ وقت عاجزی اور مسکینیت پھائی رہتی۔ جو جبکہ گھر والوں کا بے دام غلام تھا۔ جس نے کبھی فریاد نہیں کیا تا جا نیز اور غلط باتوں کا ہلک کر کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ جو اسے جانے کے لئے اٹھ کر تاتا تو انکار کرتا تھا۔

تلا تھا۔ کسی کی موعظ میں یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ وہ
کا تبھنا بھی ہو سکتا ہے۔ یہ سن کر سیدہ..... نے پولیس
فرس جس کے چہرے پر خود اعتمادی کی گہری چھاپ
ہے۔ جو جھجکی کے بات کرتا ہے اور خطاب کا دل
یت لیتا ہے۔ مابین چھٹی چھٹی نظروں سے اسے یک
کھ کر دیکھ رہی تھی۔

”میں تو شاید اس آگ میں بھسم ہو جاتا.....
 ماری عمر چچا کے گھر کی چاکری میں گزر جاتی..... اگر
 یہ مجھے راستہ نہ دکھاتیں..... آپ کا دکھنا ہوا راستہ

ماہین چپ ہو گئی۔ وہ بار بار اپنی انگلیوں کی
عافی مانگ رہے تھے اور شرمندہ تھے۔ ماہین کو اپنا
بڑھ بڑھ کر پلونا بھی اب اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اگر
ایک بندہ اپنی عقلی تسلیم کر کے عافی مانگ لے تو پھر
یقیناً دوسرے کو عافی دے دینی چاہیے۔ اب بھی اگر
کسی سوال تھے جو ماہین کو پریشان کر رہے تھے۔ مثلاً
یہ کہ سعد اس سے کیوں رشتہ جوڑنا چاہتا تھا اور اس کے
لئے انہوں نے اتنی لمبی پلانک گئیوں کی۔ وغیرہ
وغیرہ..... لیکن اب اس نے مزید بات بڑھانی
مناسب نہیں سمجھی اور بات ختم کر کے ہوئے لوٹی۔

”اوکے..... میرا خیال ہے اس بات کو یہیں ختم کرتے ہیں۔ اگر آپ لوگ چائے پینا چاہیں تو میں چائے بھجوا دیتی ہوں! اب اگر نہیں ہیں رنر وہ آپ کو کہیں دیتے۔“ وہ صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی اس کا خیال تھا وہ لوگ بھی اس کے ساتھ ہی کھڑے ہو کر اجازت لیں گے لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا بلکہ رنر سنجیدگی سے کہنے لگا۔

”آپ بیٹھیں مایہن جی..... ابھی تک تو وہ بات ہوئی ہی نہیں جسے آپ سے کرنے کے لیے ہم بطور خاص آئے ہیں۔“

”کیا.....؟“ اس کی دھڑکیں بے ترتیب ہوئیں۔ ”کیا ابھی کچھ کہنا باقی ہے؟“ اسے ابھن کے ساتھ ساتھ پریشانی بھی ہونے لگی۔ ایک پولیس فرائسے کی کسی میں گھیرنا چاہتا ہے کیا..... وہ بیٹھ گئی اور پریشان سی ہو کر انہیں دیکھنے لگی جبکہ ایک فرائس کے بجائے سعد بولا۔

”آپ ابھی کہہ رہی تھیں کہ مہک اور فریدہ آغشی کو آپ نے اس رشتے کے لیے آمادہ کر لیا ہے لیکن اگر میری اصلیت جان لیتیں تو اس کے لیے کبھی آمادہ نہ ہوتیں۔“ وہ غنڈہ گی سے کہہ رہا تھا۔

CIO • ایملہ پاکستانیزہ جون 2012ء

نیکو ساری زندگی عاشق و محب کو ملاں ہی کھاتے رہنا آخر کہاں کی عہد ہے؟ آج کل جو انسان صرف شوگر کی وجہ سے بے حد پریشان ہے۔ شوگر موڈی مرض انسان کو اندری اندر کھوکھا کر دیتا ہے، جان اور کارنامہ کو اعصابی طور پر کمزور دیتی ہے حتیٰ کہ شوگر کی مرض جو انسانی زندگی ضائع کر دیتی ہے شفاء مناجاب اللہ سے ایمان کے جذبہ خدمت انسانیت سے بیمار ہو کر ایک طویل عمر صدمہ مریض، تحقیق کے بعد بھی یونانی قدرتی جڑی بوٹیوں سے ایک ایسا خاص قسم کا پربل گرونگ ٹرانسپلانٹ کوکس ایجاد کیا ہے۔ جسکے استعمال سے آپ کے پریشان ہیں اور نجات چاہتے ہیں خود خدا آج ہی گر کوکس مکمل کریں۔ اور ہماری طبیائی کوکس ڈاک VP کی روپیہ نجات

(دیسی طبی یونانی دواخانہ)

0300-6526061
0308-6627979
0547-521787

آپ ہمیں صرف فون کریں
شوگر کو رس آپ تک ہم پہنچائیں گے

ہے۔ ”وہ خاموش ہوا تو فراز جلدی سے بولا۔

”اور باہین بی اس کی دستوں کا اس کی ہتھوڑوں
کا اس کے عشق کا میں کوادھوں..... یہ بھی بچی آپ کو
نہیں بھولا لیکن اپنی تمام تر ہتھوڑوں کے پاؤ وجود ہے آج
بہت نہیں روکتا کہ آپ کو کوئی زندگی کا سامنا بنائے گی
ساری عمر آپ کی خاموش محبت کے سہارے زندگی
گزارنا چاہتا تھا مگر میں اس کا دکھ نہیں دیکھ سکتا تھا سو
میں نے اسے اس پر ادھر کر لیا کہ آپ کو اپنی شریک
حیات بنا کر اپنی بات سمجھ سکے گا کیا ہی ہے ہمنا نہ کرے
دوسرے مقصد کے لیے باقی پانچ میری اسی حاجت جو تیرے
کارٹی سے غلط ہو رہا تھا بلکہ غلط ہو رہا ہے۔“

وہ کسی کئی بے بسی طرح بھیجی تھی۔ مگر احساس تک نہیں ہوا تھا کہ وہ بے ضرر رہا..... معصوم سافٹشس اس کی محبت میں گرفتار ہو چکا تھا۔ وہ تو سب کے ساتھ سمجھا کرنے والی لڑکی تھی حماد کے لیے اس کی بے باوری پر کمر چڑھتی.... پھر اس نے اسے ایک ایسا راستہ بتا دیا جس پر چل کر وہ اپنی عزت نفس کو مزید متعلق جتنی ہونے سے بچاسکتا تھا لیکن اسے یقین نہ تھا کہ وہ اس کی بات کو ناپائیدار دے گا۔ اس کے لیے یہ شفی اور فرنگی باتیں تھیں کہ حماد نے اس کی بات کو ناپائیدار کیا اور اپنے بچپا کا گھر چھوڑ دیا بعد میں وہ اسے مل گیا۔

مل گیا میں یاد کرتی رہتی کہ وہ اس کے مشورے پر اس کا گھر چھوڑ گیا تھا تو اس کے ساتھ سب اچھا ہو لیکن بدشده پہنچنے پر حانہ کے سلسلے میں اتنی مصروف ہو گئی کہ آہستہ آہستہ حاد کو بھول گئی تھی ۔ اگر وہ اسے بیشدہ بھی رکھتی تو حماد اور سعد میں اتنا زیادہ فرق تھا کہ وہ اسے پہچان نہ پاتی ۔

”ہم اب چلتے ہیں مابین جی..... آپ اچھی طرح سوچ سمجھ کر نہیں جواب دیجیے۔ ہماری غلطیوں کو نظر انداز کر دیجیے۔ دراصل ای، ابو میرے بڑے کی بہکے پاس ابریکا گئے ہوئے ہیں ورنہ امی سارا

”اگر وہ لگے گا۔“ وہ ایک لمحے کے لیے راکر اور پائین
 حیران چہرے پر اپنی نظر دوڑاتے ہوئے بولا۔
 ”بات میں وہاں سے شروع کروں گا جو میری
 ہلکی کانٹاریک دور تھا۔ نیچے کے کمر میرا رہا۔ اس
 دن اور اگلے اگلے جیسے کمر میں ادا ہو گیا
 ایک ہوتا اور اسے تو خیر نام ہی اندر سے کا ہے
 میں جب آپ ہاں آئیں تو مجھے لگا جیسے اندر سے
 روشنی کی کرن چمک اُٹھی ہو۔ جیسے تاریکیاں چھٹ
 گئی ہوں۔ آپ کے چہرے پر بھرپوری کی جھلک دیکھ
 کر مجھے چچی کی مسکراتی آنکھوں کی یاد آتی تھی۔
 میں آپ کو بھی سوچتا۔ لیکن میں ڈر ڈر کر سوچتا
 تھا کہ میری سوجھ بوجھ کو اپنی کو بھجھ بھی دینی
 دیر ہو۔ وہ حشر کی سی کہ میں نے ہمک کی دوست کو
 ہند کرنے کی جرات کیسے کی؟ اس کی آواز بھرا گئی
 ہے۔ وہ اس دور میں چلا گیا تھا۔ لیکن جلد ہی اس نے
 کو دیکھنا اور اسے بھرنے کی آواز میں ملنے لگا۔

میں..... میں اور میرا دل اس بات پر قادر نہ
 کہ میں آپ کے متعلق نہ سوچتا..... سوؤر ڈر کر
 فرخہ ہو کر ہی سما لیکن ان اندر میرے پلوں میں
 آپ ہمیشہ روشنی بن کر میرے آس پاس رہیں۔
 نے پہسا گیا ہوا کہ آپ نے مجھے زندگی کا وہ راستہ
 پایا جس نے میری زندگی بدل دی..... آپ کوئی
 کر میں اور میں ناناں ہی کیسے ہو گا کھٹا سنا جاتا
 یائین کی آپ نے میرے ساتھ جو کیا وہ ہمہدوی
 لیکن میں..... میں نے جو کیا..... وہ کچھ
 سا ہو کر بولا۔ ”سب محبت میں کیا..... ملک عشق
 تو میں جب چچا کے گھر سے نکلا تو آپ کا تصور
 کے ساتھ ساتھ تھا..... اور تب سے کہ آپ تک
 آپ کا تصور ہمیشہ میرے ساتھ رہا ہے اور آج اگر
 آپ کے سامنے بیٹھا آپ کو اپنا حال بدل نہا
 رہا ہے غور انچاہوی بھی بیچھا کہ آپ کے تصور بننے دی

ہوئے خاطر میں نہ لاتے تو آج جیت آپ کا مقدر نہ ہوتی لیکن خیر..... یہ سب چھوڑیں اور یہ بتائیں کہ
آب حماد سے سعد کیسے بنے؟“

”میرا اصل نام سعد حماد ہے۔ اسکول کے...
ہفتیت میں یہ نام لکھا ہے لیکن چچا کے گھر والے مجھے
حماد کہہ کر بلاتے رہے جبکہ اسکول میں مجھے سعد کہا جاتا
تھا“ وہ مسکرا کر بولا۔

”اچھا.....“ وہ اٹھتے ہوئے بولی ”میں آپ کے لیے چائے لاتی ہوں۔“

”نہیں مس ماہن.....“ فرار جلدی سے بولا۔ ”ہم چائے ضرور پیئیں گے لیکن پہلے ایک اہم بات آپ سے کرنا چاہیں گے بلکہ میں نہیں..... آپ سے وہ بات ڈائریکٹ سعد کرے گا۔“

”کیا اب کچھ اور بتانا باقی رہ گیا ہے کیا؟“ وہ اٹھتے اٹھتے بیٹھ گئی اور حیرت سے بولی۔

”ہاں، مابین جی..... وہ بات تو رہی کئی ہے جسے ہم بتانے کے لیے آئے ہیں۔“ پھر وہ سعد سے بولا۔ ”سعد..... چلو بات کرو۔“

ماہین کو لگا جیسے سعد کو بات کرنے میں بہت مشکل پیش آ رہی ہو۔ وہ دیر اپنے الفاظ پہنچانے کی کوشش کرتا رہا..... عجیب ایسی اور کئی کئی اس کے چہرے سے عیاں تھی۔ ماہین کو حیرت کے ساتھ ساتھ جس قسم کی گھبراہٹ کا اب سعد احاطہ مزید کیا کہنا جاتا ہے کیونکہ ساری باتیں تو ٹیکسٹر پر تھیں۔ آخر کا جب فراز نے سعد کو ڈھکلائے کر اسے بولے ہر آدمہ کیا تو دھککھا کر بھی آواز نہ کئے لگا۔

”ماہنہ حج..... میں جانتا ہوں کہ آپ کو میری باتیں اچھی نہیں لگیں گی..... آپ کو میری جرأت پر غصہ آئے گا اور شاید آپ ہمیں کھڑے کھڑے اپنے اس ڈرائنگ روم سے نکال دیں لیکن ان تمام خطرات کے باوجود میں اپنے دل کی بات آپ سے کہنے کی جرات

جی جیکہ سعدیؒ کی آواز میں کہہ رہا تھا۔
 ”آپ کی اس دن کی باتوں نے مجھے جیسے نیند
 سے جگا کر رکھ دیا۔ مجھے اپنے وجود سے نفرت ہونے
 لگی کہ میں کیکر ان لوگوں کی چاکری کر رہا ہوں جو
 مجھ پر اپنے منظم کرنے کے باوجود خود کو پُر سمجھ
 رہے ہیں جیکہ میں خود بھی ان کو پُر سمجھ رہا تھا کہ وہ
 مجھے کھلاتے پلاتے ہیں تو مجھے شوکرلوں پر رکھتے کاتق
 ہے ان کو۔ مجھ میں شعوبت بیدار ہوا جب آپ نے
 مجھے سمجھایا..... اور تب میں اس گھر کو ہمیشہ کے لیے
 چھوڑ کر فراز کے پاس آ گیا۔ فراز میرا اسکول کے
 وقت کا دوست تھا۔ مجھ سے پڑھائی چھوٹی تھی لیکن
 فراز اور میری دوستی نہیں چھوٹی تھی۔ میں گھر والوں
 سے چپ کر فراز سے ملا کر اترا فراز میری کتابوں اور
 داخلے وغیرہ کا خرچہ برداشت کرتا رہا کیونکہ میں
 برائیت طور پر امتحانات دے رہا تھا۔ تعلیم حاصل کرنا
 میری خواہش، میرا خواب اور میرا مقصد تھا۔ جب
 آپ نے مجھے نصیحت کی کہ عزت مجھے تب حاصل ہوگی
 جب میں تعلیم حاصل کروں گا تو تعلیم حاصل کرنے کی
 میری دوا کی کچھ اور دوسرے اس سلسلے میں میرے ہر
 قدم کو رد میں کام آنے والے دوست فراز نے میری
 قدم قدم پر ہدایت کی جب میں نے ذیل ایم اے کیا تو
 فراز نے کوششوں کے بعد مجھے پولیس ڈیپارٹمنٹ میں
 جاب مل گئی اپنے کام سے لگن اور محنت نے میری
 راءوں کے پتھر چن لیے اور میں کامیابیاں حاصل
 کرتے کرتے آج ایک باعزت پولیس
 آفسر ہوں۔ لیکن میرے اندر ایک باعزت زندگی
 گزارنے کی خواہش آپ نے پیدا کی اور اسے پھیل
 ک چھپایا فراز نے سوچتے۔ دونوں پرفخر تھے۔“

”نہیں، یہ سب آپ کی جدوجہد، محنت اور محنت کا نتیجہ ہے۔ اگر آپ میری باتوں کو سیریسلی نہ لیتے اور اسے ایک ناگہل لڑکی کی غفلت اور معطلات سمجھتے۔“

”بس اب میں تمہیں سوچنے کے لیے مزید نام
نہیں دے سکتی۔ تم ابھی کے ابھی مجھے جواب دو۔“
”اماں..... میں سعد کے جذبے سے متاثر
ضرور ہوئی ہوں اور جانتی ہوں کہ سعد کے ساتھ میری

”کچھ نہیں بیٹا..... بس تم سے ایک بات کرنی تھی۔“

”اماں..... میں نے آپ سے کہا تھا کہ انہیں انکار کر دیں..... آپ نے ابھی تک انہیں انکار نہیں کیا۔“ وہ شدت سے چونک پڑی اور الجھتے ہوئے بولی۔

وہ سر جھکائے خاموشی سے بیٹھی رہی۔ اماں
 دانی دیر تک اسے سمجھاتی رہیں۔ اسے سعد کا رشتہ
 قبول کرنے کے لیے آمادہ کرتی رہیں۔ وہ چپ
 چاپ اماں کی دلیلیں سنتی رہی لیکن اس نے اماں کو کوئی

رشتے آئے تیرے..... اور سب کو انکار ہی کر دیا۔
اب یہ مناسب نہیں لگا تو انکار کروں گے لیکن اس
سے پہلے کبھی تو کسی رشتے کے لیے اتنی پریشان نہیں
ہوئی پھر اس بار.....“

ایک ہفتہ بغیر کسی خاص واقعے کے گزر گیا۔
 مہک اور فریدہ وہ نئی نئی اسے جبر نہیں پایا تھا۔۔۔ شاید
 اس کا نہ جانا انہوں نے اپنے لیے اکا مسئلہ بنایا تھا
 اور ناراضی کے اظہار کے طور پر اسے نہ اپنے ہاں پایا
 تھا نہ ہی مہک اس کے گھر آئی تھی۔ وہ کسی اپنی
 مصروفیات میں مگر کہ قیود پر ساری باتیں بھول
 بیٹھی تھی کہ اس وقت جب وہ کالج سے گھر کی تو امان کو
 کسی گہری سوچ میں ڈوبے دیکھا۔ بیچ کر کے وہ
 امان کے پاس آئی تو امان اپنی گہری سوچ میں تھیں کہ
 اس کا آج بھی محسوس نہیں کر سکیں۔

”کیا بات ہے اماں..... کیا سوچ رہی ہیں؟“
محبت سے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر وہ بولی تو

کچھ سنبھال لیتیں پھر ہم سے اس طرح غلطیاں نہیں
ہوتیں۔“ فرزانہ سے سوچوں میں ڈوباد کہہ کر بولا۔
اس میں اتنی ہمت نہیں کی کہ وہ انہیں ایک کپ
چائے پینے کے لیے روک لیتی۔ وہ صدمہ کم کھڑی رہی
اور وہ دونوں خدا حافظ کہہ کر کھلے دروازے سے باہر
نکل گئے اور وہ خالی الدینی سے سختی دیر خالی دروازے
کو دیکھتی رہی۔

”جی! اگر وہاں آئے تھے وہ کیا اسٹوڈنٹ
کے رہتے تھے؟“ رات کو ان سے پوچھا۔ وہ کچھ
تھوپی بس خالی خالی نظروں سے ان کو کھنکھری
ہٹاتا تھا۔ ”جی! میں اس کی اسٹوڈنٹ نہیں کی۔
”تو نے انہیں جانے بھی نہیں پائی وہ تو کافی
پرہیزگار رہے۔ میں بھی کام میں تھی مگر جانے کا
سوچنے نہ آئی۔“ چارکا سارا سامان مگھوایا تھا وہی
ڈال رہی تھی۔“

”اے!.....! کہاں گئے ہیں؟ ابھی تک وہاں
نہیں لوٹے۔“ اس نے اگرچہ بات بدلنی نہیں لیکن ابو
کی غیر حاضری اسے پریشان ہی کرتے لگی تھی۔

”وہ کہہ کر گئے تھے کہ جشن لے کر وہ اپنے دوست جاوید خان کی طرف جائیں گے..... اور ابھی فون پر کہا ہے کہ جاوید خان انہیں کھانے کے بتائیں چھوڑ رہے ہیں سو در سے آئیں گے۔“

”اچھا.....“ اسے تسلی ہوئی اور جب وہ کافی دیر خاموش بیٹھی رہی تو اماں کو عجیب سا لگا۔ وہ کبھی اتنی دیر خاموش رہ سکتی تھی۔

کیا بات ہے مامی..... کوئی مسئلہ ہے کیا.....؟“
 ”نہیں اماں..... مسئلہ تو نہیں..... بس آپ
 سے یہ کہنا تھا کہ سعد کی آنٹی دوبارہ آئیں تو آپ
 نہیں انکار کر دیں۔“

”ہاں، ہاں کر دوں گی..... تو ابھی تک اس بات کو لے کر پریشان ہو رہی ہے۔ تجھے پتا تو ہے کتنے

”ماہی..... مہک کی باتوں کا براہ مانو..... تمہیں تو معلوم ہے کہ وہ بہت جذباتی ہے، ابھی اس کا غصہ اترے گا تو وہ کینادہ خود کم سے سواری کرنے تمہارے گھر پہنچ جائے گی۔“ ماہین خاموش بیٹھی رہی، فریہ ادنیٰ نے کچھ دیر اس کے ہونے کا انتظار کراہ کر پولیس۔

ماہنامہ خانگیروز 20.12ء (24)

”تم..... تمہاری جرات کیسے ہوئی..... میرے
 لیے یہ اسنو پڈ رشتہ لانے کی، میں اس شخص سے شادی
 لوں گی جس نے ہمیشہ میری جوتاں سدھی کی تھیں۔“

”کیا مطلب.....؟“ فریدہ آہستہ آہستہ فرمت سے اسے دیکھا جبکہ ہبک بھی حیران ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

”جب میں اس ہندسہ سعد کا رشتہ ہبک کے لیے لائی تھی تو تب مجھے بھی اس کی اصلیت کا علم نہ تھا لیکن اب جو بات میرے علم میں آگئی ہے ضرور دے کہ آپ کے علم میں بھی لائی جائے،“ ماہین نے ندرے سے توقف سے بات شروع کی اور شہید کی یونی۔

”مائی..... تم نے مجھے بہت مایوس کیا ہے، میں تو جہیں بہت اچھا سمجھتی تھی لیکن تم تو لیکچرار بن کر آمانوں اور ان کے لگی ہو..... شاید تم خود کو بڑی توپ

کربانیت لکچر

عقیدہ

سارے کرے میں پھیلے افسانے کے کپڑے یکدم سفید کر دے ہفتے میں بدل گئے، ہر طرف کا فوری خوشبو پھیل گئی۔ ہشتے سکرے چہرے جیسے آنسوؤں سے بھیک گئے، اس نے مدھلائی ہوئی آنکھوں سے باتیں کرتی آیا اور بھائی کی طرف دیکھا اور سر جھکا کر حلق میں انکسائیں پانی پینے کی کوشش کی۔ بھلی بھلی پلکیں جھپک جھپک کر اس نے آنکھوں میں امدت ہوئے آنسو پینے کی کوشش کی پھر اس کو ایسا



اگر کھڑی ہوئی اور فریاد آئی کی کوئی دوسری بات سے بغیر وہ تیزی سے ان کے کمرے سے باہر نکل آئی۔ اماں اس طرح بیٹھی تھیں جیسے وہ انہیں چھوڑ گئی تھی۔ وہ خاموشی سے اماں کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ ”کیا بات ہے؟“ اماں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

”اماں!“ وہ قدرے خاموش رہی پھر دھیمے لہجے میں بولی۔ ”اماں، آپ سعد کو ہاں کر دیں۔“ ”کیا؟“ اماں پہلے تو چونک کر پڑیں لیکن جب ساری بات سمجھ گئی تو بڑی آسودہ سی مسکراہٹ ان کے چہرے پر پھیل گئی۔ اپنی اس مادہ اور خوب صورت دل والی بیٹی سے اماں کو بہت پیار تھا اور وہ

چاہتی تھیں کہ اسے اچھا گھبراٹے اور ایسا قدروان جیون ساقی ملے جو ہمیشہ اسے اس کی خوبیوں کی بنا پر جاتا رہے سعد کا رشتہ یقیناً ایسا رشتہ تھا جس پر وہ آنکھ بند کر کے اعتبار کر سکتی تھیں۔ خوشی کے مارے ان کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے اور وہ جلد سے جلد زینہ خوش خبری ماہین کے ابا کو سنانا چاہتی تھیں لیکن وہ کسی دوست کی عیادت کے لیے گئے ہوئے تھے۔ کمرے میں جاتی ماہین کو آج اپنا چاہنے والا چھٹا کر رہا تھا۔ اسے ایک عجیب سی سرشاری محسوس ہو رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کیا واقعی دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ سعد کا سراپا بار اس کی نگاہوں کے سامنے آ رہا تھا۔ ایک عجیب سا خوش کن احساس ہو رہا تھا اسے باہر سے گنگنائے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اماں جب بھی بہت خوش ہوئیں تو کوئی برانا گانا گنگنائیا کرتیں۔

اماں کو خوش دیکھ کر ماہین کے ہوتوں پر بڑی پرسکون مسکراہٹ دوڑ گئی۔ واقعی جو لوگ کسی کے ساتھ برا نہیں کرتے خدا بھی ان کے ساتھ برا نہیں کرتا ہے۔ اچھائی کا صلہ اچھائی ملا کرتا ہے۔

”آئی..... یہ یاد رکھیں کہ میں سعد کو جماندیں بننے دوں گی..... میں اس کے ساتھ مزید زیادتی نہیں ہونے دوں گی۔ اس نے آپ کے بہت قسم سے ہیں۔ اب اس کو اپنی مرضی کی زندگی گزارنے کا حق ہے اور میں اسے یہ حق دوں گی۔“ یہ کہتے ہوئے ماہین

رشتہ محکم کے لیے جتنا مناسب ہے شاید اتنا کوئی اور رشتہ مناسب نہیں ہوگا۔ ”وہ دم بخود.....“ پکا پکا فریاد آئی کہ مائیک ریجی جیکر فریاد آئی کہہ رہی تھیں۔

”ماہی..... بس تم یہ رشتہ اوکے کرو..... میں محکم کو سمجھاتی ہوں۔ یقیناً وہ میرے سمجھانے سے سمجھ جائے گی۔ وہ نہیں سمجھتی کہ عورت کے لیے شوہر کے نام کی کیا اہمیت ہوتی ہے۔ سعد نام کے شوہر کی آؤ میں وہ اپنی تمام عین پوری کر سکتی ہے۔ اپنے طریقے سے اپنی زندگی گزار سکتی ہے۔ وہ بے چارہ لوگوں کی نظروں میں تو اس کا شوہر ہوگا ورنہ وہ دو کوڑی کا بندہ اس کا کوڑے پر کاٹ دیتا تھا۔“

ماہین کے تلوے پر ہلکی اور سر پر بھی۔ وہ حیرت اور دکھ سے اس خود غرض عورت کو دیکھ رہی تھی۔ یکدم حماد کا مظلوم چہرہ اس کے سامنے آ گیا۔ اس کی گھٹیا کی صورت اس کی نظروں کے سامنے پھر نہ لگی۔ پھر اچانک جیسے فلم کے سین کی طرح دوسرے سین میں حماد سے سعد کا روپ دھار لیا۔ ایک خود اعتماد اور خوبرو پلکس افسر وہ جیسے خود سے کہنے لگی۔

”تو کیا میں سعد کو دوبارہ حماد بنا دوں..... کہ وہ دوبارہ محکم کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑا رہے اور اس کی ہمت کی سیڑھی کرتا ہے نہیں.....“ اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے خود گلائی کی۔ ”نہیں میں ایسا کبھی نہیں کروں گی۔“

”کیا وہ ماہی..... تو کچھ کہہ رہی ہو؟“ فریاد آئی جو اس کے چہرے کی کشش کو غور سے دیکھ رہی تھیں پوچھنے لگیں۔

”آئی..... یہ یاد رکھیں کہ میں سعد کو جماندیں بننے دوں گی..... میں اس کے ساتھ مزید زیادتی نہیں ہونے دوں گی۔ اس نے آپ کے بہت قسم سے ہیں۔ اب اس کو اپنی مرضی کی زندگی گزارنے کا حق ہے اور میں اسے یہ حق دوں گی۔“ یہ کہتے ہوئے ماہین

رہا تھا کہ میٹرک میں A+ کر ڈیلنے کے بعد وہ کالج میں داخلے لیکن اس کو کالج میں پڑھنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

”آج کل کالجوں میں پڑھائی تو ہوتی نہیں، وہاں کارکنز کالیاں اور گزرائی ہیں ویسے بھی لڑکیوں کو پڑھ کر کرنا کیا ہے چلو، ہانڈی تو بس کرتی رہو۔“

”نرس تملکارہ کی سلیم بھائی کے فرمودات پر اور سارہ..... سارہ تو تھی ہی میری دھڑکنا کچھ..... اور نہ جانے وہ کون سا بھائی دوست احباب کا کھڑا کر لیا بھائی

نے اس کو پرائیوٹ امتحان دینے کی اجازت دے دی لیکن وہ پرائیوٹ بھی نہیں پڑھ سکے کچھ کے کاموں سے اس کو اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ وہ کتابیں لے کر بیٹھے۔

کوئی اس سے آگے نہ پڑھنے کا سوال کرتا تو وہ اطمینان سے کہتی، بھائی جان تو چاہتے ہیں میں پڑھوں لیکن مجھے ناظم ہی نہیں ملتا اور اب تو میرا دل ہی نہیں لگتا کتابوں میں..... اور جس نے بچپن سے

اس کا لڑپن ہی وہ اور میٹرک میں A+ کر ڈیلنا ہو تو کیا ایسا ہو سکتا ہے کاس کتابوں میں دل ہی نہ لگتا ہو۔ لیکن ہر بات کہنے کی تو نہیں ہوتی نا.....

”اللہ تعالیٰ عطا فرمائے کیا سوچے چلی جا رہی ہو؟“ سارہ نے غم سے بھری نرس کا شانہ ملایا آؤ باورچی خانہ میں چلو تمہارے لیے جانے بنائی ہوں۔“ سارہ نے ہنسنے ہوئے نرس کو بازو پکڑ کر کھڑا کیا۔

”ہاں، ہاں کچھ میں چلوں گی کہ میری چائے کا تو بہانہ ہے اصل میں تم کو روٹیاں تھوٹتی ہیں، ہے نا؟“ نرس، سارہ کے پیچھے پیچھے بڑے بڑاتے ہوئے چلی آ رہی تھی اور سارہ اس کی بھٹیوں پر بڑبڑا کر مانی رہی۔

☆ ☆ ☆

”خیریت کب آئے؟ اور یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو؟“ سلیم نے آکر ماجد سے ذرا قریب لے کر پوچھا۔ بڑبڑاتی کاتی سارہ نے بے باجت پر ہاتھ۔

”جس میں کانٹے ہوئے مزاج انداز میں کہا۔“ بکواس بند کرو، بڑی آئیں رینگنا کی

من۔ یہ بتاؤ ملکہ اگر تجھ پر سارہ شائستہ بھائی کی یاد بہاری تم پر سارہ کے گھر کی دے داری ڈال آج صبح سے کہاں روانہ ہوئی ہے۔“ نرس نے

کام سے تخت پر لیٹتے ہوئے سارہ کو گلانے والے ازار میں پوچھا۔

”بھائی، آج بڑی آپا کی طرف مٹی ہیں.....“

”تو نے جواب دیا۔“

”تو یہ کہنا نا اپنی اماں کے گھر مٹی ہیں، تمہاری آپا کی بھانجی تو ہیں نا ویسے دونوں کی بھتی خوب ہے۔“ نرس نے شائستہ بھائی اور نسیم آپا کے

ملاقات کا تجربہ کیا۔

”ارے ہماری بھائی کی تو سب ہی سے بھتی ہے۔“ سارہ نے۔

”خیر یہ تو نہ کہو، آج تمہارے گھر میں ساس دن کا جھگڑا ہوتا تو پوچھتی تمہاری پیاری بھائی کتنی ہیں، یہاں تو خالی میدان ان کو مل گیا تو وہ ابھی

سارے گھر پر چھانچس مجھے تو رنگین کپڑوں اور خوب صورت زیورات سے سچی بھائی بہت ہی اچھی لگی تھیں۔ میں اسکو سے آکر بھائی کے سارے

چھوٹے موٹے کام اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے کرتی۔ حتیٰ کہ بھائی کے جو تھے بھی اٹھا کر ان کے بیروں کے پاس لاکر رکھتی تھیں ماں باپ کی بھٹیوں کی تری ہوئی محبت اور غلامی میں خیریت نہ کر سکی۔

وقت پر لگا کر آؤ..... کب کھلو نے سینہ کر

الما دی میں رکھ دیے تھے تو پتا ہی نہیں چلا ہاں اس ضرور ہوا کہ اس تمام عرصے میں بھیا اور بھائی کے آگے میں چار پچھلے گئے اور میں.....

☆ ☆ ☆

”یا اللہ سارہ تم کیا آیا ہو ان بچوں کی جورات

دن ان کی خدمتوں میں لگی رہتی ہو اور تمہاری بھائی وہ کہاں ہیں اب وہ ہو گئی تم سے تو۔“ نرس نے سارہ کو

رشتا کو ٹھٹھاتے دیکھ کر کہا۔

”لو اس میں لحاظ نہ ہونے والی کون سی بات ہے، رہ مشا میری بھتیجی ہے میرے بھائی کی بیٹی، میرے بھائی جو میرے لیے باپ جیسے ہیں اور جو میں بچوں

خیال نہیں رکھوں گی تو کون رکھے گا۔“ سارہ نے رشتہ کے بدن کو تو لیا ہے پوچھتے ہوئے جنگلی بھرے انداز میں نرس کو ٹوکا۔

لگنے لگا اب اگر چند لے بھی وہ اس ماحول میں بیٹھی رہی تو اس کی سانس بند ہو جائے گی..... یکدم وہ فیصلہ کن انداز میں کھڑی ہو گئی۔

”کہاں جا رہی ہو؟“ آپا نے خطرناک حد تک سفید پڑتے اس کے چہرے پر پیرا سی لگا ڈالتے ہوئے پوچھا لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

☆ ☆ ☆

میں سارہ اور اخیلا، دو بڑے بہن، بھائیوں کی چھوٹی بہن، اماں بھجھ سے کب چھڑیں مجھے یا دیکھیں، ہاں انشا ضرور یاد ہے کہ میری اماں کے بال بہت لمبے تھے، لمبے سیاہ، گتے لے اور اپنی اماں کی یہ واحد نشانی میرے پاس رہی..... اب جو کچھ معاملات سے ہمیشہ

لافتل رہتے تھے، میرے لیے وہ اماں اور ابا دونوں بن گئے۔ ماں کی محرومی کو محسوس کرنے سے پہلے میں ابا کی

پُر شفقت محبت میں ڈوب گئی..... اور ابا۔ ابا بھی تو بہت جلدی ہاں گئے، وہ برسات کی ایک اندھیری رات تھی، جب ابا کے سینے میں شدید درد اٹھا اور ابا روکی شدت

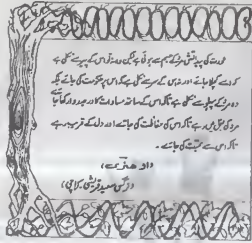
برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ چپ کی لکڑی کی گھڑی میرے اوپر دے دیے نصیحتات نے مجھے چپ کی لکڑی کی گھڑی، چپ بڑی آپا کو اور بڑے بھیا سلیم کی بھٹیوں پر ٹوٹی، واقعی شہر الہ آباد بہت بڑی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان

ہے کہ جب تمہارے پیارے بھجھڑے ہیں تو ہم کو صبر دیتے ہیں اور تمہارے گلے پھٹ جائیں..... اور میں بھی کچھ بھول بھال کر گئی ہوگی..... اماں اور چچا میرا

کے بعد گھر، گھر نہیں رہا مکان میں گیا اور پھر سب کو گھر لایا ہوگی اس مکان کو گھر بنانے کی سو بڑے چچا کی شائستہ بائی بھائی بن کر ہمارے گھر آ گئیں اور بدلے میں بڑی آپا بڑے چچا کے بیٹے اختر سے زیادہ دی گئیں ہوں اور مارا مارا پھر سے گھر میں لایا پھر آج سوچتی ہوں

گھر بچھ لایا گیا۔

شائستہ بھائی، بھیا کی زندگی کے ساتھ ساتھ



ایک گاؤ کی نصیب نہیں ہوئی، اچھا کھانا تو اچھا پہننے کے لیے نہیں، اچھا مین لو تو اچھا کھانے کو تو سوتے پوری زندگی گذر گئی ساس سر کی باتیات کو سننے سمجھنے سوچتا تھا کیا کھر ہو گا خوش عیش کروں گی۔ بظاہر تو برقع عیش میں تھی، لیکن وہ زندگی تو تیش جو خواب بھی آدمی میں ہے کیسے برداشت کر دیں کہ ساری زندگی جو لڑکی سر جھانکے میرے ہر حکم کی تعمیل کرتی رہی، جس کو سال کے چند جڑوں کے علاوہ ہمیشہ میری اتھن کی دھولوں میں راج کرنے کا زبوں میں کھوئے نہیں میں نے برداشت نہیں کر سکتی، میں نے اس کو ہمیشہ رعایا سمجھا اور اس کو رعایا کی طرح حکم اور مظلوم ہی کر رہا تھا۔ میں کم از کم اس کو برابری نہیں دے سکتی، اس کو ہمیشہ مجھ سے کمتر اور دب کر رہنا چاہیے کہ منظم پشت بونے بڑے معمولوں کو شیر بناتی ہے نہیں میں نے برداشت نہیں کر سکتی۔

”بھائی روئی ڈال دوں؟؟“ سارہ نے سوچوں میں غرق شائستہ کو حال میں واپس کھینچ لیا۔

”ہاں۔ ہاں۔“ شائستہ سوچتی ہوئی میری بہن سارہ کو دیکھ کر بولی۔ ”تماری زندگی میری پر ڈال ہوئی ہے کھا بہاں نے ساری زندگی میری پر ڈال ہوئی ہے کیا کروں تم نے ایسی عادت بگاڑ دی ہے کہ کوئی کام

میں مجھ سے کچن کے دروازے پر کھڑے ہاتھ کر رہے تھے۔“

”تو کیا وہ اپنی بیٹیوں کے باپ نہیں ہیں۔ وہ دھمکارتے بھائی ہیں، صرف بھائی اور تم اس کمر کی مفت کی ملازمہ ہو، آخر تمہاری کوری عقل کو لب بھٹ آئے گی۔“ نرگس نے تیزی سے دباہر سے بھائی کی سوتی سارہ سے جھنجھلا کر کہا۔

”مجھے کچھ نہیں سمجھتا، تم زیادہ شرمٹ چلاؤ، ارمان! سارہ نے اس کی بے سرو پاپا باتوں کو ٹپکی میں ہلے ہوئے کہا۔

چلو چھوڑو، یہ بتاؤ، ساجد بھائی تو ناراض نہیں اس لئے۔“

”کہاں؟ وہ بے چارے چاہے تو اور شرمندہ ہو گئے کہ انہو ان کی وجہ سے مجھے ڈانٹ پڑی۔“ سارہ نے اداں پر شرخی کی مسکراہٹ سمجھتے ہوئے کہا۔

”ہائے بے چارے۔۔۔۔۔“ نرگس نے شرارت سے آنکھ دپائی۔

”جی ہاں بے چارے۔۔۔۔۔“ سارہ نے دہرایا اور دونوں بے ساختہ ہنس دیں۔

☆☆☆

”نرگس کو نہ جانے کیا ہو گیا ہے ہر ایک سے ہلکا ہو جاتی ہے۔ بھائی جان مجھ سے اتنی محبت کرتے ہیں اور شائستہ بھائی تو کس قدر راجھی ہیں، سبھی اہل لفظ مجھ کو نہیں کہتیں، مجھ سے محبت کرتی ہیں، کس تو بے خوف ہے۔۔۔۔۔ بھائی جان تو ہیں ہی اتنے بھائی ان سے بھی زیادہ اچھی ہیں، اللہ میرے جیسی مایاں سب کو دے۔۔۔۔۔“ سارہ نے رات کو بستر پر لیٹ سوچا جو کہیں آسانوں پر بیٹھا کوئی سکرا دیا، جو اگر وہ راجد قبول کر لے تو۔۔۔۔۔

☆☆☆

ساری زندگی نرگس میری ہی ان تین کمروں میں کسی کسی خوب صورت تھی اور رات کی آج تک کینٹ

”کچھ نہیں بھائی جان، میں سارہ سے یہ پوچھ رہا ہوں کہ آخر وہاں خود بخود گول کیسے ہو جاتی ہیں۔“ ساجد نے ہنستے ہوئے تسلیم سے ہاتھ ملاتے ہوئے اس کے سوال کا جواب دیا۔

”تم کو بھی پوچھنا ہوا کرے اندر آکر پوچھا کر، یہاں اس طرح سوال و جواب کرنے سے کھڑے ہو جا کر دیکھو، ایسی باتیں قطعی پسند ہیں اور دیکھو بھی ہمارے کمر کا ماحول اس طرح کا نہیں ہے۔“ تسلیم نے خشک لبہ میں حق کھڑے ساجد سے کہا اور تیز قدموں سے اندر کی طرف چل دیا۔ یہ دیکھتے بغیر کہ سارہ اس کے روپنے سے حیران ہو کر روئی پلٹنا ہی سمجھ نہ گئی۔

ساجد سارہ کا تاپا زانو تھا اور وہ ساجد کے ساتھ بچپن سے ہی منسوب تھی، گو کہ باقاعدہ معنی نہیں ہوئی تھی لیکن وہ دونوں ایک ان کی دور میں بندھے ہوئے تھے۔ ساجد بھی کبھی چلا آتا اور جس دن ساجد آتا وہ دن سارہ کی بے کیف زندگی کا ایک خوب صورت دن قرار پاتا۔ اس کے گال دیکھتے گلتے اور لبوں پر شرخی مسکراہٹ آ جاتی، ساجد سارہ کی زندگی کا وہ خوب صورت باب تھا جس کے بغیر سارہ اپنی زندگی کی کتاب کو مکمل نہیں سمجھتی تھی۔ کیسے ہیں عشق اور محبت چھپانے نہیں چھپتے، سوشائستہ کی نگاہوں سے بھی بیدار چھپا نہ رہتا تھا۔

”درد یار ہمارے ہیں کہ شاید کل حضرت رومی شریف لائے تھے؟“

”ہاں، آئے تو تھے۔۔۔۔۔ لیکن ان کو دیکھ کر بھائی جان کا مڈو کاغذ خراب ہو گیا۔“ سارہ نے پکڑے نمودار کھینچ کر پھیلائے ہوئے کہا۔

”کیوں؟ ان کو کیوں غصہ آگیا۔۔۔۔۔؟“ نرگس حیران ہوئی۔

”بھائی جان کو یہ بات بری لگی کہ وہ اکیلے گھر

کرنا بھی چاہوں تو نہیں ہوتا۔“ شائستہ نے مکاری سے مسکراتے ہوئے ہمیشہ سے محکوم سارہ سے کہا۔
 ”کوئی بات نہیں بھابی آپ کام کریں یا میں ایک ہی بات ہے۔“ سارہ سادگی سے کہتے ہوئے پلٹ گئی۔ اب کون اس کو بتائے یہ ایک ہی بات نہیں ہے۔

☆☆☆

تائی اماں کی آمد آج کل کچھ زیادہ ہی بڑھ گئی تھی کہ ساجد نے ہاؤس جاب مکمل کر کے اپنا ذاتی کلینک کھول لیا تھا۔ گزشتہ دو دو ہائیوں میں تایا مجید کے گھر والوں کو اللہ نے بہت نوازا اور وہ ناظم آباد سے کشمیر روڈ منتقل ہو گئے۔ گھر میں گاڑیاں آئیں، روپے پیسے کی ریل پیل ہو گئی۔ اللہ جب نواز نے پر آتا ہے تو مٹی بھی سونا بن جاتی ہے اور یہی تایا مجید کے گھر والوں کے ساتھ ہوا لیکن بے پناہ پیر آنے کے باوجود ان کے مزاج وہی عاجزانہ رہے بلکہ کہتے ہیں نا پھل دار و رخت ہمیشہ جھکے رہتے ہیں تو یہ مثل تائی زلیخا اور تایا مجید کے سارے گھر والوں پر صادق آتی ہے اور چونکہ گئے وقتوں میں سارہ کو انہوں نے ساجد کے لیے مانگا تھا تو وہ آج بھی اپنی بات پر قائم تھے لیکن صرف ان کے قائم رہنے سے کیا ہوتا ہے۔

سلیم ہمیشہ سے ضدی، خود سر اور کچے کانوں کا تھا، ماں باپ کی جلدی موت نے اس کو گھر کا سربراہ بنا دیا اور اس کی ڈور شائستہ جیسی ”میٹھی چھری“ کے ہاتھوں میں آ گئی۔ ہاتھ میں ڈگڈگی لے کر سلیم کو نچانے کا فن شائستہ کو آتا تھا اور اکثر وہ اپنے فن کا مظاہرہ بھی کرتی تھی۔

”آج تائی زلیخا آئی تھیں سارہ اور ساجد کے رشتے کے لیے۔ میں تو حیران رہ گئی سارہ اور ساجد کا کیا جوڑ کبھی ٹھنل میں بھی ٹاٹ کا پیوند لگا ہے، کہاں سارہ ایک میٹرک پاس لڑکی اور کہاں ساجد جیسا

قابل ڈاکٹر لیکن میرے اعتراض پر تائی اماں کہنے لگیں کہ جب لڑکے کو اعتراض نہیں تو ہم کون ہوتے ہیں اعتراض کرنے والے وہ بتا رہی تھیں کہ سارہ اور ساجد ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں یہ بات سن کر میں چپ کی چپ رہ گئی۔ پھر تائی اماں جلدی سے بات بنانے کو کہنے لگیں کہ ساجد بہت پسند کرتا ہے لیکن ہمیں جو حقیقت تھی وہ تو منہ سے نکل گئی نا۔ اتنا تو سب ہی جانتے ہیں کہ تائی ایک ہاتھ سے نہیں بچتی اور اگر بچتی ہے تو دوسرے کے منہ پر طمانچہ ہی پڑتا ہے جیسے آنے آپ کے منہ پر پڑا۔ ہمیں تو پتا ہی نہیں چلا اور ہماری ناک کے نیچے عشق چلا رہا۔ کیا شریفوں میں اس طرح ہوتا ہے کہ لڑکیاں محبتیں کریں اور پھر ان کے بڑے مٹھائی کے ڈبے لے کر آجائیں..... اگر میری بیٹی اس طرح کرتی تو میں تو زندہ دفن کر دیتی اس کو، سمجھ میں نہیں آ رہا کہ سارہ کی تربیت میں کہاں غلطی رہ گئی۔ میں تو یہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی ہوں کل جب دنیا والے سوال کریں گے تو کون جواب دے گا۔“ شائستہ نے سلیم کے سر میں تیل کی مالش کرتے ہوئے اس کے کان بھرے۔

”کیا مطلب، کیسی محبت..... کیسی پسندیدگی؟“ سلیم نے غصے سے پوچھا۔

”لو بھئی آپ تو آنکھوں دیکھ اندھے بن رہے ہیں وہ جو ہر اتوار کو ساجد یہاں آ کر جم جاتا ہے، وہ کب میرے اور آپ کے لیے آتا ہے، ظاہر ہے سارہ کے لیے آتا ہے اور سارہ کو دیکھیے چاہے سارے ہفتے وہ کسی بھی جلیے میں رہے اتوار کو اس کا خاص اہتمام ہوتا ہے۔ ساجد کے صدقے ہمیں بھی اچھی اچھی ڈشز کھانے کو مل جاتی ہیں۔ میں تو اس لیے چپ رہتی ہوں کہ بن ماں باپ کی لڑکی ہے، میں کون ہوتی ہوں روکنے نوکنے والی۔“ شائستہ نے بھرائی ہوئی آواز میں بہتان تراشی کی۔

”کیا مطلب ہے تم کوں ہوتی ہو اور اسے تم اس کی بھاج ہو، اس کے چچا کی بیٹی ہو۔“ سلیم نے بیوی کی آنکھوں میں آنسو برداشت نہیں ہو سکے۔

”کوئی سمجھے تو بہت کچھ اور نہ سمجھے تو کچھ نہیں ہے، یہ تو مان کا پان ہوتا ہے۔“ شائستہ نے آنسو بھرے ہونے کے ساتھ ہی اس بات کو حیرانہ اور تو میرے اللہ کے گھر میں ہے، تائی اماں جواب مانگ رہی ہیں۔“

شائستہ نے میاں کے چہرے کے بگڑے زوایوں کو مکاری سے نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

”کیا جواب دوں؟“ سلیم عجیب الجھن میں گرفتار تھا کہ ایک طرف بیچیں کا رشتہ اور دوسری طرف یہ تازیانہ کہ بہن جیت کا کھیل جیتی رہی اور وہ اس کی شادی کر کے قبول شائستہ سے بغیر کی کا مظاہرہ کر لے۔

”کیا جواب دیں گے جو آپ مناسب سمجھیں، اب آپ حنا اس کے بڑے ہیں، اس کی باپ کی جگہ ہیں اور شرعی طور پر بھی آپ اس کے ولی ہیں۔ آپ کا جو بھی فیصلہ ہو کسی کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔“ شائستہ سلیم کو کھنٹ زون میں لے گئی۔

شائستہ سلیم کی بیوی تھی، شادی کے گزشتہ اٹھارہ سالوں میں سمجھ بھی گئی کہ سلیم کو کیسے اور کہاں پر استعمال کیا جاسکتا ہے..... وہ وہی دل میں ہمیشہ سے سارہ کی سادی، خرابیاں اور ادھیڑاں سے خائف رہی کہ آج تک خاندان میں، جہاں پہچان والوں میں، کھلے پردوں میں کوئی شخص ایسا نہیں تھا کہ جو ایک دفعہ ہٹنے کے بعد سارہ کا گردیدہ نہ ہو جائے اور شائستہ ایک کمزور اور ناتواں لڑکی سے جو اس کے سامنے بڑی ہوئی تھی، جس کی مقابلہ کرنے کھڑی ہوئی ہمیشہ باری..... اور پھر سادہ کا رشتہ، سادہ کا رشتہ تو اس کو راتوں رات آسان پر، بھادیا تو اس وہ یہ کیسے برداشت کرتی کہ جس لڑکی سے وہ اپنے برتن و خلوایا ہے، وہ انکس و دیوانی ہے، اپنے بچوں کی صفائیاں کروائی

☆☆☆

”تمہارے بھائی تم پر تو بہت پابندیاں لگائے ہیں اور تمہاری بیٹی رشتا تو خوب ایک آپ شیک کر کے کہیں گئی ہے۔“ نرگس نے شامی کباب فرمائی کرتی سارہ سے کرارے انداز میں سوال کیا۔

”تم کیا سارا دن ہمارے گھر کی ٹوہ میں رہتی ہو، بھائی بھانوس“ سارہ نے سوال پر سوال کیا۔

”ہاں، ہاں کی رہتی ہوں، بات لٹالنے کی کوشر نہیں کرو، شرافت سے میری بات کا جواب دو..... نرگس کے توجہ خطرناک تھے۔

”کوئی خاص بات نہیں، اس کی سبلی کی برقعہ ڈبے سے دہیں گئی ہے اور ظاہر ہے تیار ہو کر بھیجے جائے گی۔“ سارہ نے اس کی دوست بہت مالدار ہے تو نہیں میں رتی ہے اس نے اپنا ڈرائیور بھیجا تھا..... سارہ نے آخری کباب فرمائی کر کے چلے گئے۔

”اچھا تو ان کا ڈرائیور سوٹ پہنتا ہے اور ڈرائیور کے ساتھ فرخت سیٹ پر بیٹھ کر جایا جاتا ہے، نرگس کو کب عقل آئے گی سارہ۔ اس گھر میں دو قانون چلتے ہیں تمہارے لیے کچھ اور اپنے لیے کچھ اور۔“

اس نے ہی بھائی کی بیٹی سے تاجنہوں نے اپنے ہاں ازاد سادہ کو گھر میں آنے سے منع کر دیا کیونکہ اپنے گھر کی عزت بہت بھاری ہے اور بقول ان مارتے کا ہاتھ چلو سکتے ہیں لیکن کسی کی زبان نہیں لی جاسکتی اور آج ان کی جوان بیٹی ج سنور کر کسی لکے کے ساتھ امریکنڈیشن کا ڈی میں گھر کے ملازم سے فرخت سیٹ پر بیٹھ کر گئی ہے اب ان کو بھاری پیاری بھابی کو خیال نہیں کر لوگ دیکھیں گے تو سوچیں گے۔ حد ہوئی زیادتی کی یہاں تو.....

س نے نہ جانے کیا بولے جا رہی ہیں لیکن سارہ تو اپنی زندگی میں پہلی بار یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی تھی کہ اس واقعے میں اس گھر میں دو قانون تو نہیں چلتے، یہیں لی ایسا تو نہیں ہے۔

☆☆☆

”برائمتی ہیں تو مائیں، بس کا دل جا ہے مجھ سے ملے روز نہ چاہے کھریا کر بیٹھے، تم شریف لوگ ہیں ہمارے ہاں بیٹوں کی شادیاں نہیں ہوتیں۔ میں کس کی زبان پکڑوں گا۔ مارتے کا ہاتھ پکڑا جاسکتا ہے لیکن بولنے کی زبان کوں پکڑے۔ میں تھک گیا ہوں لوگ کہیں گے کہ سلیم علی کی بہن نے عشق لڑا کر اور کی کہ نہیں میں ایک لفظ برداشت نہیں کر سکتا جلد اس شخص کے لیے رشتہ ڈھونڈو اور دفنان کر دو آج اس کی وجہ سے میں نے اتنی بات برداشت کی۔“ تائی دلیلیا پاپس ہو کر جا چکی تھیں اور سلیم اپنے کمرے میں کھینچ رہا تھا اور گھر کے آگن میں کھڑی ہو چھڑائی تھی۔

”یا اللہ لفظ ہیں یا آرے..... کیا کبھی کوئی کی چھری سے بھی ذبح کرتا ہے، یہ میرے بھائی کے برے باپ کی جگہ ہیں، یہ مجھ سے بدگمان کیسے گئے۔ کیا تعقل اور رشتے اتنی جلد ہی بدگمان ہو سکتے ان کو بھایا کیا اور یہ بیک گئے، مجھ پر الزام

لگے اور انہوں نے مجھے مجرم ٹھہرا دیا۔ تائی دلیلیا کی غلطی کیا تھی۔ انہوں نے صرف یہی تو کہا تھا کہ سارہ، سادہ کی بیچیں کی مانگ ہے اور ہم سب کی اور سادہ کی خواہش ہے کہ اب شادی ہو جائی جاوے۔ اس تمام تشنگو میں بہت، عشق، آوارگی کہاں سے آگئی۔ وہ کون تھا جس نے پا کیز کی کوئلہ کی میں بدل دیا.....

میری ساری ریاضت، محنت اور محبت ملی بھر میں اکرارت ہو گئی، میں نے تو ساری زندگی یہ بھی نہیں سوچا کہ میں کیا جا رہی ہوں، کیا تھا اور بھائی جان کہتے کہ میں یہ شادی نہیں کر سکتا..... مجھے یہ رشتہ منظور نہیں، تو کیا میں بغاوت کرتی! نہیں، میں بغاوت کر ہی نہیں سکتی اور بیٹیاں بھی باپ کے فیصلوں پر بغاوت ٹھوڑی کرتی ہیں، محبت اور عزت میں میری ترجیح عزت ہوتی لیکن اب نہ تو مجھے میری محبت کی اور عزت بھی خاک میں مل گئی۔“ آنسو سارہ کا چہرہ بگڑے رہے اور وہ ٹھنڈی سرد رات میں گھر سے خاموش صحن میں بیٹھی رہی۔ اس بات سے بے خبر کہ سارہ گھر کے لمٹوں میں دیکھ کر ہی فیضو رہا تھا۔

☆☆☆

بہت جلد سارہ نے باپ کی دلیلیا پارک کے شوہر کے صحن میں قدم رکھا۔ سارہ کا شوہر ہریش الدین جو ایک اسکول کے تھے ہونے کے ساتھ ساتھ چھ بیٹیاں اور ایک بڑی ماں کا واحد بچہ تھا۔

نرگس نے اسے بے چھڑا رہتے پر جب سمجھ کر کہا چاہا تو سارہ نے یہ کہہ کر اس کو خاموش کر دیا کہ اس کے گھر والے خوش ہیں جب اس کی بڑی بہن بیٹی ڈھول پیٹ رہی ہے اور اس کا بھائی لوگوں میں کارڈ بانٹ رہا ہے تو نرگس کو کوئی حق نہیں کہ اس کے لیے کسی سے سوال کرے کہ زندگی میں کچھ سوال انسان اپنے ساتھ قبر میں لے جاتا ہے۔ سارہ نے خاموشی کی چادر اوڑھ لی..... اس کو اپنے بھائی سے کوئی شکایت نہیں تھی

جہاں آئے کوئی ہے

شعبہ

”کس کو کیا پھل میں ٹاس کا پیوند ہوگا؟“
 نسیم کچھ بھی ہوئی تھیں۔
 سارا زور سچ دوں کی اپنی بیٹی کی خوشی کے لیے
 دھوم دھام سے شادی کروں گی کہ دنیا دیکھے گی
 کی ماں ابھی زندہ ہے۔“ شائستہ نے پرمانہ ہو کر
 نسیم کو جواب دیا۔

☆☆☆

ارے، میں تم لوگوں کو کیا تاؤں بہت ہی بڑے
 لوگ ہیں، بہت مالدار لڑکا، ایم بی اے کرنے امریکا
 جا رہا ہے، ہماری رشتہ سے تو تم جانتی ہو... لائف اسے
 کے بعد پڑھ کر کہی نہ دیا۔ سکتا سر پہا جہاں سے بھائی نے
 لیکن وہ نہ مانی اور دیکھو نصیب میں اللہ نے کیا قاتل
 لڑکا رکھا ہے، لو بات کہاں چلی گئی ہاں تو میں جانتی ہی تھی
 بہت مالدار لوگ ہیں، اب ہم نے تو جیسے جیسے زندگی
 کو زاری، ہم آدم ہمارے بچے تو پیش کریں، ہمیں اب
 وہ دور نہیں رہا کہ جہاں باپ باپ نے چاہا شادی
 کر دی۔ میں نے تو رشتہ کو کھلی چھٹی دے رکھی تھی کہ
 کوئی اچھا لڑکا نظر آئے تو گھیر لو.....“ شائستہ بڑے
 جوش و خروش سے نسیم کو آپا کو بتاتی تھیں کہ رشتہ کا نکاح
 اس کی ٹیکہ کے بھائی سے طے ہوا تھا سو اس سلسلے میں
 نسیم اور سارہ دونوں ہمیں آئی ہوئی تھیں۔ آ پائیم اور
 شائستہ تو حسب عادت باتوں میں مشغول تھیں اور سارہ
 سر جھکا کر تعلیموں میں جوڑے بیک کر رہی تھی۔

”اور بھی تم کوئی وقت پاس اے وقف ماں باپ تو
 ہیں نہیں کہ اپنی بیٹیوں کو شادی کے نام پر مسائل کے
 سپرد کر دیں، یہ اگر رشتہ کی ٹیکہ کا بھائی ہے اور جب
 میں نے اس کی پسندیدگی رشتہ میں محسوس کی تو بھی لڑکا
 اچھا تھا میں نے خود جانو جو کچھ کہ موقع دے تاکہ اندر
 اسٹینڈنگ ہوئے، مگر خود سوچو ہمارے گھر میں اتنے
 بڑے گھر سے رشتہ بغیر کی پانچک کے کیسے آسکتا ہے۔“
 شائستہ تو اپنے آپ کو نوبل انعام کا حقدار سمجھ رہی تھیں۔



”کس قدر دور کے پھلے سے دن رات ہیں اور
 روٹیں لائف نہ کوئی تبدیلی نہ کوئی رنگ بدل میں
 نہیں کیا پسند کی شادی پر؟“ سارہ نے سینے میں اٹھ کر
 ایک سوال دہی زبان میں کر ڈالا۔
 ”لو بھلا وہ کیا اعتراض کریں گے، وہ تو
 بہت خوش ہیں۔ انہوں نے تو مجھے صاف کہہ دیا
 کہ اگر میری بیٹی کی خوشی اسی میں ہے تو میں بھی
 خوش ہوں، کسی کو بھی اعتراض کرنے کا حق نہیں
 اگر کوئی کچھ کہے گا تو میں خود جواب دوں گا، میری
 لاوارث نہیں ہے اس کا باپ ابھی زندہ ہے اور۔۔۔
 شائستہ نہ جانے کیا کیا بولے جارہی تھیں لیکن سارہ
 کان تو جیسے سنا نہیں کر رہے تھے لیکن اس
 جاں داروں طرف جیسے ایک جملہ قص کر رہا تھا۔“
 باپ ابھی زندہ ہے..... باپ ابھی زندہ ہے.....
 ”مجھے میں کیا پوچھ رہی ہوں، کہاں جا
 ہو۔“ آ پائیم نے ذرا تیز آواز میں حق دق کھڑی
 بھائی سارہ سے دو بار پوچھا۔
 ”آج میرے ابا مر گئے آپا، مجھے سورہ
 پڑھنی ہے، رخصت کرنے جارہی ہوں۔“ سارہ نے
 چہرے کے ساتھ گھن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
 بہت سے جنازے ایسے ہوتے ہیں جن میں
 برسوں نہیں روئے اور جب روئے ہیں تو پھر ہر روز
 ہر گھر ہوتے ہیں اور اب سارہ کو بھی ساری زندگی
 روز، ہر گھر باپ کی موت پر رونا تھا۔

دل کو سنبالوں کیسے

زندگی کی الجھنوں میں کچھ مصروف تھا جاں
سو نہ ناراض ہوئی کبھی
مجھ سے رو دکھ کے تم، اسلام آباد دل دی تھیں
میں نے دل میں سوچا تھا
دوسری فلاحیت سے میں بھی، تمہارے پاس
جاؤں گا
تجھیں حیران کر دوں گا
بے حد پیار سے جاناں، تم کو کھلمنا لوں گا
لو، آگیا ہوں اب میں بھی.....
لیکن!
یہ ملاقات تو جاںم
آنسوؤں میں ڈوبی ہے
موت کا سیاہ چہرہ ہر اک جانب لڑاں ہے
جہاز کے ٹکڑے ہو گئے ہیں انسانی اعضا
کھڑے ہیں
میرے پیار کا تختہ
تمہارے ہاتھ کا ٹکڑن.....
اک جھڑائی میں اٹکا ہے
شاعر: شگفتہ ششیں، کراچی

اپنا خیال رکھا کرو۔ کسی شہزادوں جیسی آن بان تھی
تمہاری۔ خوب صورت تو خدا نے تمہیں بے حساب دی
ہے مگر نوک پلک اور کانت چھاننے کی ضرورت تو
پودوں تک کو ہوتی ہے۔ خود کو سنبالو اور رکھا کرو۔

”اماں بیٹ شکر ہے۔ آپ گریٹ ہیں اماں بی
کون کہتا ہے کہ اس ہمیشہ بری ہی ہوتی ہے۔“
”ہوتی..... اب زیادہ سمجھن نہ لگاؤ، تجھیں تو

ایک بچی کی پیدائش نے ہی پوٹھلا کر رکھ دیا ہے۔
میں تو ابھی تک اتنا دم خم ہانی ہے کہ خوش خوشی
پوتے پوتیاں پال سکتی ہوں۔ اب جاؤ اور کوشش کرو
کہ جلدی دیا جی ہو۔“

”جی اماں بی.....“ پار جانے کے لیے ملے
تم اور اجازت تو وہ پہلے ہی ملے تھی۔ پوری طرح
تیار ہو کر اس نے موٹیل چار جنگ سے نکالا ایک مس
رکھنا ہی جانتی تھی کہ میچ کی باپ ہوئی۔ مس سرور
والوں کا تعلق تھا آپ اس ریٹ پر فون جیٹ کر سکتے
ہیں اور سنے دوست بن سکتے ہیں۔ غیر ارادی طور پر
رانیہ نے میچ کا Reply کر دیا۔ اب وہ جیٹ رہ
میں آخر ہو چکی تھی۔ اس نے اپنا ٹیک آئی ڈی سمیٹ کے
نام سے بنایا۔ چاکلی ہی اسے اسے مصروفیت
لطف آنے لگا تقریباً آدھا پوٹھلا کر رکھ رہے
کے بعد اس نے کراچی سے ایک فریڈ ریڈیانت کر لیا۔
جبکہ وہ خود یا لکھتے تھی۔

”چلو اچھا، بندہ دور ہے۔ دیسے ایسے ایسے
ادنی فن۔“

اس کا نام سرفراز تھا۔ ایک ملٹی میڈل سٹی میں
جائے کرتا تھا۔ تین بھائی اور ایک بہن تھی۔ 35
کے لگ بھگ اور غیر شادی شدہ تھا۔ شادی سے اسے
چڑھتی جانے کیوں..... رانیہ آدھے کھٹے میں ہی
سب معلومات حاصل کر چکی تھی۔ اس نے اپنے
بارے میں سرفراز کو بتایا کہ وہ بھی غیر شادی شدہ ہے
اور نوکری کرتی ہے۔ یہ ابتدائی جھوٹ تھا جس کی بنیاد
پر اسے ایک پوری عمارت کھڑی کرنا تھی، یہ وہ نہیں
جانتی تھی۔ وہ اسے ایک گیم سمجھ کر کھیل رہی تھی۔
ضروری کام کا کہہ کر وہ سامن آف ہو گئی۔

رفیقہ رفیقہ بات کرنے کا دورانیہ بڑھتا گیا۔ رانیہ
کا گھر، پٹی، شو، ہر سب نظر انداز ہو رہے تھے۔ سوائے
اس کی اپنی ذات کے وہ پہلے سے بہت زیادہ

دل رکھنے لگی تھی۔ بہت خوش اور سرور دیتی۔ روز
دھرتی پر جاری تھی۔ علی پہلے پہل تو اس خوشگوار
دلی پر بہت خوش ہوا۔ پھر اسے کچھ عجیب سا لگنے
لا رہا۔ اپنی خود پرستی میں ہانیہ کا بھی خیال نہیں رکھ
تی تھی۔ وہ روز روز کھڑی اور چڑچڑی ہوتی جاری
تھی۔ علی کو اس درجہ بے پروائی سے کچھ تکلف تو ہوئی
مگر اس نے اپنی اس سوچ کو جھک دیا۔ اس کے شک
کی پختہ کاری کو وہ اب جلی جب موزے تلاش کرتے
ہوئے انسانی کی درواز میں کپڑوں کے نیچے اسے ایک
رومیاں سیٹ ملا۔ پہلے سوچا رانیہ سے یہ کچھ بھروسہ
کی عادت نے اسے پوری طرح جاسوسی پر مائل کیا۔
”رانیہ میں سوچ رہا ہوں کہ باہر لاؤنڈ میں سوچایا
کروں۔ ہانیہ کے رونے سے بہت ڈر رہتا ہوں۔
ات بھرنیہ فون تھی راتی ہے اور صبح سر بھاری۔“
”ٹھیک ہے، علی جیسے آپ مناسب سمجھیں۔
بات تمک بھی تو جاتے ہیں سارا دن بھاگ دوڑ
میں۔“ رانیہ کا یہ جواب حسب توقع تھا سو علی کو ذرا بھی
حیرانی نہیں ہوئی۔

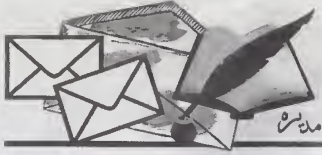
علی کے جاتے ہی تمام رات رانیہ ہوتی اور
اون، کچھ وقت گزرا تو سرفراز نے میچ کے بجائے بات
کرنے پر اصرار شروع کر دیا۔ اب رانیہ پریشان
ہوئی کہ اس نے تو کہا ہے وہ غیر شادی شدہ ہے اور پھر
ایسی بھی تو رات بھر بار بار جاگتی رہتی ہے۔ اس نے صل
بے طور پر ایک جھوٹ اور کھڑا۔

”سرفراز میں تم سے بات اس لیے نہیں کرتی کہ
سے بھائی کی بیٹی میرے پاس آئی ہوئی ہے۔ چھوٹی
ہی ہے تو بار بار جاگ جاتی ہے۔ اوپر سے کہ بچوں کی
سے بھائی نے اسے مجھے ہی سونپ رکھا ہے۔“
”اُس اوکے بار..... تم اپنی ہی رہو۔ میں کھٹک رہی
لہاری مشکل پر چھوڑی دیتی ہے۔ بات کر لیا کرو۔“
رانیہ کا بات کرنا اور کرے سے باہر لگی کی آواز

امروہ دنیا بھر میں پایا جاتا ہے۔ گرمیوں
مردیوں میں یہ پہلے سات، آٹھ ماہ تک چلا
ہے۔ قدرت نے اس پہل کو کئی قیمتی پھلوں کے
واٹر غذائیت اور دوا منتر بھرے اجڑے کالا مال
کیا ہے۔ یہ پہل کچے اور کچے ہوئے غذائی اجڑا
اپنے اندر سمونے ہوتے ہے۔ کچے امروہ کا
مزاج سرد رہتا ہے اور کچے ہوئے پہل کا مزاج
گرم رہتا ہے۔ عہدہ اسے تین سے چار گھنٹے
کے دوران ہضم کرتا ہے، اس پہل کو ہر طرح کی
زمین پر کاشت کیا جاسکتا ہے۔ یہ غذائی لحاظ سے
بالکل ستارہ دہان میں ہے بھر پور ہوتا ہے۔
اس کے پتوں میں خاصی مقدار میں لوہا پایا جاتا
ہے۔ دھانن اسے کے علاوہ یہ فاسفورس اور
چونے سے لیس ہوتا ہے۔ اس پہل کا استعمال
بیشہ کھانا کھانے کے بعد مفید ہے یہ پہل قبض
سکتا ہے۔

یہ پہل خود تو باہم نہیں ہے لیکن ہانے کو
درست کرتا ہے۔ موسم برسات میں اس کا
استعمال عہدے میں فاسد ہونے کی زیادتی اور
قویٰ کے امراض کا سبب بنتا ہے۔
ہرگز: صوفی قمر، کراچی

علی کی جاسوسی کو مزید ہوا دے رہا تھا۔ آخر کار علی نے
اپنا روتہ تبدیل کرنا شروع کر دیا۔ جس سے رانیہ بھی
ہی نہیں لگی۔ اس کی دنیا تو جیسے سرفراز سے شروع ہوتی
اور اسی پر ختم ہو جاتی۔ وہ ایک خواب ایک مراب کے
پیچھے اندھا دھند بھاگ رہی تھی۔



بہنوں کی محفل

مدینہ

☆ عزیز اڑ جان ہنوا السلام علیکم رحمت اللہ وبرکاتہ۔

☆ محمد صالح اس ذات کے جس لیے اے کارخانہ دار عالم کو جو درخششا اور درود سلام حضرت محمد ﷺ پر جنہوں نے دنیا میں حق کا یوں بالا کیا۔

☆ پیاری بہنو! آج مجھے بہت فخر آ رہا ہے۔ اس لیے آپ دن کی چند باتیں آپ سے شکر کرنا چاہتی ہوں۔ اپنی ایک دوست کی سارگہ پر میں جاؤں تو بس کئی کئی گھنٹے کے لیے جھڑپک اے جھنڈا جھنڈا..... اپنی ایک نزن کی ایک تقریب میں، میں نے اس کے پسندیدہ رنگ کی ساڑی بھجوائی اور اپنی ایک قریبی کنبلی کے کہنے پر میں نے خود اپنے ہاتھ کی دلی جری بنا کر دی..... مگر ان میں سے کسی نے بھی میرا شکر یا دانهیں کیا۔

اور ایک نے اس اعزاز میں کیا جیسے اس نے مجھ پر احسان کیا ہو۔ میرے دل میں مال کے رنگ کتنے زیادہ ہیں یہ میں آپ کو بتا سکتی تھی۔ اور ایسا ہی آپ کے ساتھ بھی یقیناً ضرور ہوتا ہوگا کہ لوگ کے لیے راپے بول جاتے ہیں..... جیسے ہم نے ان کا قرض لوٹنا یا ہو۔ ان کے منہ سے شکر کے کایک لفظ تک نہیں پھوٹتا۔ اور آپ نے کبھی یہ سوچا ہے کہ ہمارا رب کس بروت اپنی حق میں عطا کرتا رہتا ہے..... تو ہم اس کا شکر ادا کرتے ہیں اور وہ ہمیں ناکھڑی کی حالت میں بھی ٹوٹا نہیں رہتا ہے۔ (بے شک اللہ رب سے بڑا ہے) میں نے اس سے کتنے لوگ ایسے ہیں جو ہر وقت یا انچوں وقت کی نماز ادا کرتے ہیں۔ (یقیناً بے حکم) اور ہم میں سے کتنے لوگ ایسے ہیں جو دروازہ کھرانے کی نماز ادا کرتے ہیں۔ (آٹے میں ملک کے برابر)

☆ پیاری بہنو! آج میں آپ سے بالکل سچی بات کہہ رہی ہوں کہ جب میں نے شکرانے کے لفظ بڑے شمر شروع کیے..... تو مجھے ایسے معمولات میں ہی بڑی خوشوار آمد ملی کہ احساس ہوا آپ دن میں کبھی بھی وقت صرف دو لفظ شکرانے کے ادا کرنا شروع کیجیے..... پھر دیکھیں کہ کایک لفظ محسوس ہوتا ہے۔

☆ آنرز ڈاکٹر بکریا نے جب مجھے بتایا تھا..... کہ ان کے پچیس سال سے شکرانے کے لفظ بھی تقاضا نہیں ہوتے تو میں ان کی دیکھی کہ دیکھی رہ گئی کہ کبھی تو اپنی فرض نمازوں کو بے قصا ہونے کا کمال نہیں ہوا کرتا..... اور یہاں سے پیارے لوگ بھی اس جہنم میں نافر ہے کہ ان کے شکرانے کے لفظ بھی تقاضا نہیں ہوتے۔ ہم رفیق، ہم دروازہ، نام و نشان کی محسوس کرنے میں تو اہل آگے ہی آ کرے ہا کرتے ہیں۔ دوسروں پر میں بالکل انہی نہیں اٹھاری..... خود میری ذات میں ایسی ہی ہے کہ شو بازی کی چیزیں ابھی لکھ کر لیتی ہیں..... اور دل ان کی جانب ہٹ جاتا ہے۔

☆ گھر پیاری بہنو! ہم سب کو اچھی باتوں کی محسوس کرنی چاہیے اور اچھی باتیں آگے پہلانی چاہئیں۔ ہم بری باتیں؟ تو انہیں بھی تو پھیلائے ہیں تا کہ کیا ہم کسی سے نہیں کہہ سکتے..... روزانہ شکرانے کے دو لفظ ادا کر کے دیکھو..... ہم کبھی نہیں سمجھتے تھے کہ یہ بڑھو۔ یاد رکھیں..... یہ میرے اللہ کا اپنے بندوں سے وعدہ ہے کہ میں خدا ادا کرنے کے والوں کو زیادہ یاد کرنا (دن) تو آئیں ہم روزانہ کبھی بھی وقت دو لفظ شکرانے کے ضرور ادا کریں گے اور یہ ابھی بات کتنی ہی طرح آگے اور بہت آگے تک ضرور باتیں ہوں گی..... (آج سے ہی)

☆ آئیں اب سرگرمیوں پر نظر ڈالنے سے کئی دروازہ دروازہ ابھرتے ہیں جو غماز میں پڑ جاتا ہے اور اس کے بعد صاف تین بار آٹے کریم پڑھ کر اپنے لیے، اپنے ملک کے لیے اور عالم اسلام کی پیشانیوں کو رفع کرنے کے لیے ضرور دعا مانگنا۔ ماہنامہ ہبا کیذہ۔ جون 2012ء۔ 257

والدین کے گھر بھائی، بھائیوں کے درمیان رہے ہوتے اسے جلد ہی اپنی غلطی اور حد درجے بے وقوفی کا اعجاز ہوتا شروع ہو گیا۔ اسے اپنا گھر، اپنی جنت سمجھ جانے کا دکھ تانے لگا۔ دوسری طرف کبھی بھی اپنے فیصلے پر نادم تھا کہ اسے پیار سے معاف کر سکتا تھا چاہیے تھا۔ رانیہ کی ذہنی اور روحانی ضرورتوں کو سمجھنے ہوئے اس کا پورا حق اور پھر پورا توجہ اور محبت دینی چاہیے تھی۔

☆ فروری کے خوب صورت اور روشن دنوں میں اسے رانیہ کا کھڑکی سے پردہ ہٹا کر اسے چمکانا بہت یاد آئے گا۔ کھڑکی کے باہر کسے پورے اور مکمل میں بھر خشک پتے بھی اداں اور مولو تھے۔ اماں کے جوڑوں کا درد مالا میں نہ ہونے کی وجہ سے مزید بوجھ تھا۔ رانیہ کی نکاریاں اور رونے کی آواز بھی وہ بہت مس کر رہا تھا۔ ہر طرف ایک سناٹا تھا۔ اسی وحشت اور تنہائی سے گھر اگر وہ بالکونی کی طرف کھلنے والا دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔

☆ آج چمکشی کا دن تھا اور موسم بھی خوشگوار تھا۔ سورج روند کو پیچھے چھوڑتا اپنی پوری آب و تاب سے چکر رہا تھا۔ "پودے کتنے خراب ہو گئے ہیں مکمل کی مٹی کے گھوٹ گئی ہے۔" اس نے تیار پودوں کو پانی دیا۔ سارے خشک پتے اکٹھے کر کے شاخوں کو مناسب حد تک تراشا..... اس سب سے فارغ ہو کر وہ پودوں کو بہت دھیان سے دیکھنے لگا۔ جیسے رانیہ کے وجود اس کے احساس کو محسوس کر رہا ہو۔ پتے جھڑ کے بعد شاخوں پر ہنسی کی ٹوئیں پھوٹنے والی تھیں۔ شاید بہار آنے کو ہے۔ اس خوب صورت احساس کے ساتھ ہی علی کے بکوں پر ایک آسودہ میسراہٹ ابھری اور اس کا ہاتھ جب میں بڑے سو پائل کو ٹوٹنے لگا۔ اسے ایک بہت ضروری کال کرنی تھی۔



”ہوں۔“
”ہیال آؤ میرے پاس بیٹھو اور میری بات غور سے سنو۔ دروازہ لاک کر دو۔ میں نہیں چاہتا کہ ہماری بات کی کسی اور کو ہلکے تک پڑے۔“
”ایسی کیا راز دار داری ہے علی.....؟“ علی کا گھیسرا انداز اندر گھسے خطرے کی گھنٹی بھار تھا۔
”یہ تمہارا فون ہے؟“ فون تھا یا انٹیم.....
”نہیں تو میرا فون کون سا ہے آپ جانتے ہیں علی۔“

☆ ”جھوٹ نہیں رانیہ کیونکہ میں سب جان چکا ہوں۔ تم چاہتا سامان پیک کر ڈیں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آتا ہوں۔ مطلقاً کے بچےز چھین میں جاؤں گے۔“ علی نے دھمکی دی۔ ”ہاتھ کو چاہو تو لے جاؤ چاہو تو چھوڑ جاؤ۔ اور بے فکر ہو میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گا۔ تم جو لے جانا چاہو لے جا سکتی ہو۔ مزید کوئی بات نہیں۔ میں ابھی آتا ہوں تب تک تیار ہو جاؤ۔ تمہیں اس شخص بھری زندگی سے آزاد کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے تم سے بہت محبت کی ہے اور شاید کرتا بھی رہوں گا۔ میں تمہیں اپنے ساتھ جبراً باندھ نہیں سکتا۔“ کوئی آواز اور کتے تو یقیناً جابا فیصلہ سن کر لڑ جاتی جیسے جانی گردہ تو رانیہ کی جوبائی روٹھیں بدلتے بدلتے خود کو اپنی اصل تک کو بدل چکی تھی۔

☆ ”ٹھیک ہے یوں ہے تو یونی کی۔ میں بھی ایسے غلطی انسان کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ کیا ہوا اگر میں نے کسی سے ہنس کر وہ دھڑکی بات کر لیتی تو..... بھاگ..... تو میں کبھی کسی کے ساتھ۔ سسرال کی خدمت کرو، شوہر کے پیچھے دم ہلاتے رہو، بچوں کی آیا تک بنو، پھر بھی سانس لینا دو بھر سے عورت کا۔ جہاں کوئی کھڑکی، دروازہ کھولا، دھڑ سے قوی لگ گیا بدکرداری کا۔“ اسی غصے میں رانیہ اپنے باپ کے گھر آ گئی۔

☆☆☆

☆ ہماری تہہ نگار اور ادافہ نگار افشاں کوثر، کراچی۔ ایک طویل عرصے بعد پاکیزہ سے مل آئی ہیں۔ (خوش آمدید)

☆ پاکیزہ کی شاعرہ اور تہہ نگار نگینہ فیض کراچی ان دنوں اپنی شاعری کا مجموعہ ترتیب دے رہی ہیں۔ (باشاد اللہ)

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری سامانہ کی گزشتہ ہفتہ محقق ہوئی۔ (مہارک پاو)

☆ شاعرہ فریدہ و خاتمہ لاہور نے ہمیں بتایا ہے کہ ان کے پہلے شاعری مجموعے مختلف نے ادبی حلقوں میں بے حد پذیرائی حاصل کی۔ (ہماری یاد)

☆ معروف شاعرین و نثر نگار یحیٰ بن سید کے ذریعہ ان کیے ہوئے لان کے سوٹ پیر دینی ممالک میں بے حد پسند کیے گئے ہیں۔ (مشاد اللہ)

☆ ایسے عندیہ ہوا، لائیو کا حال یہ حد طبعاً خراب ہے۔ ان کی کلی حالت اور درگی کے لیے دعا کریں۔
☆ مٹی دی کی معروف اسکالر اور مصنفہ شازبہ اختر خان کرشمہ خاں لاہور سے کراچی آئیں تو کیا چنانچہ ان کا بیگ
لے کر بھاگ گیا۔ جس میں ان کا موبائل اور کرنسی کی (بہت) رقمیں ہو۔۔۔ کاش اسے معلوم ہوتا کہ پ ہمارے خیر میں
مہمان تھیں تو وہ ایسی حرکت نہ کرتا
☆ چائیز کی مستقل تجویز ہمارے مشعل احمد پور شرقیہ کے تین بھائیوں ناصر، مہرادر اور یاسر کی مفتی ہو گئی ہے۔
ان کی بھائیوں کے نام گنیمہ فریاد اور مہنگ ہیں۔ (بہت مبارک باد)
☆ چائیز کی قادری سائرہ خان کی رحمتی ہو گئی ہے۔ اب وہ مظفر ٹرڈ رحمت ہو کر جا چکی ہیں اور سائرہ منور
کہلاتی ہیں۔ (مبارک باد)

☆ باکیزم ہی قادی قاری عارف خاں کی رخصتی ہو گئی ہے اب وہ کراچی سے رحیم یار خاں کی خدمت ہو کر جا چکی ہیں اور اب عارف خیرمان لہلاتی ہیں۔ (مہارک باد)

☆ باکیزم کی مستقبل قاری غزالہ صدیقی، سندھ کی محنتی اے کزن فرقان سے ہوئی ہے۔ (بے مہارک باد)

☆ باکیزم کی قادی ساعدہ فرسن ان دنوں بیمار ہیں ان کی طبیعت کے لیے دعا کریں۔

☆ اس ماہ ہماری بے حد شفیق رقیہ بچیا کی برسی ہے۔

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری عاشرہ دانش، کراچی کے ماموں جناب عارف علی انتقال کر گئے۔
☆ معروف نعت خواں تابندہ لاری کے شوہر چل بے۔

لا اله الا انت سبحنك انى كنت من الظالمين

مصنفات، شاعرات اور قارئین یا کیزہ بہنوں

☆ نیویاک میں مقیم معروف شاعر شیر الحسن طالب کے بیٹے سہا کی خان کی شادی ڈاکٹر بادیم سے ہوئی۔ (مبارک باد)
☆ ارم ثاقب، شمرہ اور غزل، امریکا آ کر اپنے بھائی کی شادی کی دلی مبارک باد۔

☆ پاکیزہ کی افسانہ نگار اور جہندہ عقل ان دنوں کراچی سے امریکا کی ہوئی ہیں۔
☆ پاکیزہ کی شاعرہ اور نثر نگارہ فریدہ اختر، راجپوتوں سے امریکا کی ہوئی ہیں اپنے بیٹے کے پاس۔
☆ معروف افسانہ نگار اور نثر نگارہ فریڈا کس، ان کی کوئٹہ کی چلی گئیں۔
☆ ان کی بیوی سے وابستہ راسخو تھاکر مشینوں کا چھ دو گیا ہے۔ (مبارک باد)
☆ پاکیزہ کی مستقل قلمی اور مراسلہ نگاریوں کا عظیم لاہور کی شاہد علی کی سالگرہ ہے۔ (مبارک باد)
☆ پاکیزہ کی مستقل قلمی شہینہ طارق محبوب، دوام کرشنہ دنوں ملتان آئی ہوئی ہیں۔ ان کا نواسا ہوا ہے۔ جس کا
☆ محمد عباد رکھا گیا ہے۔ (مبارک باد)

☆ معروف سرجن ڈاکٹر جمال الدین اور نیکو شاریہ جمال کے چھوٹے بیٹے محمد ہادی الدین کی پہلی سالگرہ اور عقیقہ کی تقریب ان کی رہائش گاہ پر ہوئی۔ جس میں عباسی شہید کے اور دیگر اچانکوں کے ڈاکٹر زبھی ایک بڑی تعداد میں شرکت کی۔ (مارک باد)

☆ معروف افسانہ نگار و شاعر اختر بھگت ان دنوں بہتر حالات پر ہیں۔ ان کی کئی محنت کے لیے دعا کریں۔

☆ گزشتہ دنوں رضوانہ پریس کا ایک ایجنٹ ایک نئی جین سے لکھا یا گیا، جس کی ڈرامائی شکل بھی رضوانہ پریس نے خود ہی کی تھی۔ (سہارک باد)

☆ ہماری پیاری مصنفہ قصیرہ حیات کا سلسلے دار ڈراما میسما ان دنوں ایک ٹی وی چینل سے دکھایا جا رہا ہے۔
(مبارک باد)

☆ ہماری پیاری دوست شیریں حیدری کی ٹیلی گرامز پر مبنی مختصر کہانی جس کا نام چند اکلیم اور رانی تھا۔ (مبارک باد)

☆ ہماری ایک اور عزیز مصنفہ غزالہ عزیز کا سیریل بات ہے رسوائی کی ایک نئی جگہ سے شروع ہو چکا ہے۔
(مبارک باد)

☆ پاکیزہ کی شاعرہ، افسانہ نگارہ صفا فیصل نے اشتہارات کی دنیا میں قدم رکھ دیا ہے۔ ان کا پہلا اشتہار رڈ رولریلیز ہوا ہے۔ (اللہ تعالیٰ آپ کو اس شعبے میں عزت نفس کے ساتھ کامیابیاں عطا فرمائے)

☆ ہماری پیاری شاعرہ سعدیہ ہاشم، سرگودھا ان دنوں اپنے دوسری شعری مجموعے کو ترتیب دے رہی ہیں۔
(مبارک باد)

☆ معروف افسانہ نگار اور ٹی وی ہنرمیں سیمار خاں کا انساٹوں کا مجموعہ جلد کتابی صورت میں آنے والا ہے۔ (مبارک باد)

☆ ہماری پیاری مصنفہ رفعت سراج کا ڈراما سیریل 15 مئی سے شروع ہو رہا ہے۔ (مبارک باد)

☆ مستفید شخص فصل خالق کی بہن ترگہ اقبال بقول کرکشی۔

☆ ہوا جائز ازلان کے ماننے میں شامل تمام جہاد کے لیے دعا کریں۔ اس اندھ ہناک حادثے میں ہماری شاعرہ فیروزہ آصف خان کی آئی زہدہ عزیز، ان کی افسانوی شامل نہیں۔ ہماری شاعرہ اور تہرہ نگار ہامید بخت نور کے ہاں بھی تھے۔

نوٹ: ہر مرحومین کے لیے دعائے مغفرت کے ساتھ ساتھ حق باسورہٗ اخلاص پڑھ کر دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

بھو ڈاکٹر ممتاز ضیا، کرکشی ہے۔ ”ہمیشہ مجھے چاہتا تھا کہ میں تم بہت کچھ کہتی ہو بس خدا کرے بات بدل میں اتر جائے۔ آمین۔ دین کی باتیں اور اساتذہ اعلیٰ ایمان میں تازگی کا سبب بنتے ہیں۔ جس اعلیٰ انداز میں آگے بڑھ رہا ہے کرکشی بہت سے حالات و ذہن میں ابھر رہے ہیں جن کے سبب ہونے کا انتظار ہے۔ مگر اور چڑھا کا عہد کو حل کیا۔ رفعت سران کی تحریر انگریزی میں ہر اول جا چتا ہے کہ اس قسم کی قربانیاں ختم ہو جائیں اور آجما ہے دیکھیں بعض دفعہ کی خالو سبکی میں بن جاتی ہے سبکی، اس کی گمان کی طرف توجہ آتی ہے۔ زندگی ایک دلچسپ موزیک کی ہے، قباب کے ساتھ رہا ہوا ہر اچھا بھی ہو گیا کہ رخصتی سے پہلے ہی انصاف کی اصلیت مل گئی۔ لڑکیاں اچھی کیا سلاطین ہے۔ اسے دل نادان پر تبصرہ مکمل ہونے پر جدت تراش میں نشان کان کا مسئلہ آجما تھیں اصل میں تو آپ نہیں بلکہ ہر کچھ فیصلہ اپنے ہیں جن کی نسبت نہیں زیادہ اساتذہ لگتا ہے۔ کاچی لڑکی بہت خوب صورت انداز میں اختتام پزیر ہو اور یہ بھی کہتے ہیں کہ کالج کے سہ ماہی ہوئے ہیں۔ اس بات کے نال کا انتظار ہے۔ سرخ چوڑی کی ایک دلچسپ بلی چٹکی خرچہ کشاں خیالوں کی۔ اس زلزلہ و دودھ کا جلا، زندگی بھر کتنا سہ اور بھر کوئی خواب ہوگا اور آخر میں نہیں۔ غمزدگی کی ڈاڑھی کا انتخاب بہت کارآمد اور مفید ہے۔ بہنوں کی مختل شان و شوکت سے بھی ہے۔ انجم واقعی قاتی کھلکھلو نہیں ہو بلکہ جھلکے ہوئے ہیں، میرا بھی خیال ہے کوئی مختصر اور

اوجھ رہا ہوگا اور یہ یاد سے نہ کہہ رہا حال ان ناموں کو نہ ہماری ہوتے ہیں اور ذمہ داری دینے کے لیے شکر ہے میرا اساتذہ اس میں نہیں آیا کیونکہ میری یاد میں ہمہ تنادک ہے۔ بھٹ جاتا، بھٹ لگتا، مگر میں اس وقت اور نکتہ غمناک سے غم نہیں میرا ایک شریک ہوں، اللہ تعالیٰ ہر مرحومین کی مغفرت فرمائے اور ان کا دلوں کو ہمہ طور فرمائے۔ آمین۔ اچھیلیاں بہت دلچسپ ہے۔ رضوانہ پرش کا ڈراما نہ دیکھ کے معلوم نہ تھا۔ سوری باجی و امیرہ عنابد اور دیگر بنیادوں کے لیے دل دلوں کو کہہ لگا تھا سختی اور زندگی دے۔ آمین۔ ڈیٹا کی نوعیت آج اور میرا کج دیر دو اور تقریبات بہت خوشی کا باعث ہیں کہ بہت سے اچھے اور بڑے محفلوں کو ان سے ملاقات دی۔ شہیدہ سوری پر خرم ہیں۔ رضوانہ ہمارے زندگی بڑے سے انداز بہت قابل قدر ہیں۔ ہمیں ایسے ہی زندگی کو فخر کرنا چاہیے۔ ہاں میں تم سے کچھ شکر گزارا جاتی ہوں جو میں نے آج تک کی تھی کیا۔ تمہاری طرح ایک کامیاب شہر کے دل میں گڑی ہوئی ہے۔ میرے شوہر کی بزنس P.U.O ایسا جگہ جس کا سبب ہمیں معلوم ہوئے کہ جگہ اور کھدا کو پیار ہے۔ وفات سے 24 گھنٹے پہلے ہم باہم کرکشی اور کوئی دے کرے ڈاکٹر پڑے اور مجھے باہر جانے کہا۔ میرے شوہر نے میرا ہاتھ پکڑ رکھے جانے سے منع کیا مگر میں ان کو کوئی دے کرے چلی گئی مٹ بھٹ بھٹ واپس گئی وہ کو سے میں تھے اور ٹھیک 24 گھنٹے بعد وفات پا گئے۔ میرے دل میں بھی یہ کہ میرا بے کراش میں نے ڈاکٹر کی بات دہرائی ہوئی اور ان کو چھوڑ کر نہ جانی کرکشی کیا فیضی زندگی کا نام ہے۔ انگریزی میں غم کو تمہارے جلتے جگے خشک کر دیتا ہوا ڈاکٹر کیٹ ہے تمہارا میرا انتخاب، میں انگریز گنتاں ہوں، یا پھر وہ ڈاڑھی اور دیگر سلیپ آئی ہے۔“ (مختصر فیصلی تجربے کا شعر ہے۔ آپ کا خط پڑھ کر میری آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے)

بھو جو یہ یہ سیم، راول پنڈی سے۔ ”مٹی کا کیکڑا کی خریدنا اپنا خطا شامل نہ پا کر کھڑا ڈاک پڑھنا۔ آج اس کے علاوہ اور کرکشی کیا نہیں کہ۔“ (میرے صرف دو گن قضا وارڈ کی جس اور زندگی کی پڑھ دینی ہو چو کہ بھڑا سخت تیار کرنے ہیں۔ حاضری لازمی دینی تھی۔ اس لیے یہ طور لکھی ہوں۔ مجرہ قیصرہ حیات صاحب کی کتاب ڈراما سائنسی

دے سے شائع کی ہے، میں اسے ضرور پڑھوں گی۔ (کتاب آپ کو کلا ہور میں اردو بازار میں بھڑائی مل جائے گی) ہاں کیکڑا کیکڑا کرکشی نے اپنی دوستوں کے پاس میں میرا پہلا خط شائع ہے جب معلوم ہوا کہ ان میں سے کوئی بلی کا کیکڑا پڑھتی ہیں لیکن اب اس میں دو کراہ اضافہ ہو گیا ہے۔ پیچیدہ جانی ہمیں خاص دواؤں میں یاد رکھے گا۔“ (مٹی کا کیکڑا کی خریدنا اپنا خطا شامل نہ پا کر کھڑا ڈاک پڑھنا۔ آج اس کے علاوہ اور کرکشی کیا نہیں کہ۔“ (میرے صرف دو گن قضا وارڈ کی جس اور زندگی کی پڑھ دینی ہو چو کہ بھڑا سخت تیار کرنے ہیں۔ حاضری لازمی دینی تھی۔ اس لیے یہ طور لکھی ہوں۔ مجرہ قیصرہ حیات صاحب کی کتاب ڈراما سائنسی

بھو عزیز خان، راول پنڈی سے۔ ”مٹی کا کیکڑا کی خریدنا اپنا خطا شامل نہ پا کر کھڑا ڈاک پڑھنا۔ آج اس کے علاوہ اور کرکشی کیا نہیں کہ۔“ (میرے صرف دو گن قضا وارڈ کی جس اور زندگی کی پڑھ دینی ہو چو کہ بھڑا سخت تیار کرنے ہیں۔ حاضری لازمی دینی تھی۔ اس لیے یہ طور لکھی ہوں۔ مجرہ قیصرہ حیات صاحب کی کتاب ڈراما سائنسی

بھو عزیز خان، راول پنڈی سے۔ ”مٹی کا کیکڑا کی خریدنا اپنا خطا شامل نہ پا کر کھڑا ڈاک پڑھنا۔ آج اس کے علاوہ اور کرکشی کیا نہیں کہ۔“ (میرے صرف دو گن قضا وارڈ کی جس اور زندگی کی پڑھ دینی ہو چو کہ بھڑا سخت تیار کرنے ہیں۔ حاضری لازمی دینی تھی۔ اس لیے یہ طور لکھی ہوں۔ مجرہ قیصرہ حیات صاحب کی کتاب ڈراما سائنسی

بھو عزیز خان، راول پنڈی سے۔ ”مٹی کا کیکڑا کی خریدنا اپنا خطا شامل نہ پا کر کھڑا ڈاک پڑھنا۔ آج اس کے علاوہ اور کرکشی کیا نہیں کہ۔“ (میرے صرف دو گن قضا وارڈ کی جس اور زندگی کی پڑھ دینی ہو چو کہ بھڑا سخت تیار کرنے ہیں۔ حاضری لازمی دینی تھی۔ اس لیے یہ طور لکھی ہوں۔ مجرہ قیصرہ حیات صاحب کی کتاب ڈراما سائنسی

[illegible]

کچھ فریڈ فری، لاہور سے۔ ”مشی کا پکڑنا جو کہ ساگرہ نمبر تقاب سے پہلے کا شی لڑکی پرچی حروا گیا ہے۔
کئی شکل میں ضرور خریدیں گے۔ اس کے بعد ملٹرنگ واہ کیا بات ہے۔ ام جیسے پیاروں کے چہرے پر بھی خوشیوں کے
بول کھل اٹھے ہیں۔ ناول، ناول اور افسانے سب ہی بہت اچھے تھے، ناول، دوہ کا جلا، اصل زرا، امیر انفس بہت

کچھ عینہ عرفان، راجی ہے۔ ”نئے سال کے پہلے خانہ میں ہماری شاعری نہ کی، خلیا تو ضرور شائع ہو گا لیکن ایسا نہ ہوا تو آپ کچھ ذوق سا کیا لیکن جب تک قسم ہے، اپنے ڈوبنے دل کو سنبھالا۔ کچھ فکر بلکہ مصرعوں کی شمشیر، راجی کچھ کھینچ کر لیا اور ضرور فروری، راجی کے شمارے میں نہیں ملے۔ جب اپریل کا شمارہ لینے کے چاہیے ہی، راجی کے شمارے پرانے رسالوں کے لیے پچا لیا تو اس کو کہتے ہیں دل سے دل کو روانہ۔ ملائی تو فروری کا شمارہ جس میں ہمارے خلیا کا جواب بہت خوش ہوئی۔ ضرور آپ کو شکر ہے کا خلیا نہیں بیٹھے۔ حالانکہ ہماری آنکھوں میں گری کی وجہ سے راجی ہوئی ہے لیکن آپ کا شکر ہے اگر کا تھا خلیا کا بھی۔ فقط کہتے ہیں تانے کے بھی، کچھ کھینچ کر ضرور دل کے دن اور ماؤں کے دن کے حوالے سے، اندر ہی اندر کو پا کر کے پاس جانے کی بہت جلدی کی، دونوں ایس دن کے انشیاک دوسرے کے انشیاک ملے۔ انشیاک کی مغفرت کے، انشیاک۔ (جاری کر لیا آپ کا قاعدہ کے اپنے تھرے بیچے۔ آپ کے والدین کی مغفرت کے لیے ہمارے قارئین ضرور دعا کر سگے)

بہ شائبہ، نوبارک سے۔ ”مطالعے کا شروع بہت پرانا ہے۔ سائنس اور یاکیزہ سب میرے مطالعے میں رہتے ہیں، اس کے علاوہ جو اچھی کتاب مل جائے۔ کچھ لکھتا جانتی ہوں لیکن۔ چمک کی وجہ سے کچھ لکھیں پانی۔ مجھے تو سڑی رہنمائی اور جملہ افزائی کی ضرورت ہے شاید کہ میں کچھ گراؤں۔ خط میں پہلی دفعہ ہی لکھ رہی ہوں۔“ (اس مختصر میں خوش آمدید۔ ہم

[illegible]

بھہ نسیم شعلوی رومی سے بیہودہ آپ کی بقی کر وہ فرست میں چاچر کر سمیہ کا ہونا میرے لیے کی اڑنا
سے کہیں۔ ان کے ماشاء اللہ اس کل باورداشت کو سب دے شمار سلام۔۔۔۔۔ آپ بدو شل صادق آتی ہے کہ
توں سے خوشبو آئے اور ظلم جو ملو جگہ میں انھیں۔۔۔۔۔ شادی اور لیے کی سارک باؤ میں تون پر دے چکی ہوں۔ ماشاء
تصور میں بھی اور انھوں دیکھا حال پر زبردست رہا۔ تصور میں البتہ زیادہ واضح نہیں آتی۔ (ہاں انگریز تصاویر پر
رنگ کھیل گئے تھے) افانوں میں اقبال باؤ نے پہلا قدم اٹھایا ہے تو سب کو اسی قدم پر چڑھنا ہے۔ (اقبال لوگوں کو یہ
کہنا چاہیے کہ) ایسے دستور نہیں ہاتا۔۔۔۔۔ طعنے کی کہانی آئیوں کی ہستی اسی سبق آموز کہانی میں کیے کفر نہات تو مجھ
کی ہے مزاح کا رنگ ہے ایک دلچپ افسانہ تھا۔ میں خود اس کی صفائی فرمایا خواہ تین سے واقف ہوں۔۔۔۔۔ مفرہ احمد نے انیس
لکھ کر دل کے تاروں کو چھیڑ دیا۔ بقول شاعر میرے سادہ لوح بندے کھر جائیں کہ درد میں بھی عیاری بقصری بھی
عیاری (شعر کا مفہوم) اب تو اس انھیں درد دینا شاعر اور ناخبر کسی کو بھی شک کا فائدہ نہیں جا سکتا تھا۔ خوشین نے
میڈیا پر اچھا درکار کیا۔ آج کل واقف صورت حال اس کی ہے۔ ناول سب بہت اچھے ہیں۔ عمیرہ کا گلشن بہت کمزور اور دل
چاہر ہے۔ دینے کے ایک بیات شیر کوئی نہ۔ آج کل ٹی وی پر ڈراموں میں کہ نقوش کا بھی طرح طرح خفیاں اڑایا
چاہر ہے۔ اس پر ہم سب کو ہرجا چاہیے۔ مائیں کا کہنا ہے کہ سچے سچے نازوں میں صرف۔۔۔۔۔ شادی شدہ عورت خفاں اڑایا
اؤٹار۔۔۔۔۔ شہر طوفان بدو پڑتی چلی ہے۔۔۔۔۔ آپ کا کیا خیال ہے؟ (اکیس باؤ نہیں ہے۔ ہماری بزرگ خواہشیں بھی اب
بزرگی اپنانے کے لیے تار نہیں ہیں۔ اور بہت ساری خواہشیں کی 35 کے بعد رک جاتی ہے۔ اے لیے دی دی پر بھی دعا
نظر آ رہا ہے۔ جو پورا ہے)

کچھ صاحبزادے، جنہیں لوگوں نے "اس" نام پر یاد رکھ دیا، یوں ان شادی، میری، کرن موہنا، شفا کے ساتھ
 اس سلسلے میں ٹھوڑی سی مصروفیات ہیں۔ آپ نے دعاؤں کے کلمے سے جو ہمارے نام کیجے ہیں انہوں نے ہمارا سیر
 خون بڑھادیا ہے۔ یقین جانیں دعاؤں کے کلمے میں اپنا نام دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ آپ کو اپنے بیٹے عسکر کی شادی
 بہت بہت مبارک ہو۔ شادی کا احاطہ قطعی کرنا ہی بڑھ کر بہت محروما ہے۔ خصوصاً شادی بھی میں نے کئی بار دودا بہت دلچسپ



بات کی جائے توفیق کا پہلو نہیں ملتا۔ ان کردار اور حالات پر ایسی گرفت ہوتی ہے کہ قاری ایک لمحہ میں رہتا ہے۔ عیسیرہ کی تحریر کی یہ خوبی ہے کہ ان کو پڑھتے ہوئے قاری اسی ماحول میں خود غرق ہوتا ہے۔ عیسیرہ کی تحریر کو پڑھتے ہوئے ہر دفعہ یہ احساس ہوا کہ اس ناپک پر اس سے زیادہ اچھا اور لکھا نہیں جاسکتا تھا۔ اس کے علاوہ عیسیرہ کی یہ خوبی کہ وہ جس موضوع پر لکھتی ہیں اس پر ان کی معلومات غنیمت کی ہوتی ہیں۔ وہ کوئی پہلو پیش نہیں چھوڑتی ہیں اور قاری کی نظر پر ان کا ہاتھ ہوتا ہے۔ انجم انصاری کے بارے میں لکھتا تو سورج کر مرزا تھا تو ناول کی خوب صورتی اور اسلوب بیان انکسار کرتا ہے۔ یا کہ یہ سطر تک شائع ہونے والے سطر تک جو تب بھی اٹھا کر پڑھ لیں ہر دفعہ ناز ہو دیتے ہیں۔ وہ بڑی سے بڑی بات کو بھی لستہ لطف سے بیان کرتی ہیں کہ کچھ نہ کہتے ہوئے بھی بہت کچھ کہ جاتی ہیں۔ ان کے اکثر کردار ہمارے ارد گرد چلتے پھرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی کہانیاں ادارائی دنیا کی نہیں بلکہ ہمارے ارد گرد کی کہانیاں ہوتی ہیں اور ان کو ان کی تحریر کی بہت بڑی خوبی ہے۔ فائزہ بخاری کا تو نام ہی کافی ہے، اُن کی تحریریں اور ان کا مزہ بخیر بڑی کی نسبت مزاح لکھنا بہت مشکل کام ہے اور حیران بھی ایسا کہ جتنے جتنے بیٹے میں مل پڑ جائیں مزاح اور ہنسی میں بہت فرق ہے اور فائزہ جیسا کہ مزاح تو سب ان لکھنے سے لگتی ہے ان کی اتنی غنیمت کی ہوتی ہے کہ لفظوں سے تصویر بنی جاتی ہے اور پڑھنے والا اپنے آپ کو اس ماحول کا حصہ محسوس کرتا ہے۔ واقعی فائزہ ہی آپ سے تو جیتا مشکل ہی نہیں شاید نامکس ہے۔

شکستہ ناز ملک

مجھ سے ملے

میرا نام شکستہ ناز ملک ہے، بلی پور کی ہاں ہوں پہلے چھوڑا اس لیے علاقے کا بتاؤں۔ میرا شہر بلی پور ضلع مظفر کوٹھی تحصیل ہے اور صوبہ پنجاب کی آخری تحصیل بھی۔ میرا گاؤں شہر سے پانچ منٹ کی ڈرائیو پر ہے اور بہت خوب صورت علاقہ ہے۔ میرے گاؤں کا نام جی آرا میں ہے اور اس کی پانچ کھجلیں تمام شاہ والا ہے۔ یہ انتہائی پرسکون جگہ ہے صاف قدر علاقہ ہے۔ ہر سے مجھے باغ ہیں حتیٰ کہ یہاں کے تمام مکانات بھی خوب صورت ہیں بہت چھوٹا سا علاقہ ہے لیکن یہاں ایک پتھر کا مسجد ہے اور لڑکے اسکول بھی ہیں لوگ پڑھنے لکھنے کو پسند کرتے ہیں۔ یہاں کے مشہور پھل آم اور انار ہیں۔ یہ تو قصیر علاقہ اب اپنے بارے میں بتاؤں کہ میں ہاؤس وانف ہوں اور ماشاء اللہ وہ بہت پیارے ہیں مجھے ارباب اور محترمانہ۔ میں صاحب اختیار ہیں۔ میری تمام بھتیجی بہنیں لکھی ہیں۔ ہمارے علاقے میں لڑکوں کو پڑھانے کا رواج تھا لڑکوں کو نہیں گھر میرے بونے یہ روایت تبدیل کی میرے علاوہ تمام ہم عصر اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ دوست بھی زندگی میں بنا نہیں ہیں اس لیے کہ میری بہنیں ہی میری دوست ہیں۔ نایاب، چندرا، ریحانہ، میری شدید خواہش ہے کہ میرے بچے حافظ بنیں اور آپ سب بہنیں دعا کریں کہ اللہ پاک تمام خواہشوں کی طرح یہ خواہش بھی پوری کر دیں۔ حافظ قرآن بننا اب صرف میری ہی نہیں میرے دونوں بیٹوں کی بھی خواہش ہے۔ یا کہ میرے بہت کچھ سیکھا ہے صرف ذرا جستجی ہی نہیں میرا سہمی ہے اس کی بدولت ماہ بخاری بھی دوستی ملے۔ آخر میں اس اتنا کہتا چاہوں گی کہ خاموشی پر سکنت کا علاقہ ہے۔ بہت زیادہ اور بے وقت بولنا بھی کسی بہت بڑے مسائل کا باعث بن جاتا ہے۔ سو بہتر ہے کہ اچھی بات کی جائے یا خاموشی پر جانے۔

ذرا جستجی میں پڑھنا میں نے میٹرک کے انگیزے کے بعد شروع کیا تھا۔ بس وہ دن آج کا دن ہم دونوں کا ساتھ ہے۔ عیسیرہ کا نام ذہن میں آتے ہی بے مثالی کا تصور ذہن میں آتا ہے جنہیں ہم دن اینڈ آؤٹ بھی کہہ سکتے ہیں۔ تصوف پر ان کی تحریریں ہیں ہوں تو بے مثال سیاست پر ہوں تو لاجواب غرضیکہ کوئی ایسا موضوع نہیں جس پر وہ لکھیں اور لکھنے کا حق ادا نہ کر سکیں۔ عیسیرہ جی نے اپنے ہر کردار کو مار کر دیا ہے ان کی تحریر پر جب بھی

آپ کی حوصلہ افزائی ضرور کریں گے

بھہ اصفا فیصل، کراچی ہے۔ ”میں یا کہ بیکہ شان دار تھا۔ عکس پڑھتے ہوئے کئی دفعہ کہ دو مختلف کرداروں کی کہانی چل رہی ہے مگر ہر بار بھی ہوا جی کی تکرار شہر دل اور اس کے اہل کا تذکرہ ایک ہی پیرائے میں چلا چپے وہ ایک ہی کردار ہوں۔ بہر حال عکس نے اپنی توجہ سیکس پر مرکوز کر لی اور اب یہی اس کہانی کی سب سے اچھلی بات ہے۔ خوب ستر میں رہے، رفعت سراج جی کا افسانہ پڑھ کر اچھا کہ بہت دنوں کے بعد ان کا وہی مخصوص لہجہ دل کو بھرا گیا۔ رفعت سراج جی سے میں 2008ء میں مل گئی۔ زندگی، اسے سلیطہ ناخراہ کا بہت زبردست جاب ہے۔ اعجاز بیلا بہت جامع اور مفصل ہے۔ دلی نازاں میں باقی آنے دو تیکر دل موس کو کر رہا کیا۔ جدت تراش ٹھیک تھا، کچھ ہی لڑکی میں سرفراز صاحب کی زیادتی کی سزا ان کے بچے کو کھینچتی ہے۔ نفس ہوا مگر کہانی کی خوبی اسے انعام تک پہنچانے کے لیے آپ مہربان باد کی سکتی ہیں۔ صبر رہے دیکھنے نے اس پر انکس سے بھر پور انصاف کیا، زبردست زندگی بھی تھی۔ دو دو کا جگہ جگہ

ہیرا، موضوع اگرچہ پرانا تھا مگر اسے ایک نازک دے کر انتہائی قابل اصلاح لکھوں کے لیے بہت زبردست تھا۔ ویلنٹن سیما جی بہت مزہ آیا۔ ریما لعل سیما نے بھی اچھا لکھا۔ بھر کوئی خواب بنو اچھا تھا مگر اس میں جذبات کی حد درجہ تھمائی گئی اور واقعات کم تھے۔“ (شکریہ)

بھہ رفعت یمن رنی، کراچی ہے۔ ”کچھ ہی لڑکی کا اختتام بہت پسند آیا۔ اس سے بہتر اختتام نہیں ہو سکتا تھا۔ اسے پڑھ کر بہت سارے لوگوں کی آنکھیں کل جاتی چائیں۔ کچھ دنوں کے لیے بہت سبق آموز ہے کیونکہ آج کل آپس میں حسد، طعن اس قدر بڑھ چکا ہے کہ لوگ کچھ کی گزرنے سے باز نہیں آتے ہیں۔ فسادہ نہیں تھپتھپ رہا دل دکھ ہے مگر۔ رضوانہ پر کئی اللہ تعالیٰ اور بہت دھولہ عطا فرمائے اور انہیں اپنے بچوں کی خوشیاں دیکھنا نصیب کرے۔“ امین۔ اور یہ دیکھا تو دیکھا جی تو سوچیں دل کا تو کام ہی ہے بولنا، یہ دنیا کی کو خوش نہیں دیکھنے کے عکس کا ہوا ہے پختی سے انتظار رہتا ہے جیسے میرے ہر صبر و سادہ خوش رہو۔ اللہ کے دے تو رکھ اور زیادہ۔ خوب ستر میں رہے، زندگی،

ہوں۔ ذرا بھی غصے میں نہ آنا۔ جو بھولتا ہے تو برا حال ہو جاتا ہے۔ ناہید سلطانہ اختر نے بہت اچھا لکھا۔ کالج کی لڑکی کی آخری لفظ سہترین رہی۔ کوہ پربت مبارک ہو۔ اسے مجلس کو پربت پربت کالی کی سو پتھیلیاں بہت زبردست چاہا ہے۔ آپ کے جلتے جلتے خاشاک کا خوب مزہ آ رہا ہے۔ (نوازش)

میں جتنا شاعر، حیدر آباد سے۔ یہ لکھ کر ممتاز قضا کہاں ہیں آج کل۔ (اس ماہ مہینوں) باقی آپ سے یہ کہنا ہے کہ کتنی معصفتا کی تحریریں زیادہ نکل آئیں گی۔ میں غصے میں آتا ہوں۔ ہمارا دل چاہتا ہے کہ پائیز میں صرف اعلیٰ ترین تحریریں شائع ہوں۔ (کرنا اگر ہم معصفتا کو معصفتا نہیں دیں گے تو وہ کیسی کی کیسے ہو گی تو زور مارو)

میں میٹر نظم، راول پنڈی سے۔ آج کوئی ایک سال بعد بارہ ماہ جاری رہے ہیں۔ میں نے کچھ موفقات کی وجہ سے بیٹھ تیرہ لکھنے سے روکا تھا۔ میں نے نہیں کر سکا کہ بارہ ماہ سے دور رہے۔ میں بلکہ ہر مہینہ ہی پائیز کے ساتھ گزرا ہر حال دیکھ کر شاعر کی حقیقت کو مل کر چڑھ کر دل کو بڑی تکلیف ہوئی۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ آج میں تمام ہوں گے۔ افسانے میں پڑھنے کے لیے پائیز کی لڑکی بہت زیادہ اچھا لکھا واقعی ہم آج کسی کی جین کے بارے میں بات کر رہے ہیں۔ جیسے جیسے کلام کا فاصلہ ملے گا تو روتے ہیں۔ جب بھی اپنا پتہ چاہی لکھا ہے۔ اپریل کا شمار ہاتھ میں ہے اپنی پوری رعایت سے سویت سی ہورانی غنیمت پوری محنت سے جلوہ افروز نہیں۔ شادی میرے شہزادے کی پڑھی۔ عظمیٰ نے ایک پیار کرنے والی بہن کا بھر پور کردار ادا کیا وہ عظمیٰ جانی (نندہ دوسے سے تیرے سے) ہر حال آئی آپ کو تمام اعلیٰ خانگہ و راجہ کی سبکی پائی میرا دل کو بھی مبارک جنہوں نے اپنی لکھاری بہنوں کو پیار سے اعزاز میں خوش آمدید کیا۔ ہر حال میں آئی جانی ایک گھوٹے کے شادی میں بلاوائیں اعلیٰ کریم پھر بھی خود کو آپ کے ساتھ محسوس کر رہے تھے اور جب کراچی آکر دھوکا اڑا دیں گے، انشاء اللہ اقبال بلاؤ گی کی آمد بھی کی۔ وراثت کو آپ کی کے شوہر کا انصاف ہو اللہ تعالیٰ آپ کی کوہ پربت عطا فرمائے۔ (آپ کے بارے میں لکھا ہے)

ہم بزم میں اس حمد کے ساتھ شریک کر لیں جو میں نے بڑی محنت سے اپنے پیارے اللہ کی عبت میں لکھی ہے۔ (اس نکل میں اور پائیز ڈائری میں خوش آمدید)

آپ پر بظہیر کی مہربانی ہے۔ میں حیران ہوں آپ اتنا اچھا موضوع چن کر اسے اتنے الفاظ میں لکھتی ہیں۔ آپ کو لکھ اس کا نقل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہندوں کے کام آئیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے ہی پیار سے کئی صدیوں تک لکھنے سے بچائے۔ آپ کے لیے میں ہر وقت دعا کرتی ہوں جو جتنی بھی میں پائیز کی دعا خواہش قاری ہوں۔ مجھے تو بھی یاد نہیں کہ آپ کے پائیز ہر دن حنا مشروٹ لیا تھا۔ جسک سال تو ہو گئے ہوں گے۔ اب تو مجھے بھی پائیز کی یاد ہے۔ میں خود بھی ہائی اسکول میں تھیں ہوں۔ جس چیز نے مجھے اٹھانے پر مجبور ہو گیا ہے۔ (نکل آپ کے ساتھ شہر کرنا چاہتی ہوں۔ (انہادک) بارہ ماہ کا کہنے ہمارا کہیں میرے لیے۔ میری امی فوت ہو گئیں۔ انہادک جو میں لفظوں میں بیان نہیں کر سکتی۔ اچھ پھرتی بہن سے۔ اسی لیے آپ کو بڑی بہن کہا ہے۔ میں جب بھی کراچی آتی آپ نے ضرورتوں کی۔ امی کے کہنے مجھے زندہ رہا گوگردیا ہے۔ میری بھی ایک بیٹی ہے آپ کی طرح۔ (زرخانہ بہن آپ کی کراچی آئیں میرے پاس ضرور آئیں)

میں ذرا قاصدہ، جونی ڈیرستان ضرور باقی ہے۔ "سب سے پہلے پائیز کی ساگرہ مبارک ہو بحیرہ احمد کا ناول جس میں قاصدہ کی صورت سے آگے بڑھتا ہوا ہے۔ جس کا بلاشیراکہ بھر پور دل ہے۔ ناہید سلطانہ اختر شیریں حیدر، انجم انصار اور نرہ احمد راہ زبردست مجھے تو پڑھ کر برازہ آیا۔ دیکھیں آپ کی جب جلتے جلتے ہڈیوں میں سے پانی نہیں لاتی۔ اس پیادری پیادری میں میں بھی جگہ پائیز کی۔ (کرنا تمہارے نے اپنی روش میں لکھ دی ہوئی ہے۔ ہر

اصل زور غرض کے ہر افسانہ ہر ناول بہتر ہیں بلکہ یہ کہ پائیز کے دونوں ساگرہ نمبر بہت لا جواب تھے۔ رنج چوہدری، میوندہ بخت، ناہید سلطانہ، رفعت سراج، انجم انصار، وضوانہ پریس، عظمیٰ آفاق اور پائیز کی ساری نیم کو میرا سلام مبارک باد۔" (نوازش)

یہ نور افشاں فتح، حیدر پور سے۔ "پائیز کو اتنا پیار ہوا کالج کی لڑکی لکھنے پر بے حد مبارک باد۔ پائیز اپنا کوئی ایک ہی ناول بی بی وی چینل پر بڑا میں، پائیز باقی۔ اپریل میں مجھے کہنا ہے۔ سے لے کر خیرک سب سلسلے بہت پسند آئے، پائیز باقی روحانی مشوروں کے صفحات بڑھائیں۔ تاثر میں عکس اور زندگی نا پڑ چاہے ہیں۔ عکس میں مجھے چار افسانوں کے ناول کی باتیں بڑھ کر بہت اچھا لگتا ہے، پائیز بحیرہ احمد کی تصویر دکھائی باقی۔ میوندہ خورشید کے ناول کی پہلی جلد بھی بہت اچھی لگی۔ پائیز عذر اسول کی ڈائری سے انتخاب والی باتیں پڑھنے کے لیے لکھیں۔ مجھے یہ لکھنے کی لکھی تھی۔ مجھے خود پڑھنا پڑا کی لڑکی کی سفرنامہ تحریریں بھی بہت حقیقت کے قابل لگی۔ باقی ایضاً وہ لب کی طبیعت ٹھیک نہ ہونے کا پڑھ کر بھی بہت دکھ محسوس کرتی ہوں اور ان باقی کے لیے میں نماز میں دعا ضرور باقی ہوں۔" (جزاک اللہ)

یہ عارفہ مسعود لاہور سے۔ "میں پائیز کی ایک خاموش قاری ہوں اس وقت سے جب ناہید سلطانہ اختر صاحبہ کے ناول آج کریت پر مکان جیسے شاہکار ناول آئے تھے۔ دو کتب و نقاب پر خود لکھا تھا۔ اس سے کہیں کم کرنا آپ کی محبت نے میرا دل مہلایا جب پائیز کا ساگرہ نمبر ملا اور آپ نے فردا فردا اپنی بہنوں کے نام لکھے اور اس نکل میں اپنا نام لکھ کر کوہ پربت ساگرہ مبارک ہو گیا کہ ہمارے جیسے بھی آپ کو یاد ہیں جو کم کا حاضری دیتے ہیں۔ دیکھیں میں نے اپنے نام پر بھی اتنا پیار نہیں کیا جتنا آپ آیا۔ آپ فرب ہو گئیں تو آپ کے ساتھ چم چم آج کی خود غرض وہ نہیں جس کی محبت کی کرشمہ بنجیرے والے لوگ ہیں اللہ آپ کو اپنے تمام پسندیدہ شاداد یاد رکھے۔ آپ کا شمارہ بیٹا اعلیٰ کریم کی دلنہایت بہت اچھا لکھ رہا تھا اور عظمیٰ جی نے احوال لکھ کر گویا بہن ہوں کا حق ادا کر دیا۔ ان کے ہر لفظ سے محبت لپک رہی تھی۔ بہت عرصے پہلے سے کسی بہن کا مشورہ پڑھا تھا کہ کہیں روز دو روز فکر کرانے کے پڑھا کریں آپ یقین کریں انجم کی بہن کا ہر کاروں اللہ کے حکمرانے کا حق ادا کریں کہ سکتے مگر اس مشورہ سے پہل کر کہ میں نے بہت کچھ پائیز میں بھی سب بہن کو یہ ضرور کہیں گی کہ وہ وقت نکال کر کشرانے کے نقل ضرور ادا کیا کریں۔ بحیرہ سید کی تحریر نے گویا میرا دل نکال لیا۔ بہت خوب صورت، میں اپنی سوچتی ہوں کہ اپنے اعلیٰ کہانی لکھوں جن کے تمام خواب اس طرح سے پورے ہوئے اور بھر گیا ایک خواب ان کے سامنے ٹھہرا چکا تھا۔ خواب شرمندہ تعمیر نہ ہوں تو شاید ناراض نہ ہوئے۔ پورے ہونے پر بھی ان کی کمریاں ختم ہیں سو بہت ہو جاتی ہیں اور انہی میرے اور انہی کے ساتھ ہو اور وہ اپنی آخری منزل پر پہنچ گئے کہ لاوا دکھان سے دیکھتے تھے۔ تمام بہنوں سے گزارش ہے کہ ان کی مغفرت کے لیے دعا ضرور کریں۔ مگر جب اٹھانی ہوں تو تمام خیالات ٹھہر کر جاتے ہیں آٹھوں کے گوشے میں ہوجاتے ہیں اور ان الفاظ کو ہوجاتے ہیں۔ او وہ میں کہ ہوں بھلیوں میں اچھی۔" (پیادری کا فرقہ آپ کی بھی بھانپنے سے کہی اس نکل میں تو آئیں اور۔ آتی رہے گا)

یہ سمر شرمین طارق محمود دام سے۔ "پائیز مجھے بے حد پسند ہے۔ تمام تحریریں شوق سے پڑھتی ہوں۔ جلتے جلتے خصوصی طور سے پسند ہے۔" (نوازش)

یہ شہناز حیدر، ایک (A-E-O) ہے۔ "پائیز کا پائیز ہونا اپنا انٹرویو دیں۔ میں بہت عرصے سے منتظر ہوں۔ پائیز کا پائیز ہونا دعا نامہ ہے۔ جس اچھا ہے۔ ذرا بھی خوب ہے کالج کی لڑکی پڑھ کر بہت اچھا لگتا ہے۔ آپ نے دعا اور بدعا بہت اچھا لکھا۔" (اس نکل میں خوش آمدید۔ انٹرویو میں یادوں۔ میرے پاس تانے کے لیے کوئی خاص بات ہی نہیں ہے)

یہ سمر شرمین تاناز کراچی سے۔ "پائیز، جلتے جلتے دھیرے دھیرے پڑھا کر کیا تھا۔ اب تو میں اس کی عادی ہو گئی

سیدہ سہرہ خالد، دوکوندے۔ ”آئی آپ کا بہت شکریہ کہ آپ نے ہمیں بھول کر محفل میں جگہ دی۔ اگر آپ میری ایسی طرح حوصلہ افزائی کرتی رہیں تو ہم کبھی بہتر سے بہتر ٹھیکے کی تلاش نہیں کریں گے۔ آئی اگر خدا ہمارا دل بھی لے تو پلیز ہم کو جلد ضرور دینا کیونکہ ہمارا کھربہ سالہ بہت لگے اب اپنا دل کا خزانہ تاریخ کو بلا دے۔ یہاں دویشان کی اس طرح آگے کا یہاں سے بڑھتے رہیں اور اللہ تعالیٰ انھیں معراج رسول کو بھی صلحت یاب کر دیں۔ آمین۔ اب آتے ہیں کہانیوں کی طرف۔ سب سے پہلے تو درجی کا لڑکے کی بہت ہی زبردستی کسی منہ سے تحریف کریں۔ کس کو بہت ہی اچھا ناول چاہا ہے اور اپنی عمر اور احوال میں آپ سے دوستی کرنا چاہتی ہوں اگر محفل ہو تو ضرور ہائیں۔ اس کے بعد زندگی اور ششوں کا مسیحا کو بھی بہت ہی محترم ہے کہ اختتام کو پہنچا۔ ناول پھر کی خوب بونہی ہے لیکن خدا ضرور احمک ناول لکھیں جس کی بہت اچھا تھا۔ یہی اسے افسانے میں لے آئے اور طنز و طعنے کی نوبت ہی پھر آج ہے۔ یہاں میری کئی شاہد کی ناول مبارک ہو، خدا ہی ان کی جڑی سلامت دے، اس کے بعد کچھ گفتگیاں تو ہیں اس وقت ضرور فیصل آباد کا شعر زبردست تھا۔ آئی گفتگو شیخ آج پھر اور بھی لکھا کرو۔“ (سہرہ..... کا ملی کر میں تو میں اپنے سالن میں ڈال لیں۔ سند ہے جسے میں مگر میرے لئے ہے)

کچھ عذر اٹھائے، میرا نکل، ڈیڑھ اناڑی خان سے۔" انجمن باہمی کی بہتر مساعفاتی کیزو اور تمام قاتلین کو دل کی گمراہیوں سے بہت بھرپور سلام۔ اللہ سے دعا ہے کہ ماہنامہ باکیزو دل و جان رات چوٹی تر تری کرے، آئیں۔ اس وفد کا ناکل باہمی مت پوچھیں۔ اتنا خوب معلوم ہے کہ وہ دیر ہوئے۔ حسب معمول شرمات عکس سے انجمن عیسائی کے غیرہ امور سے غور۔ میرا نکل اور پھل سے آگے جو ہمدانی ہیں، ہمیں کچھ دے۔ میرا ہمدانی اور پھل سویت گورنر راتر ہیں۔ سمجھنا کہ ان کا نام کیا ہے اور خوب سویت تحریر کی ضمانت ہے۔ نہ اس کو کچھ کیزو میں دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ میرا کاش کاٹھن اٹھل اچھی تھی۔ افسانوں میں پہلا قدم، اقبال بانو پہلی خبر ہیں۔ آئیڈیوں کی بہت سی، علیحدگی بھی بہترین کاٹھن کی، شیواں کا مسیحا کی شہداء کا انتقام، پندھانیا، تاج پھل، سلطانہ اختر، ملکہ کاٹھن، دل و جان خوشی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ مکمل ان کے معیہ میں کچھ دیا جا جو بہت پسند آیا۔ مستقل سلسلوں میں دین کا نام، باکیزو ڈائری، میرا انتخاب، بیجوں کی منتقل اور خصوصاً جلیونک میں بہت اچھے لکھے ہیں۔ انجمن باہمی ہمدانی بادی کی سراسیمگی سے سراسیمگی میں ہم اپنی اپنی جگہ جلیونک کے ترجمہ کر کے سنائی ہوئی ہے، وہ بہت بڑا ہے، انجمن باہمی کی بقول ان کے معیار کے حراز بہت مشکل ہے۔ اور دین پاکستان کی چند امور خوشی راتر کے پاس ہے۔ اور ان راتر میں انجمن انصار کا نام سرپرست سے بعد از رسول صلے کے آزمودہ ہو گئے فوراً سے چھپرائی ڈائری میں اتار لیے۔ (پندھانیا کی کاٹھن)

کچھ مہر سرائی، کچھ ہے۔ سیر کی ٹیڈی جس خوب کوئی نے آپ کے مونی بھیرے سے اس مال کا
اسی خوب صوفی نے آپہنیں سمجھ کر اپنی ایک مگر پرف کر دیا۔ ویڈن بہت ذہنوت ہر کر دیا کے ساتھ مگر پورا انصاف
مادار شیخ جو اتنا بکرا ہوا جو ان دکھا یا اس کی شادی کلوم سے کر دیا کہ خوش کر دیا۔ بہت اجمادی تھا۔ مرنے والا تھا۔
تحریر آج تک کے اسٹوڈنٹ کے لیے مشکل راہ ہے۔ جو دورا ہے۔ کسی کو اپنا بیان نہیں بنا کر شرم ہو جاتی ہیں جو پا کر نے کو
خوب نوٹ لیں جس کے ہمیشہ پورے میں بیٹھے ہیں گاتھا کہ کچھ کرنا تھا ان ایملیوں سے۔ جو دریاغ کا پھر کرنا
خواب ہو گیا سوکھا۔ آخر اپنی آبی ہے۔ تو توازن ہے پارے کی عقل ہی تبدیل کر دیا وہی سمجھا نہ جاتا تھا کہ ان کا
دھو دینے کا بیڑا ایک نیک پروین کی تو ہے بے چاری۔ اور سر فراز کوخت سے سخت مار دینے کو کتنے لوگوں کا حال خراب کر
دیا اس شرف کے بچے نے۔ ایک غیرت مندر شرف کی کوئی کہے اس نے بے آبرو کر دیا۔ عینہرہ عید بہت اجماعتی ہیں حساب
بے زیاں میں اشارت بہت بزرگ لیکن ایک بڑھ چک تھا۔ اترو کی بنی کا اقتدار وہاں کیا استغفر اللہ تو ایسے کی بنی
کو نافرمان بنائے اور نہ انہی کا عمل اور لاو دے جو سر ابراہن جائے استغفر اللہ۔ عذرا ہی کے آرنے ہوئے تو کچھ سبقت

[illegible]

(آپ کے سامنے کچھ نیا چاہی ہے)۔
 بعض عہد نظر آئے، اور سے۔ "میں نے کہا تھا کہ ابھی کچھ عرصے میں جس کا عنوان تھا مجھ پر کرنی دہلیس جرنل اور اس
 حوالہ میں نے پاکیزہ کے لیے کافی مراسلات اور کچھ شاعری امروا کی تھی مگر میری ذاک نے اس میں کہاں کیا جانی ہے
 ایک کچھ نیا بھی لکھا تھا، اگرچہ ابھی سے تو اس میں ایسی کاغذی ہوتی ہے؟ آپ ہر میری تحریر کو ملاحظہ کر دیتے ہو
 اور اگر وہ درود میں لکھی گئی ہو تو اس میں کیا ہوتا ہے؟ مطلب ایک کہانی کے لیے کہ باتوں کا خیال رکھنا
 ضروری ہے؟ پلیر آپ مجھے اس کے لیے معلومات دیجیے اور پتا ہے ان دنوں میں ایک کتاب لکھ رہی ہوں کہ کتاب کا
 عنوان ہے موت اور معاشرہ جس میں میں نے اپنی امروا کی کہانیوں کے مسائل اور ہم کارڈ سے بیان کی کہانیوں کو ایک
 صورت کے لیے معاشرہ کے کیا اثرات ہوتے ہیں وہ بھی بیان کر دی۔ پلیر آپ کو میری کتاب کے کہانی کے لیے ہوا
 پیچھے کا میری کتاب ضرور چھپ سکے اور جب کہوں گی آئے۔" (گڑیا سے) سے پہلے آپ کو مطالعہ کر دے۔ مضامین
 لکھنے سے پہلے باقاعدگی سے تبصرہ کیجیے۔ اس کے بعد مضامین بھی۔ میں آپ کی حوصلہ افزائی ضرور کروں گی)

[illegible]

اب اجازت دیجیے اس وعاکے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس وحی و سادی آفات مام پر بیٹھائیوں، بناریوں اور بیٹھائیوں کے شرعے پچا کر رکھے اور اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی پناہ اور عافیت کے ساتھ صرف اپنا بیٹھائی رکھے، آمین، ثم آمین۔

دعا گو
آپ کی اپنی باجی
انجم انصار

کمزور اور سہیلیاں زیادہ ہوں گی)

س: کس روز آپ کو دھلا میاں زیادہ اچھے لگے؟

ج: دلیپے میں۔

س: عمو! کس لباس میں زیادہ اچھے لگتے ہیں؟

ج: دلیپے تو ہر لباس میں ہی اچھے لگتے ہیں لیکن کرتہ شلواران پر بہت اچھا لگتا ہے۔ (یہ تو ہے)

س: کس کے شے کا گراف زیادہ بلند ہے؟ اور

یہ کتنے غریبے پر بیٹھتا ہے؟

ج: میرے شے کا گراف جتنا بلند ہوتا ہے اتنی

ہی جلدی جھماک کی طرح بیٹھ جاتا ہے۔ ان کا

غصہ بھی مختصر مدت کا ہوتا ہے اور آیا ادھر گیا۔

س: پہلا جھگڑا شادی کے کتنے غریبے بعد اور

کس نیا پر ہوا تھا؟

ج: یاد نہیں، دلیپے چھوٹے موٹے جھگڑے

زندگی کی علامت ہوتے ہیں۔ ایسے جھگڑے بھی نہیں

ہوئے کہ ہم بولیں پٹلے والے سٹیل۔

س: جھگڑے کا دروازہ کتنا کھلا تھا؟

ج: بہت مختصر، اسی پر ابھی نہیں چلا کہ جھگڑا

ہوا تھا اور اب کی برس بعد بھی یہی صورت حال ہے۔

س: عمو! میں کون کیل کرتا ہے؟

ج: یہ کرتے ہیں، میرے عظیم شوہر، میرے

دوست اور بہت کچھ۔

س: آپ کے شوہر صاحب ذوق ہیں، آپ کو

منانے کے لیے بھی شاعری یا ترنم کو ڈوبایا؟

ج: نثر سے کام چلا لیتے ہیں اور بڑی خوبی

سے۔

س: آپ کے درمیان عمو! کن باتوں پر

اختلاف ہوتا ہے؟

ج: وقت کی پابندی نہ ہونے پر۔

س: کون زیادہ وقت کا پابند ہے؟

ج: میں ہی ہوں۔

س: تاخیر سے گھر آنے پر سیان جی کیا بہانہ

بناتے ہیں؟

ج: بہانے کی ضرورت نہیں پڑتی، لمبے لمبے

خبر دیتے ہیں۔ انہیں پتا ہے جھوٹ سے مجھے نفرت

ہے۔

س: میاں بیوی کے درمیان اعتبار کا رشتہ کب

قائم ہوتا ہے؟

ج: مستقل ایک دوسرے کے ساتھ غلوں، محبت

اور سچائی کے ساتھ ہیں تو خود بخود اعتبار کا رشتہ قائم ہو

جاتا ہے۔

س: ازدواجی زندگی میں کبھی ایسا ہل آیا جب

آپ کو ڈی آؤش سے گزرنا پڑا جب کیا حکمت عملی

اختیار کی؟

ج: شکر ہے ایسا کوئی مرحلہ نہیں آیا راوی چین

میں چین لگتا ہے؟

س: کیا سمجھوتے کے بغیر ازدواجی زندگی

کامیابی سے گزاری جاسکتی ہے؟

ج: زندگی سمجھوتوں ہی کا نام ہے۔ سمجھوتوں

سے ازدواجی زندگی مزید خوب صورت بن سکتی ہے۔

س: گھریلو ماحول خوشگوار بنانے میں آپ کے

ہم سفر کا کردار کتنا اہم ہے؟

ج: گھریلو ڈوٹے دیروں میں وقت دیتے ہیں تو

ماحول خود بخود خوشگوار اور حسین بن جاتا ہے۔

س: صاحب جی کی کون سی بات بہت خوشی دیتی

ہے اور کون سی پریشان کر دیتی ہے؟

ج: خوشی کی بات یہ ہے کہ جھوٹ بول کر گھر

سے روانہ نہیں ہوتے اور پریشان کن بات جب یہ تینہ

کی کی شکایت کرتے ہیں۔

س: ازدواجی زندگی کی پائیداری کی بنیاد کیا

ہے؟

ج: صرف اور صرف اعتماد ہی۔

س: شریک حیات کے دل میں گھربانے کے

طہرے اصول کون سے ہیں؟

ج: (1) گھر کا ماحول خوشگوار رکھا جائے

اس سے مرد بہت پرسکون رہتا ہے۔ (2) ان

سوا اور مزاج دیکھ کر بات کی جائے (3) ان کی

راہوں کا خیال رکھا جائے۔

س: گھر کو جنت بنانا نہیں بیوی کی ذمہ داری

یا شوہر ہی اس میں حصہ دار ہے؟

ج: دونوں کی باہمی خوششوں سے گرجنت بنتا

ہے۔ دونوں برابر کے شریک ہیں۔

س: شادی کے بعد صاحب جی نے اپنا کون سا

اہم سب سے پہلے کروایا؟

ج: چائے بنوانی جو ہم نے بڑی چاہ سے

کی۔

س: گھر کے کاموں میں آپ کا ہاتھ بٹاتے ہیں

اہم بڑھاتے ہیں؟

ج: بہت ہاتھ بٹاتے ہیں بلکہ کام سینے کے چکر

سے لے رہے ہیں۔

س: شادی کے بعد آپ نے وہ پہلی ڈش کون

کی تھی جو صاحب جی کو بے حد پسند آئی اور کون سی

دوسری ڈش جس کے ذائقے کا قصور آج بھی میاں

کو پریشان کر دیتا ہے؟

ج: کھیر بہت پسند آتی تھی۔ ایسی کوئی ڈش نہیں

ہے ہنرمندوں والی ڈش کا قصور بھی روح فرسا ہے۔

س: کبھی صاحب جی نے کوئی ڈش بنائی؟

ج: جی نہیں۔ اس معاملے میں کورے ہیں،

غل کرے۔

س: کھانے کے معاملے میں صاحب جی کا

ادار کیا ہے؟

ج: سادہ کھانا پسند ہے۔ ارہر کی دال، چاول،

کچے تھے کے کباب، سلا۔

س: شہرہ بیگم کے عالم میں صاحب جی کا تو

عمل کیا ہوتا ہے؟

ج: جموٹی سا غصہ تو آتا ہے مگر ایسے موقع پر کہ

دیتے ہیں کہ جو بھی گیا ہو دے دیں۔

س: صاحب جی کا سب سے بڑا اور سب سے

مستحق کون سا ہے؟

ج: موقع اور وقت کے لحاظ سے سارے شوق

ایڈجسٹ کر لیتے ہیں۔

س: کون زیادہ شاہ خرچ ہے اور کون بخل؟

ج: شاہ خرچ میرے شوہر نامہ ہیں۔ میں بھی

بخل ہرگز نہیں ہاں نکالتے شہار ضرور ہوں سوچ کچھ

کر خرچ کرتی ہوں اور انتہائی ضرورت کی چیزوں کو

ترجیح دیتی ہوں۔ اس طرح گھر کا بجٹ متوازن رہتا

ہے۔

س: گھر کا بجٹ کون بناتا ہے؟

ج: بیشتر کبجٹ بنتا ہے۔

س: صاحب جی آپ کی کتنے فیصد فرمائشیں

پوری کرتے ہیں؟

ج: ان کی کوشش ہوتی ہے کہ ہر ممکن فرمائش

پوری کریں۔

س: جمو! کون سی فرمائش کرتی ہیں؟

ج: انجی کباب اور اچھے چٹائندگی۔

س: اس میں تو ان کا بھی بھلا ہو جاتا ہوگا؟

ج: یقیناً چونکہ دونوں مل جل کر بڑے ہیں۔

س: کون سی جگہ جانے کے لیے فوری تیار ہو

جاتے ہیں؟

ج: فرمت ہو تو ہر جگہ جانے کے لیے تیار ہو

جاتے ہیں۔ اولیٰ دہائی تقریبات میں بخوشی جاتے

ہیں۔

س: شاپنگ کے سفر میں ہم سفر کتنا ساتھ دیتے

ہیں؟

ج: دورانِ شایک گاڑی میں بیٹھنا پسند کرتے ہیں۔ اچھا ہی ہے ورنہ شاپ پر ساری ڈینگ خراب کر دیتے ہیں کہ کتنے کی بھل رہی ہو لے لیں۔ وکاندار ان سے بہت خوش ہوتے ہیں اگر چلے جائیں تو۔ (زیادہ تر شوہر ایسے ہی ہوتے ہیں)

س: کمبلو اشیا کی خریداری اور کون کی باہمی پسند سے ہوتی ہے یا جب جس کو جو شے پسند آتی ہے خرید لیتے ہیں؟

ج: بل بمل کر لے کر دیتے ہیں، پسند میری ہوتی ہے۔ (شاپاش)

س: ایک دوسرے کی سالگرہ کا دن یاد رکھتے ہیں؟

ج: بالکل یاد رکھتے ہیں، کبھی کبھی ہماری بیٹی بھی یاد دلا دیتی ہے۔

س: سالگرہ کے لیے خاص اہتمام کیا ہوتا ہے؟

ج: یہ یا ہڈ کرکانے لے جاتے ہیں۔

س: یادگار شادی کی سالگرہ کوئی ہے؟

ج: پہلی سالگرہ بہت یادگار ہے آخر شادی کی پہلی سالگرہ تھی۔

س: شادی کی پہلی اور اب تک کی آخری سالگرہ پر شریکو حیات کے رویے اور جذبے میں کیا واضح فرق محسوس کیا؟

ج: وقت کے ساتھ ساتھ اعتماد اور محبت میں اضافہ ہوا۔

س: اس میں آپ کا کردار کتنا اہم ہے؟

ج: میرا کردار کتنا اہم ہے یہ تو جی نہیں بتا سکیں گے۔

س: اب تک صاحب جی کی جانب سے ملنے والے تحائف میں سے سب سے زیادہ کون سا تحفہ پسند آیا؟

ج: ہر تحفہ بلا جواب ہے کس کس کی تحریف کروں۔

س: ایک دوسرے کو تحائف دینے کے لیے دونوں کی خاص موقع کے مختصر رہتے ہیں یا جب جی چاہو دیا؟

ج: تجھ دے گا کوئی خاص موقع نہیں ہوتا۔

س: دونوں میں کون زیادہ روٹینگ ہے؟

ج: زندگی صرف روٹاس کے سہارے نہیں چلتی۔ میں حقیقت پسند بھی ہوں۔ (مکر روٹاس..... روٹاس ہوتا ہے)

س: محبت کا اظہار لفظوں میں کرنا ضروری سمجھتی ہیں یا رویوں کی کافی ہوتا ہے؟

ج: اچھا اور بہتر میں رویہ ہی اظہار محبت ہے۔

س: موسیقی کیسی پسند ہے؟

ج: ہر سکون موسیقی کا نون کو بھلی لگتی ہے۔

س: کون سا گیت اکثر گنگاتی ہیں؟

ج: سونج بڑے یا آغی آئے دیا جلائے

س: رکتنا ہے

ج: مگر کی خاطر سو دھ جھلیں مگر تو آخر آہا ہے

س: بمشاعل میں کتنے فیصد مطابقت ہے؟

ج: ماشاء اللہ 95% مطابقت پائی جاتی ہے۔ دونوں کے ذوق و شوق تقریباً یکساں ہیں۔ شادی کے بعد یہ خوشخوار آشکشاف ہوا۔ (اس لیے آئیڈل شوہر ملا)

س: پارش ہو رہی ہو اور بیوی پر کرکٹ کچھ آ رہا ہو تب دونوں کس سے لطف اندوز ہوں گے؟

ج: ہمارش ہے کہ ہر شریف مرد اپنی بیوی سے ڈرتا ہے آپ کے مہاں جی اس حوالے سے تقی شرافت کا مظاہرہ کرتے ہیں؟

ج: مجھی وہ شریف امین شریف ہیں۔ اکثر

ات کے مکمل مظاہرہ کرتے رہتے ہیں۔

س: آنسو عورت کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔

ج: مجھے اس کو اس ہتھیار سے کتنے فیصد زیر کر چکی ہیں؟

ج: مجھے آنسو بھانے کی فورت نہیں آتی۔ خدا کا ہے آنسوؤں کے بغیر کام ہو جاتا ہے۔ (آپ کا بی اشاء اللہ پراثر ہوگا)

س: آج آپ ایک جانی بچائی شخصیت مانی جاتی ہیں آپ کی اس کامیابی میں آپ کے شوہر کا کردار کس حد تک ہے؟

ج: یہ مجھے بہت سپورٹ کرتے ہیں۔ میری سرگرمیوں پر خوش ہوتے ہیں اور آؤٹ ڈور میری دھات کو آسان بناتے ہیں۔

س: آپ کے شوہر آپ کی صلاحیتوں کا لراغہ لا اعتراف کرتے ہیں؟

ج: میری ادنی بہائی، شافی سرگرمیوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں شادی سے پہلے اتنی محنت کی ہے تو اس کام کو آگے بڑھا جانا چاہیے۔

س: مگر کون سا وقت دیتی ہیں؟

ج: مگر میری پہلی ترجیح ہے۔ اگر عورت باہر کی دنیا میں کم ہے اور اپنے مگر کو نہیں دیکھا تو وہ زیرو ہائنک پر پہنچی ہوتی ہے۔ (شاپاش)

س: بیٹی کی تعلیم و تربیت کے لیے کون زیادہ وقت دیتا ہے؟

ج: یہ آفس اور ادنی و سماجی و شافی سرگرمیوں میں زیادہ مصروف رہتے ہیں لیکن میں اپنی کھیلو اتے دار یوں سے غافل نہیں۔ بیٹی کی تعلیم و تربیت کو ات دینا میری ذمہ داری ہے۔

س: بیٹی کس سے زیادہ نزدیک ہے؟

ج: اپنے ابو سے کیونکہ یہ بھی اپنا کردار بخوبی سمجھاتے ہیں۔

س: بحیثیت باپ صاحب جی کی خوبیوں

اور خامیوں کا تناسب کتنا ہے؟

ج: سچ تو یہ ہے کہ اس حوالے سے بھی ان کی خوبیاں زیادہ ہیں۔

س: ایک کامیاب شوہر میں کون کون سی خوبیاں ہونی چاہئیں؟

ج: ذمہ دار ہو، سمجھدار ہو، باعمل اور پاکردار ہو۔

س: صاحب جی آپ کی اور آپ ان کی کون سی خوبی کی سب سے زیادہ محترف ہیں؟

ج: وہ دھتے دار ہیں اور میں وقت کی پابند سوہم ایک دوسرے کی ان کی خوبیوں کا اعتراف کرتے ہیں۔

س: صاحب جی کی زیادہ پسندیدہ اور نا پسندیدہ عادت کون سی ہے؟

ج: ہر قوم کا استعمال کپڑوں پر سالن گرانا بہت مگر دکھنا رہتے تھے اب کی ہو گئی ہے۔

س: آپ کا پسندیدہ رشتہ رنگ، خوشبو، موسم، وقت، کتاب، دشن، تہوار، تقریبی مقام کھیل کون سے ہیں؟

ج: غلوس و محبت کا سفید، چنبیلی، بہار، صبح کا پھلور و حراج، تہوار، ہرمی، اسلام آباد، کرکٹ۔

س: ہر سال کونسا رشتہ بے حد پسند ہے؟

ج: ہر رشتہ پسند ہے ویسے سب سے اچھا رشتہ بیکار ہے۔ (اصل جواب تو دیا نہیں)

س: کبھی کس کے فیصلے کو کتنی سمجھا جاتا ہے؟

ج: جو جیٹس فیصلہ کرے۔ (وہ یقیناً آپ ہی ہوں گی)

س: مستقبل کے حوالے سے کیے جانے والے کتنے وعدے وفا ہوئے؟

ج: وعدوں پر دنیا قائم ہے۔ (آج کے وعدے تو کمزور ہوتے ہیں)

س: کیا آپ بڑھ چکی ہیں؟
ج: ہاں، اب میں بڑھ چکی ہوں۔
س: آپ کی عمر کتنی ہے؟
ج: میری عمر 45 سال ہے۔
س: آپ کے درمیان عموماً کتنے باتوں پر اختلاف ہوتا ہے؟
ج: جب میں زیادہ بولوں۔
س: بیٹی کی تعلیم و تربیت کے لیے کون زیادہ وقت دیتا ہے؟
ج: یہ خود بیٹی ہیں۔
س: بیٹی کس سے زیادہ نزدیک ہے؟
ج: دونوں سے یکساں کے خیال کے مطابق مجھ سے۔
س: بحیثیت ماں ان کی خوبیوں اور خامیوں کا تناسب کتنا ہے؟
ج: خوبیوں کا تناسب زیادہ ہے۔
س: آپ دونوں میں کون زیادہ رویٹک ہے؟
ج: میں زیادہ ہوں۔
س: محبت کا اظہار لفظوں میں کرنا ضروری سمجھتے ہیں یا روپیہ ہی کافی ہوتا ہے؟
ج: لفظوں میں۔
س: موسیقی کبھی پسند ہے؟
ج: زیادہ شہر شراپے والی نہیں۔
س: کون سا گیت اکثر گاتے ہیں؟
ج: جو بچوں سے دشن ہے ہماری۔
س: آپ کی تمام تر توجہ کرکٹ کھیل پر ہوا رہے گی؟
ج: آپ کی رفاقت میں بارش سے لطف اٹھانا چاہ رہی ہوں تب آپ کیا کریں گے؟
ج: کچھ چھوڑ دوں گا۔
س: مطالعہ کرنے کا سب سے بڑا فائدہ؟
ج: کچھ نیا سیکھنا اور اپنا دماغ تازہ رکھنا۔

س: شادی کے بعد پہلی مرتبہ کون سے تقریبی پر گئے؟
ج: نادر اور امیر۔
س: شادی کے بعد آپ نے یکساں سے اپنا کون سا سب سے پہلے کروایا تھا؟
ج: جانے ہوئی تھی۔
س: گھر کے کاموں میں یکساں کا ہاتھ بٹاتے ہیں یا امیر دھارتے ہیں؟
ج: پورا ہاتھ بٹاتا ہوں۔
س: شادی کے بعد یکساں نے وہ پہلی ڈش کون سی تھی جو آپ کو بے حد پسند آئی اور کون سی ایسی ڈش جس کے ذائقے کا تصور آج بھی آپ کو پریشان دیتا ہے؟
ج: کچھ گوشت کا سالن۔
س: کبھی آپ نے کوئی ڈش بنا دی؟
ج: جی نہیں۔
س: کھانے کے معاملے میں آپ کا معیار کیا ہے؟
ج: سادہ اور خوش ذائقہ۔
س: شادی کے بعد ایک سال میں آپ کا روزگار کیا ہے؟
ج: وہی ہے۔
س: کس کے غمے کا راف زیادہ بلند ہے؟
ج: ان کا زیادہ ہے۔
س: کتنے عرصے پر رنجیدہ ہوتا ہے؟
ج: تقریباً چار گھنٹے پر۔
س: آپ کو کھانا کھانے کا ذائقہ کب سے ہوتا ہے؟
ج: شادی کے بعد پہلی مرتبہ۔
س: شادی کے بعد آپ کی زندگی میں کیا تبدیلیاں آئی ہیں؟
ج: بہت بہت تبدیلیاں آئی ہیں۔
س: شادی کے بعد آپ کی زندگی میں کیا تبدیلیاں آئی ہیں؟
ج: بہت بہت تبدیلیاں آئی ہیں۔



س: یہ اعتبار جمی ہے؟
ج: ہاں، اب میں بڑھ چکی ہوں۔
س: آپ کی عمر کتنی ہے؟
ج: میری عمر 45 سال ہے۔
س: آپ کے درمیان عموماً کتنے باتوں پر اختلاف ہوتا ہے؟
ج: جب میں زیادہ بولوں۔
س: بیٹی کی تعلیم و تربیت کے لیے کون زیادہ وقت دیتا ہے؟
ج: یہ خود بیٹی ہیں۔
س: بیٹی کس سے زیادہ نزدیک ہے؟
ج: دونوں سے یکساں کے خیال کے مطابق مجھ سے۔
س: بحیثیت ماں ان کی خوبیوں اور خامیوں کا تناسب کتنا ہے؟
ج: خوبیوں کا تناسب زیادہ ہے۔
س: آپ دونوں میں کون زیادہ رویٹک ہے؟
ج: میں زیادہ ہوں۔
س: محبت کا اظہار لفظوں میں کرنا ضروری سمجھتے ہیں یا روپیہ ہی کافی ہوتا ہے؟
ج: لفظوں میں۔
س: موسیقی کبھی پسند ہے؟
ج: زیادہ شہر شراپے والی نہیں۔
س: کون سا گیت اکثر گاتے ہیں؟
ج: جو بچوں سے دشن ہے ہماری۔
س: آپ کی تمام تر توجہ کرکٹ کھیل پر ہوا رہے گی؟
ج: آپ کی رفاقت میں بارش سے لطف اٹھانا چاہ رہی ہوں تب آپ کیا کریں گے؟
ج: کچھ چھوڑ دوں گا۔
س: مطالعہ کرنے کا سب سے بڑا فائدہ؟
ج: کچھ نیا سیکھنا اور اپنا دماغ تازہ رکھنا۔

ج: بیٹیم کب سے سستا اور سب سے مہنگا شو کوں سا ہے؟
ج: تقریباً سارے ہی سستے شو کوں یا مجھے گلتے ہیں۔

س: گھریلو اشیا کی خریداری دونوں کی باہمی پسند سے ہوتی ہے یا جب جس کو جو شے پسند آتی ہے خرید لیتے ہیں؟
ج: بیٹیم صاحب کی پسند سے ہوتی ہے۔ مگر مری وزیراعظم جو ہیں۔

س: شاہنشاہ میں کن چیزوں پر زیادہ پیسہ خرچ کرتی ہیں؟

ج: اپنے حساب سے ہر مفید چیز اور ہمارے حساب سے اسے مفید سمجھنا ضروری ہے۔ (سکرا کر)
س: آنیبل بیوی؟

ج: ہر شہر میں کیسے کہہ سکتے ہیں بیوی جیسی۔
س: کسی وجہ سے شاہنشاہ پر نہ جا سکتیں تو بیٹیم کی شاہنشاہ پر پھر دوسرے کر لیں گے؟
ج: بالکل کر لوں گا بلکہ اب تو عادی ہو چکا ہوں

بھئی۔
س: آپ کی سالگرہ کا خاص اہتمام بیٹیم کی جانب سے اور ان کی سالگرہ پر آپ کی جانب سے کیا ہوتا ہے؟

ج: ہمیں تو اپنی سالگرہ یاد ہی نہیں رہتی بیٹیم صاحبہ یاد رکھتی ہیں اور کوئی نہ کوئی سوئٹ ڈش ضرور بناتی ہیں ورنہ کیک کا بندوبست کرتی ہیں اور میں ان کی سالگرہ پر ڈنر لے لے جاتا ہوں اور گفٹ دیتا ہوں۔
دونوں ہی حوالوں سے جیسا میری ہی گفٹ ہے۔

س: ایک دوسرے کو کھانف دینے کے لیے کسی خاص موقع پر منتظر رہتے ہیں یا جب جی چاہو دیا؟

ج: جب جی چاہا خود ہی اپنی جیب کٹوا لی۔

س: اب تک بیٹیم کی جانب سے ملنے والا تحائف میں سے زیادہ کون سا تحفہ پسند کرتی ہیں؟
ج: ہر قدم..... وینے والے کے دیے ہوئے گچے کی تحریف کرتا ہوں۔

س: اکثر یکساٹ شادی ہوتی ہیں کہ ہمارے میاں کو تو ہماری شادی کی سالگرہ ہی یاد نہیں رہی۔
آپ کو شادی کی سالگرہ یاد رہتی ہے؟

ج: میں بھی ان ہی میں سے ایک ہوں، بھول جاتا ہوں بیٹیم یاد دلاتی ہیں اور اہتمام بھی کرتی ہیں لیکن ڈنر میں ہی لے جاتا ہوں۔ یہ جرمنا ہے۔
ہر شو پر کواڈا کرتا رہتا ہے۔

س: شادی کی پہلی اور اب تک کی آخری سالگرہ پر شریک حیات کے رویے اور جذبے میں کیا فرق محسوس کیا؟

ج: محسوس ہوا کہ اور اعتبار قائم ہوا ہے۔
س: اس میں آپ کا کردار کتنا اہم ہے؟
ج: میرا ان کے ساتھ بے لوث محبت کا برتاؤ اس کے دماغ کے طور پر ان کے چہرے پر اطمینان اور اظہار دینی اصل زندگی ہے۔

س: میاں بیوی کے مابین اعتبار کا رشتہ کیسے ہوتا ہے؟
ج: بیاہنی رویوں سے رفتہ رفتہ اعتبار کا رشتہ ہوتا جاتا ہے۔

س: دونوں ہی معروف ہیں، کبھی بیٹیم کی متبیلہ کھلی؟
ج: کبھی نہیں بلکہ ہمیشہ خوش محسوس ہوئی۔

س: بیٹیم کو کتنا وقت دیتی ہیں؟
ج: سب سے زیادہ۔
س: عموماً بیویوں کو ہر حضرات کی مصروفیت سے

شادی رہتی ہیں بیٹیم کی مصروفیت پر آپ کا رد عمل کیا ہے؟
ج: سب سے زیادہ۔

ان سے ہمدردی محسوس ہوتی (بہت بڑا ہاتھ ہے) (ہاش)
س: کمر کو جنت بنانا محض بیوی کی ذمہ داری ہے یا شوہر بھی اس میں حصے دار ہے؟

ج: دونوں حصے دار ہیں۔ (اب تو بچے بھی ہیں، بلکہ اگر سسرال کا کوئی فرد ساتھ رہتا ہے تو وہ بھی حصے دار ہے)

س: شریک حیات کے دل میں گھر بنانے کے تین سنہری اصول کون سے ہیں؟
ج: وفا داری، حیا، حسن سلوک۔

س: ازدواجی زندگی کی پائیداری کی بنیاد کیا ہے؟
ج: صرف اخلاک۔
س: شریک زندگی کے لیے آپ کے قائم کردہ معیار اور تصور پر بیٹیم کتنے فیصد پوری اترتی ہیں؟

ج: جی ہاں۔
س: مستقبل کے حوالے سے کیے جانے والے کتنے وعدے وفا کیے؟
ج: کچھ کچھ۔

س: آپ کا پسندیدہ رشتہ، رنگ، خوشبو، موسم، وقت، کتاب، ڈش، تہوار، تقریبی مقام، کھیل کون سے ہیں؟

ج: ظلم و محبت کا، سفید، ہلکا نیلا، آسانی، old spices، سردی کا موسم، شام کا وقت، مہلو کی کتاب، دال چاول، عید الفطر، اسلام آباد، میڈیشن۔

س: اپنی شریک حیات کے لیے کوئی پیمانہ دیں گے؟

ج: صرف یہ کہ مجھ پر یقین رکھیں ہمارے درمیان اعتبار، محبت، ظلموں اور وفا کا رشتہ ہے انشاء اللہ زندگی کی آخری سانس تک برقرار رہے گا۔

س: کیا سمجھتے ہیں بغیر ازدواجی زندگی لے کر گزار دی جاسکتی ہے؟
ج: سمجھتے ہیں کہ ساتھ ہی کامیاب زندگی ممکن



شادی میرے بھتیجی

سلوی غزل

ماؤں کی ساری زندگی اولاد کی تعلیم و تربیت اور پھر ابدی خوشیوں کے لیے دعا مانگ کر گزارتی ہے۔ لڑکی کی شادی ہو تو خوشیوں کے ساتھ ساتھ جدائی کا دکھ بھی ہوتا ہے اور لڑکے کی ہو تو کچھ پانے کا احساس دگ دپے میں بجلی سی بھر دیتا ہے اور اس احساس سے میں دوسری مرتبہ دو چار ہو جاتی۔

میں بڑی بیٹی ڈاکٹر نکشیاں اور پھر بیٹے فیصل کے فرض سے سکدوش ہو چکی تھی اور اب باری تھی سب سے چھوٹے بیٹے حماد کی جو Notre Dame یونیورسٹی سے ایم بی اے کر رہا ہے اور 23 دسمبر 2011ء اس کی شادی طے تھی۔

میری خوشیوں کو چار چاند اس وقت لگ گئے جب صبح پانچ بجے حماد نے اور رات 9 بجے فیصل نے

مارس سے لکھ رہی ہوں لیکن پاکیزہ میں اب لڑکی ہے جبکہ بچپن ہی سے یہ میرے ذریعہ مطالعہ رہا اس لحاظ سے خود کو دنیا کی خوش نصیب ترین ماں آن ہوں کہ میری تینوں اولادوں نے ہر میدان اپنی قابلیت کے جھنڈے گاڑ کر میرا سرخرو کر دیا ہے۔

بیٹی اور داماد ”ڈوڈ“ سے فارغ التحصیل فیصل نے ایم بی اے سے ایم بی اے کرنے کے بعد Notre Dame یونیورسٹی سے ایم بی اے کیا اور اب ”بلیک ڈیوڈ“ میں ڈائریکٹر ہے۔ کم عمری اور یہ ہمدردی اور چھوٹا حماد lums لاہور سے پڑھ کر اب اسی یونیورسٹی سے ایم بی اے کر رہا ہے۔ امریکا میں جہاں سے بھائی نے کیا تھا اور ماہنامہ 2012ء deloitte کمپنی میں نوکری بھی ہو چکی ہے۔ پھر بی بی میو ایم بی اے امریکا سے اور چھوٹی ڈاکٹر پاکستان سے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ میری دونوں بھائیوں کا نام فرح ہے۔

23 دسمبر کو بعد نماز جمعہ نکاح اور اسی دن بلیک لان میں شادی تھی۔ میرے اصرار کے باوجود



خوشی کے رنگ؟

انجم انصار



ساتھ اس تقریب کو روکنی چھٹے کے لیے رضوان پرنس
بائیں (شیشہ) عرشہ جیڈ سنسنز زبیر کوشاری بھی بطور
خاص آئیں۔ باقی مہمان ہا یک کے اپنے سرکل سے
تعلق رکھتے تھے اور سب ہی جانی پہچانی شخصیات
تھیں۔ (اشاء اللہ)

دو دن بعد ہی دوسری تقریب ڈیفنس لائبریری
میں تھی۔ یہ رضوان پرنس کی چوتھی کتاب اور پہلے ناول
قرچوں کی دوری کے سلسلے میں تھی۔ اس شام میری
طبیعت خاص طور پر نامز تھی..... مگر جانا ضروری تھا۔
دراصل محبت کرنے والے لوگوں کی خوشیاں میں شریک
ہو کر ایسا لگتا ہے جیسے وہ خوشی اپنی پتھر اور نگی میں تھی
بھی خوشیاں آج چاہے وہ کسی بھی حوالے سے آئیں
وہ دل کو ایک عجیب کی غلبت عطا کرتی ہیں۔ اس لیے
میں ہمیشہ یہ دعا بھی مانگا کرتی ہوں، یا اللہ بے حساب
خوشیاں عطا فرماتا..... اور اس خوشی بھری تقریب
میں بہت ساری مصنفات سے مل کر میں قطعاً بھول
گئی..... کہ ان دنوں میں سردائیکل پرائمل میں گرفتار
ہوں اور میرے پورے جسم میں شدید درد ہے۔ بہر حال
میں بفضل خدا ٹھیک ہوں اور اس کی ایک وجہ رضوان

موسم گرما اپنی بھرپور جولانیوں کے ساتھ رواں
دوں ہے اور اس موسم میں رائٹرز کی جانب سے ان کی
کتابوں کی تقریبات مجھے موسم بہار کا جھونکا لگیں۔
ہاں جا کر نہ صرف لطف آیا بلکہ طبیعت کی پڑمردگی بھی
ختم ہوئی۔

پہلی تقریب ہماری بہت ہی سینئر مصنفہ اختر بیگم
کی چچی کہانوں کے مجموعے امر کہانی کے سلسلے میں آئیں
کوسل میں ہوئی۔ اس تقریب کے مہمان خصوصی جمیل
الحدین عالی تھے۔ جن مہمانوں نے کتاب اور مصنفہ کے
رہے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ان میں حافظ
نیری، پروفسر علی حیدر ملک، نیر سوزہ، فاطمہ شریا بیجا اور
آپ کی باجی انجم انصاری تھیں۔

صاحبہ صدر نے مختصر اس کتاب اور کہانوں کی
تخریب کی..... اختر بیگم نے اپنی محبت اور سادگی
کے لیے میں مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔
اس تقریب کی تلاوت وحید وقت کی سعادت سعد
الحدین سعید کے حصے میں آئی۔ ہا ایک نے منظوم
رازنہ عقیدت پیش کیا۔ اس محفل کی خاص بات یہ تھی کہ
اس میں محترمہ مدظلہ ارسول نے شرکت کی۔ ان کے ساتھ



دائیں سے: نواسی کلنی غزل، پرناسی عبدالقادر شوہر چچے بیٹا فیصل، ہدیہ فرح، جینی ڈاکٹر لکھنشاں اور ڈاکٹر عبدالحمید خان دانا

تھی اور جب دونوں بھائی اسے آپ کی کہہ کر بلائے
سب کی حیرانی دیکھنے والی ہوئی۔

یہ تقریب اس لحاظ سے میرے لیے یادگار تھی کہ
آج ہم دونوں میاں، بیوی اپنے آخری فرض سے بھی
سبکدوش ہو گئے تھے اور اس کے لیے میں اپنے شریک
حیات کی بھی ممنون ہوں کہ جن کے تعاون اور رہنمائی
کے بغیر ایسا ممکن ہی نہیں تھا اور شکریہ بھیا اور بھائی
بھی جنہوں نے بڑے ہونے کا فرض نبھایا۔

اور اب ہم دونوں میاں بیوی اس بڑے سے
گھر میں ”کلنی ڈھڑا“ کھیل رہے ہیں مگر خوشیوں کی
پہلی جوہری کو فیصل معدنی کی اس امریکا چلا گیا خیر
اس سے 13 جوہری کو ”حماد“ چلا گیا اور انشاء اللہ
جواب اشارت ہوئے ہی ہم اس کی بیوی کو بھی جواب
کد رہیں گے جو یقیناً میاں کے بغیر اس ہے
جون 2012ء کے آخر میں۔ قارئین سے التماس
کہ میرے بچوں کی دائمی خوشیوں کے لیے ضرور
کچھ کرنا اللہ تعالیٰ اس ناچیز اور گھبراہٹ پرانی رشتہ
سایہ اسی طرح قائم رکھے اور میرے گھر کو بری نعمت
سے بچائے۔

25 دسمبر کو میرا قادر دانی راجی میں عمران
خان کا جلوس..... ڈر اور خوف کے ہنگامہ نہ ہو جائے جو
راجی کی روایت ہے۔ اس لیے روزے اور تقاض
مان کی مجلس مگر اللہ کے کرم سے سارے مہمانوں نے
شرکت کر کے میری خوشیوں کو چار چاند لگا دیے۔
سوائے اس کے کہ ڈیفنس سے آنے والے لوگ رش
کی وجہ سے بردقت نہ پہنچ سکے خاص طور سے میری
بہنیں اور ان کی فیملی..... اس مرتبہ میں نے دو گھنٹہ
دلہن کو اپنے ساتھ ہی مہمانوں کے استقبال کے لیے
کھڑا کر لیا تھا۔ آج حماد کا سوٹ گرے اور فرح کا
آف وائٹ مرجنڈا اور ری گرین کا بنشینش کا شرادہ تھا۔
دونوں پر اعتماد، مطمئن، خوب صورت اور خوش نگ
رہے تھے اور سب نے مل کر رہے تھے اور میری نگاہیں
بلائیں لیٹے نہ ٹھک رہی تھیں۔ میرا بڑا بیٹا بہو، داماد
بیٹی اور رشتے دار سب مہمانوں کی آؤ محبت
مصروف تھے۔ میرے دونوں سہیلیوں نے بھی مع
فیملی شرکت کر کے مجھے ممنون کر دیا۔ مزے کی بات یہ
تھی کہ میری بیٹی جو دونوں بھائیوں سے بڑی ہے اپنی
خوب صورتی اور اساتذہ کی وجہ سے چھوٹی لگ رہی



دائیں سے شگفتہ نشین، عدنان صدیقی، جمیل ہم کی مول شنیہ، انجم انصار اور رضوانہ پرنس

قربتوں کی دوری

رضوانہ پرنس

کانیا ناول
شائع ہو
چکا ہے
قیمت
350 روپے

کتابیات پبلی کیشنز
76500
021-35843300
ktabiat1970@yahoo.com
74200

خوشیاں ہماری اپنی ہیں اور آئیں اب رضوانہ پرنس
تقریب کو رنج چوہدری کے قلم سے بھی پڑھ لیں۔

دور ی میں قرب

اب تو کان ترس جاتے ہیں کسی کی دعوت مانے
سننے کے لیے اور ایسے میں جب رضوانہ پرنس اپنی
ہوئی آواز میں اپنے نئے ناول قربتوں کی دوری
افتتاحی تقریب کی دعوت دیتی ہیں تو ایک دم عجیب
خوشی ہوتی ہے کہ جیسے عرصے بعد دھند چھٹی ہو
دوسرے رضوانہ کا محبت بھرا اصرار اب انکار کس سے
کہے ہو۔ لہذا ”نارا“ چھوڑ بھائی ڈیٹان کا جب ذکر
تو چوہدری صاحب حسب توقع انہوں نے فرمایا۔
”اے پاپلے بیٹا تھا تھا فلاں سے فلاں میٹنگ ہے
خیر انہوں نے ہمیں سن سٹیک چھوڑا گاڑی لے

اڑے۔ اب ہم رضوانہ سے موبائل پر رات کو پوچھ
رہے۔ یہ بھانجا بھئی ڈیٹا میرے مگر پھر بھی گھبراہٹ کی
رضوانہ نے اچھا گاڑ کیا اور ہم لوگ جب ان کی تقریب
میں پہنچے تو پتا چلا کہ رضوانہ نے درست کہا تھا تقریب
بہت بڑے پیمانے پر نہیں تھی۔ مدعی مدعوین کی تعداد
زیادہ پھر بھی سادہ سی پڑو قاری تقریب میں بہت خلوص
اور انہایت کی نفاذ سے ماحول کو تھکا رکھا تھا۔ تقریب
کی دہن یعنی رضوانہ پرنس نے وائٹ شرٹ اور سر
چوڑی دار چادر زیب تن کر رکھا تھا۔ دلچسپ لہجے میں
”ہم“ کا استعمال کرتی تھیں جو ان پر بہت سوٹ کر
ہے۔ اس پر ان کی کزن نکلیں..... شگفتہ ڈیٹان نے ان
کو شہزادی کا لقب دے کر ان کو واقعی شہزادی بنا دیا
رضوانہ پرنس کی شخصیت کی نمایاں چیز ان کا بھولپن
اچھا اخلاق ہے۔ مجھے تو جب وہ رنج میرا بھیجتی ہیں
مجھے واقعی ہماری مائل لگتی ہیں جن کے ہاتھ جو لمبے
دل چاہتا ہے۔ اس وقت انہوں نے مجھے میرا ایک طرف
ساتھ لگا تو اس بات پر اللہ کا شکر ادا کیا کہ ہم آگئے

پرنس کی یہ خوب صورت تقریب بھی تھی۔ جس کے
مہمان خصوصی دوست محمد فیضی تھے۔ اس تقریب میں
سب سے طویل گفتگو محمد عذرا رسول کی رہی۔ انہوں
نے اپنی البیہ بہت سی یادوں اور بہت سی باتوں کا ذکر
کیا اور رضوانہ پرنس کو ایک اچھا رائٹر قرار دیا۔ تقریب
میں جن مہمانان گرامی نے رضوانہ پرنس کے ناول اور
ان کی شخصیت کے بارے میں رائے دی ان میں عذرا
رسول کے علاوہ رخصانہ بہار مرزا، منورہ، ڈی وی آر شٹ
عدنان صدیقی، رضوانہ کی ایک دیوانی، صاحب صدر
اور آپ کی باقی انجم انصار۔ گپیٹرنگ رضوانہ کی ایک
کزن شگفتہ نے کی۔ منکوم خراج عقیدت، ہما بیک اور
شگفتہ شفیق نے پیش کیا۔ سعیدہ باجی نے بہت خوب
صورت آواز میں نعت رسول مقبول پڑھ کر ایک سال
باندھ دیا۔ اس تقریب کی ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ
اس میں جمیل ہم کی دوسرے دو ناول مول شنیہ صاحبہ نے بھی
شرکت کی اور رانچ پر بیٹھے سے منع کر کے ساری کارروائی
سامنے بیٹھ کر دیکھی۔ سب سے زیادہ تالیاں عذرا رسول
کے خطاب پر بجائی گئیں کہ ان کی گفتگو باقیوں پر
واقعی مسکراہٹوں کے پھول کھلا دی کرتی ہیں۔ رنج
چوہدری، سائرہ غلام نبی، سیرا، نزہت امین،
یا سکین رشید، سرین زبیر کوٹھاری، عرشہ جیل، عظمیٰ طارق
سے ل کر دلی خوشی ہوئی۔ رضوانہ پرنس اپنے معصوم
پہرے اور کمرے لہوں کے ساتھ رانچ پر بھی اور بعد
میں شہر میں ادا کرتی نظر آئیں۔ اس تقریب کی روداد
آپ رنج چوہدری کے قلم سے بھی پڑھیں۔ ہمایک اپنی
والدہ کی تقریب کی کوٹنگ اور تصاویر میں اس وجہ سے
نہیں بھیجیں گے کہ ستر چاند گھر میں کر جانے کے باعث
ایک طویل آپریشن سے گزر کر فارغ ہوئی ہیں اور ہونز
ہسپتال میں ایڈمٹ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو صحت ملی عطا
فرمائے اور مزید خوشیاں عطا فرمائے۔ جن کا احوال
ہم اپنے باکیز میں شائع کر رہے ہیں کہ آپ کی یہ

ورشید سے ”جھکی“ ڈال کر ملنے کی بات ہی اور ہے۔ ڈیز

منزہ پہلے سے زیادہ حسین اور اساتذہ نظر آئیں۔ ماشاء اللہ اپنے بیٹوں کے ساتھ کھڑی ہوں تو ان کی چھوٹی بہن گئی ہیں۔ منزہ ماشاء اللہ اپنا اتنا ہی خیال رکھیں کہ بہوؤں کی بھی چھوٹی بہن ہی لگیں، آمین۔ ان کی آنے والی (بہوؤں) سے محذرت۔

اپنی پیاری دوستوں ساتھ غلام نبی اور سیمارضا کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ بیان سے باہر ہے۔ لیجیے تقریب کے مہمانان گرامی آ رہے ہیں۔ ہماری پیاری رضوانہ پرس خوش رنگ قلی کی طرح اڑتی پھر رہی ہیں۔ اس تقریب کی خاص بات یہ تھی کہ رضوانہ کے بھائی مسلم بھائی، شاپین، اور اسد بھائی۔ جن کے بارے میں رضوانہ نے لکھا کہ جب وہ دنیا میں تشریف لائے تو انہوں نے ہمائیوں کے ساتھ لکران کو سمندر میں بھیجے گا سو جاتا۔ جب بچپن گزر گیا تو یہی بھائی عزیز از جان ہو گیا ہے، ہے نہ رضوانہ۔ یہ ہمائی ہوتے ہی عزیز از جان ہیں۔ تو اس تقریب میں ان کے بھائیوں، بھائیوں اور اہلی جان نے بھی شرکت کی بڑا یہ ایکسپ ایکٹ لڑی جس کا نام میں بھول رہی ہوں۔ وہ ایکسپ کو بائیز کرنے پر مامور ہے۔ رضوانہ بچوں کی طرح خوش ہیں اور بار بار بھائیوں سے پوچھ رہی ہیں۔ ”بائیں ابھی سب آ رہا ہے۔ یاں پٹا ذرا اسکرین کارنر کی طرف کرنا تاکہ اسٹیج کی کارروائی سب کو نظر آئے۔“ دیکھیں سب لوگ آئے ہیں، میرے سب دوست میری خوشی میں شریک ہوئے ہیں۔ رضوانہ پرس واقعی بچوں کی طرح بول کر دود پیٹے اپنے بھائیوں کو اپنی خوشی میں شریک کر رہی ہیں اور ساتھ ساتھ ہر آنے والے مہمان کو اپنی محبت، خلوص اور دلہنہ ناسبت سے رشتہ ہیں کہ وہ کو یاد دوسرے کو احساس ہو جائے کہ ہاں میں بھی ان کے لیے سب سے اہم ہوں اور اگر اس محفل میں شریک نہ ہو تو ان کی محبت

اور عزت سے محروم رہ جاتے۔
دوست محمد یحییٰ صاحب ہر ادنیٰ تقریب کا حصہ ہیں اور خوب ہیں، البتہ عدنان صدیقی کو دیکھ کر محبت ہوئی۔ لیجیے رضوانہ پرس کی محفل کے آجکل میں ڈیڑھ دو تارے چمک رہے ہیں مگر لگتا ہے پھر بھی میری طرح آپ کو محفل ذرا چمکی چمکی کی اور خاموش سی لگ رہی ہے اور ہماری اس سوچ کے ساتھ ہی پاکیزہ کی روح رواں عذرا رسول اندر آئیں تو پھر جیسے چماخوں میں روشنی نہ رہی۔ عذرا رسول کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جن کے بارے میں (سامعہ) ناظرین میں جنگ شروع ہو جاتی ہے کہ ہم عذرا کو دیکھیں یا ان کو نہیں اسکران کے حسن میں کھوجا میں تو ان کی بات سمجھ میں نہیں آتی اور جوان کی فی البدیہہ سنیں تو لفظ اور بھی خوب صورت ہو جاتے ہیں۔ چٹک کھر میں اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ انہوں نے سب کو ساتھ لگا کر حال پوچھا۔

”اور چٹکلے کھنے والی رخ تھہرا افسانہ ابھی آدھا چڑھا ہے۔“ ہم نے سانس روک لی کہ جانے کیا کہیں۔ کھانا بڑا چھا اچھا ہے۔ باقی پورا پڑھ کر بتاؤں گی۔ آف عذرا جی اور سہ افسانے کی اور پوری تقریب کے بعد کیا میں پوری تعریف تک سانس روکے رکھوں اگر آپ کو یہ افسانہ پسند نہ آیا تو..... ویسے قارئین عذرا سے پوری تعریف سننے کا ایک آسان طریقہ ہے۔ میرے ذہن میں، ہم رضوانہ پرس سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ قاف اچھا سانا دل لکھ کر اس کی روحانی کی تقریب منتقل کریں تاکہ ہم اپنی روکی ہوئی سانس لے سکیں۔ دیکھیں انجمن میں نے آپ کا نام بھی نہیں لیا اور سب مہمان جان گئے کہ اس خوب صورت کی محفل میں جو کئی سی کئی وہ قاری اپنی اپنی انجمنی انجمن انصاری تھی۔ انجمن بیحد مجھے منع کرتی ہیں۔ ”بنا سیرت بارے میں کچھ نہ لکھا کرو۔“ تو دیکھ لیجیے انجمن شریک کئی



رضوانہ پرس، دو شیزہ کی منزہ سہام اور دیگر کہانیوں کے ساتھ

ہیں میں ان کے بارے میں لکھ ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ بچوں کے تمام رشتے احترام کے تمام نامے ہیں میرے ان سے۔ ایک دنیا آپ کی عمارت ہے۔ قارئین پلیز اپنی اپنی جہانوں کو اسٹاپ کہہ کر روک دیں کیونکہ رضوانہ پرس نے اپنی اس غیر رسمی محفل کا غیر رسمی آغاز کرتے ہوئے کہا۔ ”مجھے عذرا، انجمن آپ اسٹیج پر ملیں۔“ یوں اللہ تعالیٰ کے اہم پاک سے تقریب کا آغاز ہوا تو خاتم کا اذی براہم سے سر اٹاؤ پھر سعیدہ بائی نے بہت خوب صورت نعت پڑھی۔ تو کھلتے دیشان نے کمپیئرنگ کے فرائض نبھائے اور انہوں نے دل کھول کر اپنی کزن کی تعریف کرتے ہوئے ان کو شہزادی کا اعزاز دیا اور اس بات پر ہم بعد کھلتے سے ”سمت“ ہیں۔ دیکھا پڑی وائرس کے اثرات۔ ہماری پیاری اردو کا پیارا لفظ ”حق“ ہیں۔

سب سے پہلے رضوانہ سہام شریف لائیں تو ان کے سب دوست میری خوشی میں شریک ہوئے ہیں۔ رضوانہ پرس واقعی بچوں کی طرح بول کر دود پیٹے اپنے بھائیوں کو اپنی خوشی میں شریک کر رہی ہیں اور ساتھ ساتھ ہر آنے والے مہمان کو اپنی محبت، خلوص اور دلہنہ ناسبت سے رشتہ ہیں کہ وہ کو یاد دوسرے کو احساس ہو جائے کہ ہاں میں بھی ان کے لیے سب سے اہم ہوں اور اگر اس محفل میں شریک نہ ہو تو ان کی محبت



ہائیکے ذرا میری عظیمی آفاق سعید

حمد باری تعالیٰ

مبعث گری پہ جس کی زمانے کو ناز ہے
اس کے حضور میری جبین نیاز ہے
جب کن کے دو حرف کو دیکھا تو یہ کھلا
ردائزہ جلوہ گاہ دو عالم کا باز ہے
ظاہر ترا جمال ہے، اسے رب کائنات
تیرے کرم سے میری نظر پاکیزا ہے
اب دل میں گنجی ہے صدرا "اللا" کی
روشن حرم غم میں چراغ نماز ہے
جلوے خدا کے حسن خدا کی ہیں اور کیا
اکہار کائنات تجھ لائے ناز ہے
مرسلہ: سز فرخ امجد، ٹاؤن شپ لاہور

نعت رسول مقبول ﷺ

دل میں آقا کی محبت چاہیے
عشق نبوی ﷺ میں صداقت چاہیے
زندگی اس کی ہے جو ان کا ہوا
بر عمل میں ان کی سیرت چاہیے
نعت کے لکھنے کی خاطر اے خدا
حرف پہ لفظوں پہ قدرت چاہیے
میں غلام ابن غلام ابن غلام
مجھ کو بس آقا سے نسبت چاہیے
ان کی سیرت سے ہو وابستہ حیات
زندگی کو وہ حقیقت چاہیے
رحمتیں بس رحمتیں بس رحمتیں
رحمت عالم کی رحمت چاہیے

اور زیادہ آئیں۔ جب دوست محمد فیضی صاحب آئے تو
توجہ فی کدوہ اپنی حرسے دار باتوں سے بریک مانیک
برکھڑے رہیں مگر انہوں نے چند باتیں کی اور ان
کی شوخ باتوں نے فضا کو خوشگوار کر دیا۔ اس تقریب کی
سب سے خاص بات اور خاص مہمان فیضی صاحب
کے بھانجے 6 سالہ عرتے جنہوں نے علامہ اقبال، میر
جیسے اساتذہ کے اتنے مشکل شعر جن کو اردو ادب
پڑھتے ماری زبان کی بے باطلہ بازیائیں کھاناچا کر پڑھے
اس نغمے میں اتنے پیارے انداز آواز کا زور تھا کہ سننے
کو سب کو ان پر پیار آگیا۔ اللہ کرے کہ ہر گھر میں عمر
میں جیسے اساتذہ کو پڑھنے والے عہدوں۔ ورنہ تو آج
کے بچے عارفِ اہل علم کی شاعری یاد کرتے اور گاتے نظر
آتے ہیں۔

پھر عدنان صدیقی آئے انہوں نے آتے ہی
کہا۔ رضوانہ صلیبہ میں نے آپ کا یہ ناول پڑھا نہیں،
اس لیے رائے نہیں دے سکتا مگر رضوانہ پرس تڑپ
گیں۔ چل جھومنے تم نے یہ ناول پڑھا ہے۔
موصوف بعد تھے کہ نہیں پڑھا۔ دہلی کی ٹوک ٹھوکی
چلتی رہی۔ رضوانہ جی آپ نے یہ ناول ان کو نہیں دیا تھا
ناں ای لیے انہوں نے پڑھنے سے انکار کر کے بدل لیا
ہے۔ عدنان بھڈاؤنٹ درمی مول شید بیاری خاقون
ہو سکتا ہے آپ کو اسی ڈرامے میں ہیرو کا سٹ
کر لیں۔ سب سے آخر میں ہماری انجم آئیں۔ تو
دل چاہو پڑھا تھا کہ ان کے خوب صورت کچے میں ڈھلے
الفاظ کو ڈیر سارا اور بریک سنا جائے مگر انہوں نے
اجتناب کیا تو کار کے ساتھ کہا کہ کچھ نہیں لکھی لکھاویں
ہیں۔ انہوں نے دیر سے لکھا شروع کیا ہے اور چونکہ
گفتہ نے رضوانہ کو شہزادی قرار دیا ہے اس لیے
انہوں نے تمام حاضرین کو شہزادے اور شہزادیوں قرار
دے کر کہا کہ ظاہر ہے شہزادی کی محفل میں ان کے ہم
پلہ ہم صیہ میں بھی آئیں گے۔ اس تقریب میں ہمیں

☆☆☆

رحمتوں کے سائے میں زندہ رہوں
مجھ کو یارب ایسی قسمت چاہیے
شاعر: سحر علی
مرسلہ: ایبہ عنایب، ملاوانا

توبہ کے بار

ہر روز سورج طلوع ہو کر جب غروب ہوتا ہے تو
وہ اللہ کے پاس جا کے توبہ کرتا ہے اور اجازت طلب
کرتا ہے دو بارہ طلوع ہونے کی پھر ایک دن ایسا
آئے گا جب اللہ تعالیٰ اسے طلوع ہونے کی اجازت
نہیں دیں گے تب جو لوگ فجر کی سنتوں کا انتظار
کر رہے ہوں گے وہ سمجھ جائیں کہ اللہ تعالیٰ کوئی
قدرت دکھا رہے ہیں اور جو لوگ غفلت میں ہوں گے
وہ رات سمجھ کر بچھڑ جائیں گے۔ یہاں تک کہ سو سو
تھک جائیں گے تب کھڑا کر انہیں کے پھر تین دن
کے بعد سورج طلوع ہوگا مگر غروب سے اور یہ وقت
ہوگا جب توبہ کے دن بند کر دیے جائیں گے۔
(صحیح بخاری جلد 2 نمبر 709)
مرسلہ: صدف اعف، کراچی

منہ سے نکلی بات

ایک شخص امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیقؓ کی
خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور سوال کیا کہ میں نے
خواب میں دیکھا کہ ایک چھوٹے سوراج سے بڑا
تیل لٹکا ہے اس نے ہر چند پاؤں کو دوبارہ سوراج میں
جائے نہ نہ نہ جا سکا۔ آپؓ نے تاویل میں فرمایا کہ وہ
تیل "بات" ہے جب منہ سے نکلتی ہے تو پھر ایک جگہ نہیں جا سکتی۔
از: فرحت احمد، گلشن حدید، فیزا کراچی

خوشی کی وجہ جھلنے بھی نہ دے گی مجھے
میرے سر پہ ہے تیرے بھری چادر جاناں
آج شب نیند کو تیریں کی کرن پھر اکھیں
دہی گزرے ہوئے لمحات سوچ کر جاناں
شاعرہ: مہناز کرن، پشاور

کیا دھوپ میں بارش ہوتی ہے

جب میں نے اس سے پوچھا تھا
کیا دھوپ میں بارش ہوتی ہے؟
وہ جھپٹے ہتھے روئے لگی

اور دھوپ میں بارش ہونے لگی
وہ نازک سی سر جھانکی
اور روک رکھنے سے کہنے لگی

تم چھوڑ نہ جانا ادا سجن
دل تو زندہ جانا ادا سجن
تم کیا جانو دھوپ کی بارش؟
تم کیا جانو بھر کا غم

جب تم دور تھے مجھ سے ادا سجن
میرے ہاتھ کی چوڑی اور انگن
جب گیت تمہارے گاتے تھے

مجھے یاد ہوتی تم آتے تھے
میں جھپٹے ہتھے روئے لگی
اور دھوپ میں بارش ہوتی تھی

مرکز: امینہ عذیب، ملتانوالی

خوب صورتی

☆ آپ کے جسمانی غدو خال کی خوب صورتی
سے بڑھ کر آپ کا رویہ خوب صورت ہونا چاہیے.....
یہ مجموعی اور تصادف سے بڑھ کر آپ کے لیے خوشی کا
سامان مہیا کرے گا کیونکہ یہ ایک بہترین فن ہے۔
☆ ہم خوب صورتی اور حسن کی تلاش میں دنیا
کی خاک چھانتے رہتے ہیں۔ حالانکہ یہ ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴،



چلتی رنگ

جس میں ہیر دی موتیوں کی مھاروں والا پردہ ہٹا کر ساڑی کا پلنگہ سے لے کر اکرتے ہوئے اپنے گاہک نما مہمان سے کہہ رہی تھی۔ ”اودہ۔۔۔۔۔ آپ آگئے۔۔۔۔۔ کتنے دن باہر رہے آپ شہر سے کچھ اندازہ بھی ہے آپ کو۔۔۔۔۔“

”آھا۔۔۔۔۔ آج آپ آئی گئے۔۔۔۔۔“

”خیر تمہارا دل خراب ہے۔۔۔۔۔ ناگ توئی ہوئی تھی۔ تو میں کیسے آتا لاہور۔۔۔۔۔“ گز بڑا کرش ہو بڑا آتا ہوا وہاں سے نکل گیا تھا۔

میری طبیعت پوچھنے کو بڑی امی آئیں تو انہوں نے بتایا۔ ”اس کو اور کوشا نہ کی کھٹکی ہو رہی ہے۔ مگر لاگائیں آ رہا۔۔۔۔۔ میں نے تو کہا ہے کہ اس کو بھی لے کر آئیں، اب تک بھی لڑکا دیکھا نہیں ہے ہمارے بھائیوں نے کراس کو نام ہی نہیں لرا۔۔۔۔۔“

”ممائی جان وہ نفسانی مریش ہوگا۔۔۔۔۔ سرخ پھولوں سے اور تیز چمکنے والی چیزوں سے ڈرتا ہوگا۔۔۔۔۔ اگر بالفرض اس کے گھر والے زبردستی اسے لے آئیں تو آپ عقلمند چیزوں سے اسے چپک بھی کیسے گا۔۔۔۔۔“ میں ان کے بڑے زاویے دیکھ کر بھی نہیں سمجھ پایا کہ انہیں میری باتیں ناگوار محسوس ہو رہی ہیں۔

”ارے بیٹا۔۔۔۔۔ ہمارا داماد ایسا ہے کہ دیکھنے دکھانے کے لائق ہے۔ ابھی تک ہمارے خاندان میں تو ایسا کوئی نہیں آیا ہے۔ خاندان والوں کو تو دکھانا ہی نہیں چاہیے۔ بغیر دیکھے ہی مل جل کر بکواس کرتے پھر رہے ہیں۔“

یادوں کی مالا پردہیں گے ہر دم
شاعرہ: خالدہ نسیم بلندن

غزل

عشق کی چنگاریوں سے ہر خوشی جلنے لگی
وہ تسلی کیا کرے جب زندگی جلنے لگی
آج میرے حال پر کوئی بھی روئے گا نہیں
بے بسی سے بھی میری اب تو ہنسی جلنے لگی
ساتھ کیا دے گا کوئی جب ساتھ چلنا ہی نہیں
آرزوؤں کی خوشی کی ہر کٹی جلنے لگی
سکپاں، آہیں، خلش اپنا مقدر میں کس
کیا بھی ہے پاس اپنے ہر خوشی جلنے لگی
اب کسی سے کوئی شکوہ نہ لگ کرنا کسی
آخری سانس ہیں اب تو روح بھی جلنے لگی

شاعرہ: سمیرا اشتیاق، قنبر

دولت اور صحت

شخص سعدی فرماتے ہیں کہ انسان بھی کیا چیز ہے؟ دولت کمانے کے لیے اپنی صحت کھودیتا ہے اور پھر صحت کو واپس پانے کے لیے اپنی دولت کھودیتا ہے مستقبل کو سوچ کر اپنا حال ضائع کر دیتا ہے پھر مستقبل میں اپنا نام نہی یاد کر کے روتا ہے جتنا ایسے ہے جیسے بھی مرنا ہی نہیں ہے اور مرا لے جاتا ہے جیسے کسی جاتی نہیں۔

از: فائزہ شہزادہ حیات آباد پشاور

شعر منقذہ

انہیکل چور سے بولا نہ کرتے بڑی دلیری سے گھر
کی دیوار چھلا گئی۔ بڑی آسانی سے زیور چرایا اور بغیر
آہٹ کے رو پھیک ہو گئے۔“

چور شرماتے ہوئے بولا۔ ”جناب اتنی تحریف
کر کے شرمندہ تو نہ کریں۔“

مرسلہ: رفعت مبین رنی، بکراچی

موجودہ ہوتی جاے اگر یہ ہمارے اندر موجود نہیں ہے تو
ہم اسے کہیں بھی نہیں پا سکیں گے۔

ہٹا بسکی زبان سے بڑھ کر خوب صورت کیا ہوگا
جو کمر و قریب سے عادی ہے۔۔۔۔۔ ایسے کانوں سے
بڑھ کر کیا خوب صورت ہوگا جو حش اچھی باتیں سنتے
ہیں۔۔۔۔۔ ایسی آنکھوں سے بڑھ کر کیا خوب صورت
ہوگا جو حش دوسروں کی اچھائیاں ہی دیکھتی ہیں۔۔۔۔۔
ایسے حجاز سے بڑھ کر کیا خوب صورت ہوگا جو
دوسروں کو گارتا نہیں کرتا۔۔۔۔۔ اور ایسی خیرات سے
بڑھ کر کیا خوب صورت ہوگا جس سے دوسروں کی
بہتری پریشانیاں اور مسائل حل ہو جاتے ہیں۔۔۔۔۔
مرسلہ: تانی پوہری۔۔۔۔۔ آکسفورڈ یو کے

جدائی کا موسم

بہاروں کی رت میں جدائی کا موسم
ادا کی ہے دل میں آنکھیں ہیں پریم
نہ آنکھوں میں کاہل نہ ہاتھوں میں ہجر
کہاں گم ہوئی ہم سے گیتوں کی سرگم

بہاروں کی آمد سے پھولوں کا کھلنا
موسم کی خشکی اور یوں کی رم جہم
چمک تھی نظر میں کرون کے مانند
صبح دم ہو جیسے پھولوں پہ شبنم

زمانہ محبت کا ایسے ہے گزرا
سمندر کی لہروں کا جیسے ہو سنگ
فسانے ہوئے اب مگر سچی حقیقت
تھا پتا سب کی کہ نہ چھوڑیں گے ساتھ ہم

اہل نے ہے توڑا ہے بندھن وفا کا
رضا جو ہے تیری اسی میں ہیں خوش ہم
نبھائی میں ہم کو محبت کی ریشیں
چھوڑ کے ہوئے دور پھر بھی ہیں باہم

نہیں کونہہ سکتے سمجھوں میں کیاں



میرا انتخاب

آمنہ حماد

جذبات کا اظہار کر رہے ہیں۔ اس کو تہذیب و تمدن نے سرگودھا سے منتخب کیا ہے۔

مشورہ

تجسس تلاش ہے جس کی وہ تجسس تو میں ہوں
بیک رہے ہو کہاں
یہ تم گھور اندھیرے میں

نہ اسان پتارے

دراستے میں چراغ
نہ جانوں کی قتل گاہیں کہیں درختوں پر

تو پھر تازہ تھے

ایسے گھور اندھیرے میں

مری تلاش سے کیا تم کو قائد ہوگا

کہ اس تلاش سے پہلے بہت ضروری ہے

دل و دماغ کی چٹائی کو بحال کر دو

اور اگر چراغ و قہا اپنے ساتھ لے کے چلو

خدا خدا ستم گریہ کر نہ کر پاؤ

تو کیا کام کرو

مجھے ضروری تھے ہوا اگر جاناں

تو پھر تلاش مجھے میری روشنی میں کرو

کہ میں چراغ بھی ہوں

دراستی، منزل بھی

ۛۛۛۛ

اور اگر کا ایک لمحہ پوری ذہنی پر بھاری ہوتا ہے
مگر کسی بھی اپنے ساتھ یا تو زندگی کی ساری رہنمائی اور
دلکشی سمیٹ کر لے جاتا ہے یا پھر روشنی کی کرنیں بکھیر

شاعری نرم دناؤں کی جذبات کی اساس ہے۔۔۔۔۔
اظہار کے بنا جذبات سے مول رہ جاتے ہیں۔۔۔۔۔
طرح خوشبو کے بغیر پھول۔۔۔۔۔ شاعری اظہار کا ایک
خوب صورت ذریعہ اور طریقہ ہے۔۔۔۔۔ جو شمع آبادی
بھی غم زدہ محبت کے حصار میں قید ہیں۔ اس غزل کا
انتخاب مول رزاق نے ادا کاڑھ سے کیا ہے۔

غزل

دل مجھ گیا ہے سینہ خالی ہو گیا ہے
بیٹھا ہوا ہوں حیران مجھے کھو گیا ہے
کس نے یہ نصف شب میں بھیڑا رباب یارب
ہستی کا ذرہ ذرہ عہدش ہو گیا ہے
کس زور میں رواں ہے روئے غم کا دھارا
آیا ہے جو وہ اپنی ہنسی ڈبو گیا ہے
آتا ہے مجھ کو کیا کیا بے اختیار رونا
جب کوئی پوچھتا ہے کیا تجھ کو ہو گیا ہے
آکھلے ہو تو تم کی کچھ دل کا حال سن لو
گزرا ہے جو بھر سے کچھ دیر ہو گیا ہے
کلی شب کو چاندنی میں بھروسہ کی یاد آئی
ہم جانتے تھے دل سے وہ سو ہو گیا ہے
چہرے پر رونڈی سی چھائی ہوئی ہے گویا
دو دن میں جوں تیرا کیا حال ہو گیا ہے

ۛۛۛۛ

شاعری انسانی کیفیات اور جذبات کو اجاگر
کرنے کا نام ہے۔۔۔۔۔ شاعر اپنے جذبات کو خوب
صورت لفظوں میں کاغذ پر اتارتا ہے جسے شاعری کا
نام دیا گیا ہے۔ رحمان خاوری اپنی نظم مشورہ میں اپنے

کے ناتے اہیار دیتے دیکھتی ہوں۔

میں بھی، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔۔۔۔۔ اگر
میرا نام گفتہ کر کم ہے تو میرے نام کے اثرات سونی
صد میری شخصیت میں رہے ہیں۔ مجھ جیسا خوش
مزاج تو شاید ہی کوئی ہو۔ آپ بے شک میرے
اشاف سے آکر پوچھ لیں کہ وہ سب مجھ سے کتنی
خوش ہیں۔

میں کسی ایک سے کام کوئی کام کہوں تو چار
چار تیار ہو جاتی ہیں۔ اب ایک چھوٹی سی بات ہے
کہ کچھ عرصے سے میری کل وقتی ملازمہ چھٹی پر اپنے
کاؤن کئی ہوئی ہے۔ مجھے بے حد تکلیف ہو رہی گی۔
گھر کو دیکھوں یا اسکول کو۔۔۔۔۔ تب ایک ساتھ کئی
بچہز بولیں۔ میڈم! آپ نے ہم سے کیوں نہیں
کہا۔۔۔۔۔ ہمارا گھر تو آپ کے گھر کے قریب ہے۔
صرف دو بیس بدل کر آنا پڑتا ہے۔ وہ دن ہے اور
آج کا دن گھر کی صفائی، روٹی، سالن تک کا کام
میری بچہز خود آکر کر جاتی ہیں۔ میں نے اپنی
ملازمہ کو بھی پیغام بھجوایا ہے کہ اب آنے کی کوئی
ضرورت نہیں ہے۔

اب لوگ بے شک جلتے ہیں تو میری بلا ہے۔
اللہ تعالیٰ نے اگر میری قسمت میں آرام کھسا ہے تو وہ
ضرور مجھے ملے گا، اللہ نظر بد سے بچائے۔ میری بچہز
بہت اچھی ہیں۔ مجھ سے بہت محبت کرتی ہیں ظاہر
ہے میرا حسن سلوک اچھا ہوگا جو وہ میرے کام آتی
ہیں۔ میرے گھر پر آنے والی چاروں بچہز کا نام
نخیل اُن کی اپنی مرضی کے حساب سے دیا ہے اب
اگر باقی اشاف شور مچاتا ہے اور انہیں نیچوں کے نام
سے پکارتا ہے تو میری بلا ہے ایسے شہر نہ لوگ تو ہر
جگہ ہوتے ہیں، ہے ناں۔۔۔۔۔



”تیکم آپ نے تو میرے منہ کی بات جھین لی
ہے۔۔۔۔۔“
”کیس میڈم۔۔۔۔۔“
”جب جب آپ کی بات مانی ہے ہمیشہ قائدہ
ہوا ہے۔۔۔۔۔“
”اے تیکم میرے گھر میں دینی ہوگا جو تم
چاہو گی۔۔۔۔۔“

”تم بتاؤ، میں کیا کروں۔۔۔۔۔؟“
”تم بتاؤ میں کیا کہوں؟“
”جو تمہارا دل چاہے کہہ دینا اور میرا نام لے
دینا۔۔۔۔۔“
ایسے شوہر کو۔۔۔۔۔ کون پاگل۔۔۔۔۔ کون ایب
نارل کہہ سکتا ہے۔۔۔۔۔ ایسے شوہروں سے زیادہ عقل
مند، ذہین، فطین تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا ہے۔۔۔۔۔ ہے
نا۔۔۔۔۔؟

شرپند عناصر

بعض لوگوں سے چڑی ہوتی ہے۔ شکل دیکر
خوار خوار غصہ آتا ہے۔ دل چاہتا ہے کہ جھوٹے کچھ
کر اُن کا گھر سے نکل دے۔ ختم کر دیں اور صاف
صاف کہہ دیں کہ آئندہ اس گھر کا رخ مت کرنا مگر
رشتے دار یوں کی صلیبیں ہمارے سینے اور دماغ پر
اس قدر دھری ہوئی ہیں کہ دل چاہتے ہوئے بھی کچھ
نہیں کر سکتے۔ (آء)

یہ بات بھی نہیں کہ ہماری دلی کیفیات سے
ایسی شخصیات واقف نہیں ہوتیں، وہ ہماری جھلاہٹ،
دلی دلی نفرت اور سرد رویے سے نفی پر سب
واقف ہوتی ہیں مگر اس کے باوجود وہ لپک کر
ہمارے پاس آتی ہیں (ہائے رشتے دار بیاں)

اب آپ سوچ رہے ہیں کہ میں شاید گرومنٹ
اسکول کی کوئی تک چڑھی قسم کی ہیڈ سٹریس ہوں

سندھ پیسے

پاکیزہ
پہنیں

پیارے پیغامات

☆ پیڑی مشکل سے سلائے لگا ہوں اپنی آنکھوں کو تیرے خواب کا لاچ لے کر۔ آج کرب بار میرے خواب میں آ جانا کہ میری آنکھوں کا اعتبار دہ جائے۔

☆ پریشانی خاموش ہونے سے کم، مہر کرنے سے ختم اور شکر کرنے سے خوشی میں بدل جاتی ہے۔

☆ دوست اور دشمن دونوں کی جگہ دل میں ہوتی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ خون دل سے ہو کر گزر جاتا ہے اور دوست دل میں آ کر دل میں ہی رہ جاتا ہے۔

از: پروین افضل شاہین بہاول نگر

خوشگوار یادیں

کتے ایسے ہوتے ہیں وہ لوگ جو ایک ہی بار دل کر آنکھوں کے راتے دل میں اتر جاتے ہیں اور پھر دھڑکنوں میں بس کر ایسے گیت سناتے ہیں کہ ہر سانس میں انہی کا نام ہوتا ہے۔ وہ لے تو ایک لمحے کو

پس مگر ان کی یادیں زندگی کی ساتھی بن جاتی ہیں۔ کتنی خوشگوار ہوتی ہے ایسے لوگوں کی یاد جب آجائے تو گویا وقت ہی گھر جاتا ہے۔
از: حمیرا ہاشمی، بیکر

پیاری بات

مسلمانوں کے لیے بہترین پیمانہ جو ایمان تجھے مسجد تک نہیں لے جا سکتا، ذرا سوچ وہ تجھے جنت تک کیسے لے جائے گا۔

شوق

خاندان میں وہ نہیں جو شادی ہوئی اور بدل گیا۔ میرا وہی مزاج وہی ذوق ہے۔ شادی سے پہلے بھی مجھے شادی کا شوق تھا شادی کے بعد بھی مجھے شادی کا شوق ہے۔

از: مصباح رضا، فیصل آباد

کانچ سی لڑکی کے نام

دھنک رنگ بھرے ہیں نگاہوں میں میری کھلے پھول ہر سو یہ کس کا ہے سوچا؟

خیا لوں میں آیا وہ دل میں مایا کبھی اجنبی تھا ہوا پھر وہ اپنا

انوکھا سا احساس اس نے چکایا لوں پر مٹی اُبھری آنکھوں میں پتا

میرا دل یہ چاہے پوچھوں میں اس سے کبھی تیرے دل میں میرا نام آیا؟

کبھی چاند میں تم نے مجھ کو ہے دیکھا کبھی کھلتے پھولوں میں مجھ کو ہے ڈھونڈا

خود بھی ہوں اس کی محبت میں پائل چاہوں اور ہے بن کے بچوں وہ میرا

میرے دل میں آ کر میرا ہو کے رہنا

محبت کا بندھن دقا کا تھا خدا

شاعرہ: خالدہ نسیم، لندن

اپنے دل کے ٹکڑے

شہاب اللہ خان کے نام

سدا جیون میں تم سکراتے رہو باتوں باتوں پہ بس ٹکھلاتے رہو

رہیں دور تم سے پریشانیاں تم مستی مستی میں گیت سناتے رہو

ہو ماند تیرے سامنے ماہ تمام تم ہی تم اکیلے جھگڑاتے رہو

تو صاحبِ دل ہو مرے دل کی صورت چاہتیں ہی چاہتیں لٹاتے رہو

ٹھٹھکیں پھول ایمان کے تیرے دل میں خوشبو نکلی کی ہر سو پھیلاتے رہو

یہ دعا ہے میری صرف تمہارے لیے تم سب کو دعاؤں میں یاد آتے رہو

از: صدف جاوید قریشی، ہری پور ہزارہ

یاد

تیرے ساتھ وہ گزردے لمحات یاد آتے ہیں تیری باتیں، وہ فسانے، تعلقات یاد آتے ہیں

یاد ہے حیرے آنکھ کی خوشبو بھی نہیں ہوا میں لہراتے ہوئے جذبات یاد آتے ہیں

از: سہیامتا زعمای، لاڑکانہ

اعتبار

تیری نگاہ میں ایک رنگ اجنبیت تھا کس اعتبار پر ہم کھل کے گفتگو کرتے.....؟

از: ثانی چوہدری، آکسفورڈ، یو کے

میری راہیں

یادوں کے چراغ آج روشن ہیں

ماضی کی گزرگاہوں میں

کہاں تک جھگو جانا ہوگا

انجھی دھندلی راہوں میں

لمحہ کی خوش رنگ سامت تک

یا جدائی کی عالم گریزوں میں

جھومر سا تھماتے پر

مہندی کی تھی ہاتھوں میں

جذیبوں کی مددِ حدت تھی

خوشبو چوری تھی سانسوں میں

ٹھوگ بنا تھا چپوں کا

کچھ خواب بچے تھے آنکھوں میں

شبم سے موتی بھرے ہیں

اب جگر کی لمبی راتوں میں

جدائی کا موسم آنٹھما

کھلی کھلی میری آنکھوں میں

ماگ جو اجڑی سوا جڑی

کا بچھ جیسے تھے ہاتھوں میں

تو میری طرح کے رنگ نہ ٹھہریں

بادل بھری اب آنکھوں میں

شاعرہ: خالدہ نسیم، لندن

کوئی غم خزاں کا ہے نہ خواہش ہے بہاروں کی
ہمارے ساتھ ہے اچھ کسی کی یاد کا موسم
☆ عالی ناز..... حیدر آباد
بے خبر شہر میں گھراں کہاں تک ڈھونڈوں
وہ جو کہتا تھا کہ آگن میں سور ہوگا
☆ شمیم خان..... کوئٹہ
برسوں کا ساتھ چھوڑ کر وہ اس طرح گیا
جیسے کوئی ستون گرا ہو مکان سے
☆ فرح ملک..... خانیوال
رُتوں پہ بس نہ چلا ورنہ یہ چن والے
ہوا میں بیچے پیلام رنگ دبو کرتے
☆ فری ناز..... کراچی
کیا کہیں کیسے ہر بھر کی راتیں کی ہیں
عمر بھر چاند سے اک غم کی باتیں کی ہیں
☆ نول شہاب..... پنجاب
ہمارے نام تو رسوائیاں ہی لکھی ہیں
وہ معجزے ہے اسے معجز ہی رہتا ہے
کسی کے گھر کو گرا کر بنائیں اپنا مکان
ہنر ہے یہ تو ہمیں بے ہنری رہتا ہے
☆ شفیع خان..... حیدر آباد
شمع محفل ہو کے تو جب سوزے خالی رہا
تیرے پودانے بھی لذت سے بیگانے رہے
رشتہ الفت میں جب آن کو پرہیز تھا تو
پھر پریشاں کیوں تری شمع کے دانے رہے
☆ زبیرہ وہاب..... کراچی
اے حسرت دیدار یہ کیا راز ہے آخر
وہ سامنے آتے ہیں تو دیکھا نہیں جاتا
☆ نضیب جاوید..... لاہور
کبھی خوشی تو کبھی رنج ہے شہر لے
حیات ایک تھی لیکن بڑے نفاذ لے
☆☆☆
ماہنامہ گلستاں، جون 2012ء

☆ ماریہ..... کراچی
رہنے دیا نہ اس نے کسی کام کا مجھے
اور خاک میں بھی مجھ کو ملا کر نہیں گیا
☆ ثانیہ..... کراچی
خود سے روٹوں تو کئی روز نہ خود سے بولوں
پھر کسی درد کی دیوار سے لگ کر ردوں
تو سمندر ہے تو پھر اپنی شادیت بھی دکھا
کیا ضروری ہے کہ میں بیاس کا دامن کھولوں
☆ نادیہ..... کوئٹہ
حیات اب بھی کڑی ہے اسی دوراں سے پر
وہی ہے جبر وہی اختیار کا موسم
☆ صائمہ..... کراچی
بھی گزرتے ہیں کہ میں ناشدہ ہونے سے
یہ دل برباد ہوتا ہے بھی آباد ہونے سے
☆ نائلہ خان..... پشاور
کوئی تازہ پھول لے کر نکلے آجائے تو پھر
اپنے زخمی جسم و جان کو بھول جانا چاہیے
☆ روانہ سیاح..... کوئٹہ
جب نئے موسم کے پہلو میں سکوں پاؤں تم
میری تحریریں پرائی کا پیوں میں ڈھونڈنا
نارمانی کی اذیت جب بھی سونے نہ دے
ہولے سے اٹھائے میرے خطوں میں ڈھونڈنا
☆ سرمد رافع..... کوئٹہ
ستم آہی ہے کدب ہوش بھی ہم پہ بگڑتا ہے
کہ جس کی پست قامت کو بڑی دستدلی ہم نے
☆ امینہ جہاں..... کراچی
تم آسمان کی بلند یوں سے جلد لوٹ آنا
ہمیں زمین کے مسائل پہ بات کرنی ہے
☆ لائلہ طارق..... کراچی
رُتوں کا قاعدہ ہے وقت پہ یہ آتی جاتی ہیں
ہمارے شہر میں کیوں رک گیا فریاد کا موسم



میں اکثر گنگناتی ہوں

صغریٰ زیدی

☆ صغریٰ..... حیدر آباد
طلب کریں تو یہ کبھی نہیں آتی ان کو بے ہوش میں
مگر یہ لوگ ان آنکھوں کے خواب مانگتے ہیں
☆ فریہ خان..... گوجرانوالہ
بھری بہار میں اب کے عجیب پھول کٹے
نہ اپنے زخم ہی جینے ندول کے چاک کٹے
☆ حمیدہ شریف..... اسلام آباد
کیا بھلا مجھ کو پرکھنے کا نتیجہ نکلا
زخم دل آپ کی نظروں سے بھی گھرا نکلا
☆ ماہ نور..... کوئٹہ
جن کی آنکھوں میں دیکھتے تھے محبت کے چرچ
ان کو اب ڈھونڈنے جاؤں تو کہاں پاؤں گا
وقت کی گرد میں ہند لائے وہ شہر کے لوگ
انجینی بن کے تلے میں کدھر جاؤں گا
☆ سیدہ زہرہ..... لاہور
دشمنیں مٹاؤں نہیں یہاں رہ جائیں گی
خالی خالی، اجڑی اجڑی بھیلیاں رہ جائیں گی
بھرتیوں کے چلے جائیں گے آخر سب نہیں
اور آویزاں گھروں پر تختیاں رہ جائیں گی
☆ نائلہ خان..... کراچی
اک بھولی ہوئی بات ہے اک ٹوٹا ہوا خواب
ہم اٹلی محبت کو یہ الماک بہت ہے
☆ نازیہ مجاہد..... کراچی
جب سے جدا ہوئی ہیں تیرے قافلے سے ہم
لوگوں نے اپنی راہ کا پتھر بنالیا
☆ ماحمد علی کپڑو..... جون 2012ء

خوش فائقہ

پاکیزہ بہنیں



لوکی کا اراثا

ایشیا کی لوکی، دوسو پچاس گرم۔ زیرہ، ایک چائے کا چمچ، نمک، حسب ذائقہ۔ لال مرچ پسی ہوئی، نصف چائے کا چمچ، دہی، بھنڈی کی ہوئی، تین کپ۔ ترکیب: لوکی چھل کر دھوئیں اور کش کر لیں۔ کش کی ہوئی لوکی کو تھوڑا سا نمک ڈال کر پانچ منٹ تک لہا لیں۔ پانی نکال کر کش کی ہوئی لوکی کو خوشنما کر لیں۔ بھنڈی دہی کو چھینٹ لیں اور نمک اور لال مرچ پسی ہوئی ملا لیں۔ اٹلی ہوئی لوکی ڈالیں اور اچھی طرح ملا لیں۔ زیرہ سے کوٹے پر چوبیس اور اسے موتا پیس لیں۔ پسوا ہوا زیرہ اور حسب ذائقہ نمک ڈال کر لوکی کا راتھا پیش کریں۔

نوٹ: اٹلی ہوئی لوکی سے زائد پانی چھوڑیں۔

بینگن کا بھرتا

ایشیا کی بینگن، ایک کلو گرام۔ پیاز، تین عدد درمیانے سائز کی، دھنیا، ایک چائے کا چمچ، نمائرم،

چار عدد بڑے۔ ادراک، کئی ہوئی دو چائے کے چمچ۔ ہری مرچیں، دو عدد۔ لال مرچ، پسی ہوئی دو چائے کے چمچ۔ تیل، تین کھانے کے چمچ، نمک، حسب ذائقہ۔ دھنیا کے کٹے ہوئے پتے، دو کھانے کے چمچ۔ ترکیب: بینگن میں سوراخ کر کے انہیں کھلی آج یا تھوڑا پانی سے گرم ادون میں روست کریں یہاں تک کہ چھلکا اترنا اور بیجیں سکنا شروع ہو جائے۔ اسے ٹھنڈا ہونے دیں۔ آپ اسے پانی میں ڈبو کر ٹھنڈا کر سکتے ہیں۔ چھلکا اتار کر اٹے مکمل طور پر مکس دیں۔ پیاز چھل کر کاٹ لیں۔ نمائرم دھو کر کاٹ لیں، ہری مرچوں کو دھو کر کاٹ لیں۔ ایک کڑا ہنی میں تیل گرم کریں، زیرہ ڈالیں۔ آدھے منٹ تک پکائیں۔ کئی ہوئی پیاز ڈالیں اور چوبیس یہاں تک کہ گرم ہو جائے پھر ادراک کٹی ہوئی ہری مرچیں کٹی ہوئی ڈالیں اور آدھے منٹ تک پکائیں۔ لال مرچ پسی ہوئی اور مکس اور بجنے ہوئے بینگن ڈالیں۔ درمیانے آج پر سات سے آٹھ منٹ تک پکائیں یہاں تک کہ تیل الگ ہو جائے۔ کٹے ہوئے برے دھنیے کے ساتھ چائیں۔

نوٹ: اگر روست کیے ہوئے بینگن کو فوراً پانی میں ڈبو دیا جائے تو اس کا چھلکا اتارنا آسان ہے اس ترکیب کے لیے بڑے سائز کے گول بینگن استعمال کریں۔ خریدتے وقت ایسے بینگن کا انتخاب کریں جو سائز کے مقابلے میں وزن میں ہلکے ہوں۔

آئس کریم فروٹ سلاڈ

ایشیا: سمر فروٹ (کس) اسٹرابیری، انجور، رس بھری) آٹھ کپ۔ انڈے (زردی اور سفیدی) الگ الگ (دو عدد) دہی، ایک کپ۔ انجور کا سرخ رس، پون کپ۔ جلیان پاؤڈر، ایک کھانے کا چمچ۔ ترکیب: آٹھ سے چھل بینڈر میں ڈال کر بینڈر کر لیں اور چھنی سے چھان لیں تاکہ سخت چیز باقی نہ

رہے۔ پھلوں کے آمیزے میں دہی اور انڈے کی دہی ڈال کر خوب چھینٹ لیں۔ انجور کے رس کو گرم کریں جب اٹلنے لگے تو جلیان پاؤڈر ڈال کر اچھی طرح مکس کریں۔ جلیان پاؤڈر کے مکمل کواہیتا سہتہ ہوں گے بینڈر شدہ آمیزے پر انڈے میں اور جلیان ملائے گاں پھر کسی پیالے یا سانچے میں ڈال کر فریج میں بجنے کے لیے رکھ دیں۔ انڈے کی سفیدی کو اچھی طرح بٹینیں اور آدھا منٹ ہوئے آمیزے میں ڈال کر اچھی طرح مکس کریں۔ آمیزے کو دوبارہ سے فریزر میں مکس اور بجنے دیں جب مکمل طور پر جم جائے تو نکالیں اور بقیانچے ہوئے پھلوں کے ساتھ پیش کریں۔

عائشہ اقبال..... کراچی

لیموں اور پودینے کا شربت

ایشیا: پودینے کے پتے، حسب ضرورت۔ چینی، چار کھانے کے چمچ۔ برف، کرش کر لیں۔ لیموں کا رس، ایک کپ۔ سوڈا واٹر، دو گلاس۔ لیموں کے ملاس (سجائے کے لیے)۔ ترکیب: لیموں کے رس میں چینی کو مکس کر لیں۔ اس میں سوڈا واٹر ڈال کر مکس کریں اور گلاسوں میں لہا لیں۔ اوپر سے برف، پودینے کے پتے ڈالیں اور لیموں کے ملاس سے سجا کر پیش کریں۔

چھکو اور کھیلے کا ملک شیک

ایشیا: چھکو، پانچ عدد۔ کھیلے، پانچ عدد۔ فریش دھنیا، آدھا کلو گرام۔ پسی ہوئی پانی، آدھا کپ۔ ترکیب: کھیلے کے سب سے پہلے چھکو اور کھیلے کو چھل کر کر لیں جو سر میں چھکو اور کھیلے کے ٹکڑے اور دھنیا ڈال کر خوب اچھی طرح بینڈر کر لیں۔ خوب مکس کریں اور گلاسوں کا لطف اٹھائیں۔

میتھی سنج..... کراچی

چھر آبادی مرچوں کا سالن

ایشیا: ہری مرچیں، موتی والی، ایک پاؤ۔ پنا

خوش ذائقہ

دھنیا، دو کھانے کے چمچ۔ پنا کو پرا، دو کھانے کے چمچ۔ سفید زیرہ، پنا ہوا، دو کھانے کے چمچ۔ پنے کی دال، ایک چائے کا چمچ۔ مونگ پھلی پسی ہوئی، دو کھانے کے چمچ۔ رائی، کلونجی، پسی ہوئی ایک چائے کا چمچ۔ میتھی دانے پسے ہوئے، آدھا کپ۔ کڑی پنا، دس بارہ۔ ہری مرچ، چھٹی، ایک چھٹا نمک، حسب ذائقہ۔ تیل، ایک کپ۔ پیاز، دو عدد بڑی۔ اٹلی، گاڑ حارس، ایک کپ۔ نمک، ثابت، تین چار عدد۔ لال مرچ، ثابت، چار پانچ۔

ترکیب: کھسب سے پہلے پیاز کو موتا کاٹ کر توے پر ہلکا سا نمک پھر دھنیا، زیرہ، رائی، کلونجی، پنے کی دال، مونگ پھلی، کو پرا توے پر ہلکا سا نمک کر پیاز کے ساتھ سارے پسے مسالے بینڈر میں ڈال دیں ساتھ میں چھوٹی ہری مرچ بھی ڈال دیں، اس میں لال مرچ نہیں ڈالنی۔ جب گاڑ حارس میتھی بن جائے تو پھر ایک پٹلی میں تیل گرم کر کے چند دانے رائی، کلونجی، ثابت سفید زیرہ، لہسن ڈالیں ساتھ میں لال ثابت مرچ بھی ڈال دیں جب بھجنا تیار ہو جائے تو اس میں پنا ہوا مسالا ڈال دیں اور اچھی طرح چوبیس۔ جب مسالا اچھی طرح بھجن جائے تو اس میں دھو کر موتی ہری مرچ ڈال دیں ساتھ ہی کڑی پنا بھی۔ کڑی پنا اس طرح ڈالنے سے زیادہ خوشبو آتی ہے۔ کچھ لوگ بھجنا میں ڈال دیتے ہیں ساتھ میں اٹلی کا رس بھی ڈال دیں، ہلکا سا پانی ڈال کر ہلکے چولنے پر رکھ دیں جب مرچیں مکس جائیں تو اتار لیں۔ فریج میں رکھ کر چار پانچ دن بھی کھا سکتے ہیں ایک بات یاد رہے کہ یہ سالن ایک بار پک جانے کے بعد دوبارہ گرم نہیں ہوتا سادے چاول اور حیدر آبادی ریانی کے ساتھ بہت مزہ دے گا۔

نازیہ خان..... کراچی



کریں۔

☆.....☆.....☆

بچوں کا قد

میں نے پچھلے ماہ اپنے بچوں کا مسئلہ نوکسن کے ساتھ لکھ کر بھیجا تھا لیکن نمبر کے ماہنامہ میں اس کا جواب نہیں تھا اس لیے اب دوبارہ لکھ رہی ہوں۔ میرا بیٹا عمر 20 سال قد ساڑھے چار فٹ ہے۔ عموں صحت بالکل ٹھیک ہے ابھی خوراک کھاتا ہے جنگ فوڈ بالکل نہیں کھاتا اس کا قد پچھلے دو تین سال سے بڑھنا رک گیا ہے۔ مہربانی فرما کر اس کا علاج تجویز کریں اسٹوڈنٹ ہے اور غیر شادی شدہ ہے۔ نظر کمزور ہے اور تین سال پہلے اسے موڈ ڈس آرڈر ہوا تھا اور اب تقریباً 3 سال سے Epival کھا رہا ہے۔ پہلے 100 mg روزانہ اور اب 2 ماہ سے 750 mg کی ڈوز لے رہا ہے۔ نظر بھی کمزور ہے۔

اس کے علاوہ بچی کے قد کے لیے بھی دو چارے بچی کی عمر 16 سال ہے اسٹوڈنٹ اور غیر شادی شدہ ہے۔ قد 5 فٹ ایک انچ ہے اس کی بھی نظر کمزور ہے۔ ریٹائٹ کمزوری ہے بانی صحت ٹھیک ہے کبھی بھی معدے کا کچا سا مسئلہ ہو جاتا ہے۔ میرے سارے خاندان کے لوگ لمبے یا اچھے قد کے ہیں مہربانی فرما کر بچوں کے لیے اچھی کھانسی تیز اثر ڈالو جو بفر خائیں قد بڑھنے کی۔

شہر یارخان، مدینہ خان (میانوالی) جواب: بچوں کا قد نہ بڑھنے کی کئی ایک وجوہات ہوتی ہیں۔ کچھ ادویات بھی بالواسطہ یا

چہرے پر دانے

میری عمر 22 سال ہے۔ میں ایک اسٹوڈنٹ ہوں اور مجھے تقریباً ڈیڑھ دو سال سے یہ مسئلہ ہے کہ جب رات کو سوتی ہوں تو چہرہ بالکل ٹھیک ہوتا ہے لیکن صبح سوکر اٹھنے پر سارا چہرہ باریک باریک پیلے دانوں سے بھرا ہوتا ہے، دانے گرمی دانوں کی طرح باریک اور سخت ہوتے ہیں۔ ایک دو دن ایسا رہنے کے بعد پھر چہرہ خود ہی ٹھیک ہو جاتا ہے۔ مجھے آج تک سمجھ نہیں آئی کہ یہ کیا مسئلہ یا بیماری ہے، اگرچی ہے یا کوئی اور پرائم..... نہ ہی یہ پتا چلتا ہے کہ کچھ کھانے سے ہوتی ہے یا کیا وجہ ہے۔ میں پریزیڈنٹ بہت کرتی ہوں، ایسا تقریباً ہر ہفتے بعد ہوتا رہتا ہے، چہرہ سرخ رہتا ہے۔ اس اگرچی کی وجہ سے میرا رنگ بھی سیاہ ہو گیا ہے جو کہ اچھا خاصہ فریش تھا۔ میں نے ابھی تک اس کا علاج نہیں کر دیا۔ دانے نکلتے ہیں تو کوئی سہ تک لوٹن استعمال کرتی ہوں۔ یہ مسئلہ صرف چہرے پر ہے۔

شاہدہ رانا (خانوال) جواب: پانی کا استعمال بڑھائیں، تیز

پانی والے کھانوں سے پرہیز کریں، شربت، لٹل ریکس سے بھی۔ خون ٹیسٹ FBS، RBS کر کے رپورٹ بھیجیں اور ڈاکٹر کو دیا دے جس کی Sulphur 200 کی ایک ٹوراک صبح نہار منہ 5 قطرے لیں اور ایک دن بعد 30 Graphites 5 قطرے دن میں 3 مرتبہ لیں۔ ایک ماہ بعد کیفیت سے مطلع



from Nature
for Health

شوا بے
ہومیو پیتھک



اس بات کی ضرورت کافی عرصے سے محسوس کر آئی تھی کہ کسی مستند ادارے کے تحت ماہر تجربہ کار ہومیو پیتھک ڈاکٹروں کا بورڈ ہو جو لوگوں کی صحت کے مسائل کو اپنی ماہرانہ رائے اور تجربے کی روشنی میں نہ صرف حل کرے بلکہ ان کی رہنمائی بھی کرے۔ لہذا اس سلسلے کے تحت ہماری کوشش ہوئی کہ ہم آپ کو مختلف امراض کے متعلق آگاہی بھی فراہم کریں اور آپ کے جو صحت کے مسائل ہوں اس بورڈ کے ماہر تجربہ کار ڈاکٹرز کے ذریعے حل کر سکیں تاکہ آپ کا معیار صحت بلند ہو لہذا آپ کے جو بھی صحت کے مسائل ہیں انہیں میں اس پتے پر لکھ بھیجیں پوسٹ بکس نمبر 733 کراچی۔ ہم ماہنامہ پاکیزہ کے ذریعے آپ کی بیماری کے متعلق آپ کی رہنمائی کریں گے لیکن اس کے لیے اپنا مکمل نام، عمر، پتہ اور جو کام کرتے ہیں اس کے متعلق اندرونی حیثیت، بیماری کے متعلق سب سے ہوئی، اطلاع لکھ کر کسی قسم کی رپورٹس ہوں تو اس کی فوٹو کاپی جو پڑھنے کے قابل ہوں ساتھ بھیجیں تاکہ صحیح تشخیص کی جاسکے اور اوراد بھی صحیح تجویز ہو۔

گنیمیں ہیں، کچھ سخت قسم کی ہیں اور کچھ نرم ہیں۔ یہ تقریباً پندرہ سال کی عمر سے بننا شروع ہوئی تھیں جو کہ عمر کے ساتھ ساتھ بڑھتی جا رہی ہیں۔ یہ پہلے چوٹی ہوتی ہیں پھر آہستہ آہستہ بڑی ہو جاتی ہیں۔ بعض دفعہ ان پر خارش ہوتی ہے درد نہیں ہوتا۔ پہلے میری دادی کو یہ بیماری تھی پھر ابو کو ہوئی، اب ہم دو بہن بھائیوں کو ہے۔ تین بہن بھائیوں کی عمر ابھی پندرہ سال سے کم ہے ان کو یہ بیماری نہیں ہے۔

والسلام یا سکین (راولپنڈی) جواب: گھبرانے اور پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، یہ چربی کی گٹھیاں ہیں، چربی یعنی مٹی، تیل، مکھن چیز کا استعمال کم سے کم کریں اور 13 ایک ڈاکٹر ولما رشوا بے جس کی Calc Fluor 3x دن میں 3 مرتبہ 5 قطرے لیں۔

جسم پر گٹھیاں

میری عمر تقریباً ساڑھے اٹھائیس سال ہے اور شادی شدہ ہوں۔ میرا وزن 60 کلو گرام ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ میرے جسم پر گٹھیاں بن

نوکن

برائے شوا بے ہومیو پیتھک

جولائی 2012

اپنا مسئلہ ان نوکن کے ساتھ روانہ کریں۔ نوکن کے بغیر آنے والے مسئلوں پر تو جی نہیں دی جائے گی۔ اپنا مسئلہ میں بھیجیں اسی مہینے کا نوکن استعمال کریں۔

نام: _____
پتہ: _____



کریں، فردت اور سبزیوں کا استعمال کریں، قبض نہ ہونے دیں۔ پانی کا استعمال بڑھائیں۔

☆.....☆.....☆

مثلاً پا اور اسکن

میرا پہلا مسئلہ مثانے کا ہے۔ میری عمر 25 سال ہے اور میرا وزن 73 کلو گرام ہے۔ میرا پیٹ اور کولے کا کافی باہر نکلے ہوئے ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ اسماٹ ہو جاؤں اور وزن کا کافی کم ہو جائے۔

دوسرا مسئلہ نیکور یا کا ہے جو کبھی کبھی ہوتا ہے جس کی وجہ سے میں بہت پریشان رہتی ہوں۔ تیسرا اور آخری مسئلہ اسکن کا ہے۔ میری اسکن کافی آگلی ہے اور چہرے کے مسام بہت زیادہ کھلے ہوئے ہیں۔ اکثر چہرے پر دانے بھی نکل آتے ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ میری اسکن کے مسام بند ہو جائیں اور اسکن فریش نظر آئے۔ برائے مہربانی اچھی دوا میں تجویز فرمادیں اور یہ بھی بتادیں کہ کھانے پینے میں کیا کیا چیزیں گھڑی کرنا ہے۔ میں ایک گھریلو ٹی ہوں گھر سے باہر بہت کم جانا ہوتا ہے مگر گھر میں 10 سے 15 منٹ داک ضرور کرتی ہوں پیلز جلد از جلد جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں۔

شاکتہ محمد رمضان
جواب: مثانے کا علاج اتنا آسان نہیں ہے جتنا ہم سمجھتے ہیں۔ ڈاکٹر بھی کنٹرول کریں،

ماہنامہ میلہ کونہ - جون 2012ء

خارش کے ساتھ ساتھ ہڈیوں میں بھی درد ہے Joint soreness میں زیادہ ہے۔ چکر بے چینی اور گھبراہٹ بھی بہت ہے۔ سر پر پانی پڑنے سے آنکھیں red ہو جاتی ہیں بہت جلدی ہیں ایسی حالت ہے جسے جسم میں پانگل جان نہیں رہتی، دل کی دھڑکن بھی تیز ہو جاتی ہے۔

تیسرا مسئلہ میری skin کا ہے اب فیس بہت خراب ہو چکا ہے، بہت دانے نکلتے ہیں ختم نہ ہوتے پریشان چھوڑ جاتے ہیں۔ سرخ رنگ کے دانے نکلتے ہیں، جلد کے اندر کئی نمونا سادانہ ہے اس کو پوری طرح بننے اور ختم ہونے میں 4, 3 مہینے لگ جاتے ہیں، ان دانوں سے جو دانے نکلتے ہیں وہ زیادہ تر خون ہوتا ہے pus نکلتا ہے فیس ہوتا ہے کچھ گلی نما موٹے دانے نکلتے ہیں اور کچھ باریک pus والے دانے نکلتے ہیں، ہاتھ لگانے سے درد بھی ہوتا ہے کوئی ایسی دوا جو بیز کرے میرے لیے جس سے نہ صرف میری الرجی اور skin problem ٹھیک ہو سکے بلکہ میرا بڑھتا ہوا وزن بھی نازل ہو جائے۔

جواب: سالوں سے آپ مسائل سے لڑ رہی ہیں اس کے بارے میں نہیں لکھا کہ علاج کیا ہے۔ الرجی کب، کس طرح ہوئی یہ نہیں لکھا۔

آپ Hep Sulf 30 اور Apis 30 کے 5, 6 قطرے دن میں 3 مرتبہ استعمال ... تمام ادویات ڈاکٹر ولہار شوابے جرمنی کی استعمال کریں ایک ماہ بعد کیفیت سے مطلع

ایک خوراک ہفتہ میں بارہی 5 قطرے 1/2 کپ پانی لیں اور اس کے ایک دن بعد Allium cepa 30 اور Gelsemium 30 کے 5 قطرے 1/2 کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں۔ 2 ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

☆.....☆.....☆

وزن کی زیادتی اور جلدی مسائل

میری عمر 24 سال ہے۔ میں غیر شادی شدہ ہوں۔ میں زیادہ تر تیار رہی ہوتی ہوں بظاہر بہت محنت مند کھاتی دیتی ہوں۔ جبکہ اندر سے بہت کمزور ہوں۔ ہر وقت پکڑ آتے رہتے ہیں پچھلے 4, 3 سال سے میرا وزن بڑھتا جا رہا ہے۔ میری 5 فٹ ایک انچ height ہے۔ پہلے میرا وزن 48 تھا اب 58 ہو گیا ہے۔

میرا دوسرا مسئلہ الرجی کا ہے، یہ تقریباً پچھلے چار سال سے ہے۔ کبلی دھند جب نمودار ہوتی ہے تب پورے جسم میں حد سے زیادہ خارش کے ساتھ red color کے چکے سے بنتے تھے ابھرے ہوئے۔ اب چکے نہیں بنتے، اسٹے، اب باریک باریک دانے بنتے ہیں ابلہ سرخ ہو جاتی ہے..... جگہ جگہ سے خارش بہت زیادہ ہوتی ہے نہ صرف جسم کے اوپر ہی ہے بلکہ جسم کے اندر دھڑکن سے بھی ہوتی ہے جیسے گلے کے اندر دھڑکن کے اندر بھی آگے پیچھے بھی..... ایسے ہی آنکھوں میں، سر میں، دانتوں میں، ناخنوں

بلواسطاس پر اثر انداز ہوتی ہیں اور ماحول بھی اثر انداز ہوتا ہے۔
بہر حال اپنے بچوں کو Baryta carb 30 اور Calc. Phos 30 کے 5, 5 قطرے 1/2 کپ پانی میں 3 مرتبہ دن میں استعمال کریں۔ 3 ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

☆.....☆.....☆

موکم سے حساسیت

میرا نام سائمر ہے۔ میری بیٹی علیحدہ عمر ساڑھے گیارہ سال ہے، کے لیے میں دوا لینا چاہتی ہوں۔ قد 5 فٹ ہے وزن 49 kg ہے۔ اس کا مسئلہ یہ ہے کہ 4 سال کی عمر سے سردیوں کے آغاز اور گرمیوں کے آغاز میں نزلہ شروع ہو جاتا ہے جو کہ ٹھیک ہونے کے بجائے بگڑ جاتا ہے۔ سخت نزلہ کے ساتھ کھانسی بھی شدید ہو جاتی ہے، جھینک بھی شدید آتی ہیں سینے سے کھڑکھڑکی آوازیں آتی ہیں، سب ڈاکٹر ای جیسی دوائیاں دیتے ہیں۔ میں سخت ڈیسپرس ہو چکی ہوں کہ وہ اتنی دوائیاں کھاتی ہے۔ نیچے پیلز ایسی ہو مویو پیٹنگ دوائی بتائیں جس سے اس کا نزلہ ٹھیک ہو جائے۔

سائمر خان (لاہور)

جواب: آپ کی بیٹی کا جسم موکم کی تبدیلی سے حساس ہے اس کے لیے کچھ عرصہ مختلف ادویات کا استعمال کرنا پڑے گا جو ہم آپ کے خط کے جواب میں بتاتے رہیں گے مئی الوقت ڈاکٹر ولہار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں Psorinum 200

ماہنامہ میلہ کونہ - جون 2012ء

ورزش بھی کریں کم از کم ایک گھنٹا روزانہ اور ایک ماہ تک مندرجہ ذیل ادویات ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی استعمال کریں۔ Fucus Ves Q کے 15 قطرے دن میں تین مرتبہ ½ گلاس پانی میں لیں۔ Calc Sulf 30 اور Belladonna 30 کے 5,5 قطرے ½ کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں۔ تازہ پھل اور سبزیوں کا استعمال کریں۔ یاد رکھیں وزن بڑھنے کی وجوہات میں خاندانی جسمانی بارموز کی کمی یا زیادتی بھی اہم وجہ ہے۔ ہم تفصیلی طور پر پہلے بتا چکے ہیں۔ کوئلرنگس اور شربت کسی بھی قسم کے استعمال نہیں کریں گی۔

گرم موسم کی خصوصی احتیاطیں

جن کو اختیار کر کے آپ موسم گرما کو انجوائے کر سکتے ہیں

1- گرم ٹھنڈا یا ٹھنڈا گرم نہ کریں۔ یعنی گرم جگہ سے ایک دم اڑکنڈیشنڈ میں نہ جائیں یا ٹھنڈی جگہ سے گرم جگہ نہ جائیں اسی طرح نہا کر فوراً پچکے یا اڑکنڈیشنڈ میں نہ آئیں یا باہر لو میں نہ نکلیں۔

2- گرمی کی شدت کے حساب سے پانی کا استعمال کریں لیکن یاد رکھیں پیاس کتنی بھی لگ رہی ہو گرمی سے آکر فوراً پانی نہ پئیں خصوصاً ٹھنڈا بلکہ پہلے ہاتھ منہ دھو کر خود کو ٹھنڈا کریں اس کے بعد پانی پئیں، دن میں کم سے کم 10 سے 12 گلاس پانی پئیں، بچوں کو 6 سے 8 گلاس پانی پلائیں دن میں لیکن یاو

رہے کہ کھانے کے ساتھ اور کھانے کے فوراً بعد نہیں پئیں۔ نہار منہ کھانے سے پہلے اور کھانے کے ۱۰ سے ۱۵ حاتی گھنٹے بعد پانی کا استعمال صحت و ہاضمہ کے لیے مفید ہے۔

3- مصنوعی شربتوں سے ہر قسم کی کوئلرنگ سے دور رہیں، ہاں لسی، ستو (سنت) بھی ہے) نکل گیری، قالہ، اناس، کیری، آم، لیمو کے تازہ جوار شربت حقیقی صحت اور تازگی کے لیے مفید ترین ہیں۔

4- موکی پھل اور سبزیوں کا استعمال آپ کی صحت کو بحال رکھے گا۔

5- اسی طرح گرمی کی مناسبت سے کپڑوں کا استعمال بھی کرنا چاہیے۔ سر کو گرمی سے ضرور بچائیں۔

6- سینے کو کبھی ٹھنڈا یا ہوانہ لگائیں اس طرح جسم کے پٹھے اکڑ سکتے ہیں ان میں درد ہو سکتا ہے، دل کی حرکت بند ہو سکتی ہے یا فالج کا اثر ہو سکتا ہے۔

7- صفائی کا خیال رکھیں، روزانہ کم از کم ایک مرتبہ ضرور نہائیں۔

8- باہر لو چل رہی ہو یا گرمی کی شدت ہو تو کم از کم ایک گلاس پانی لے کر گھر سے نکلیں۔

9- جلد کو دھوپ کی تمنازت سے بچانے کے لیے سن بلاک والا فیس واش لوشن استعمال کریں یم سے بھی منگوا سکتے ہیں

10- یاد رکھیں یہ وہ احتیاطی تدابیر ہیں جن کو اختیار کر کے آپ اپنی موجودہ صحت کو مزید بہتر کر سکتے ہیں۔ بیماریوں سے اور گرم موسم کی شدت سے اپنے آپ کو اور اپنے بچوں کو محفوظ رکھ سکتے ہیں۔

☆.....☆.....☆



Dr. Willmar Schwabe, Germany.

Available at All Leading Medical & Homoeopathic Stores